سُنہری جالیوں کے رُوبرُو

تحقیق و ترتیب

محمد اکرم ۔ اعجاز اشرف انجم

بسم الله الرحمن الرحیم

مصطفیٰ ﷺ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

بلغ العلیٰ بکمالہ

کشف الدجیٰ بجمالہ

حسنت جمیع خصالہ

صلوا علیہ وآلہ

علیہ الصلوٰۃ والسلام

دیوار و در بستان سرا
ہمہ طوطیان خوش نوا
پڑھتی تھیں نعت مصطفےٰ

اور قمریاں بھی شوق میں
ڈالے ہوئے سر طوق میں
کہتی تھیں اپنے ذوق میں

اور بلبلیں بھی کوبکو
لے لے کے ہر اک گل کی بو
کرتی تھیں چرچا سو بسو

چڑیوں کے سن کر چہچہے
انساں بھلا کیوں چپ رہے
لازم ہے اس کو یوں کہے

سُنہری جالیوں کے رُوبرو

تحقیق و ترتیب

محتاجِ کرم ۔ اعجاز اشرف انجم نظامی

بہ اہتمام

اسلامک بک ویژن پاکستان

ادارہ فروغِ فکرِ رضا

دارالعلوم محمدیہ رضویہ، پنڈدادنخان (جہلم)

نام کتاب	☆	سنہری جالیوں کے روبرو
تحقیق وترتیب	☆	اعجاز اشرف انجم نظامی
تعداد صفحات	☆	368
تاریخ اشاعت	☆	12 ربیع الاول 1423ھ
		25 مئی 2002ء
کمپوزنگ وٹائیٹل	☆	فیصل ملک (یونیک کمپوزر کھیوڑہ)
زراعانت	☆	100 روپے

ملنے کا پتہ

ادارہ فروغِ فکرِ رضا

[illegible] محمدیہ رضویہ [illegible]

انتساب

قبلۂ اہلِ صِدق و وفا

سیدنا و مرشدنا

حضرت ابوبکر صدیقؓ سلام اللہ علیہ

کے نام

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس

صدیقؓ کے لئے ہے خدا کا رسول بس

حُسنِ ترتیب

ابتدائیہ

"سنہری جالیوں کے روبرو" آپ کے آئینۂ نظر میں ہے اس میں جمالیات کا پہلو نمایاں ہے۔۔۔ آخر صاحب جمال ﷺ کے حضور نذر محبت وعقیدت ہے۔۔۔ ہاں وہی ذات اعلیٰ جسے وجہ تخلیق کائنات ٹھہرایا گیا۔

مدینہ منورہ صاحب جمال ؐ کا مسکن۔۔۔ عشق محبت کی سرزمین۔۔۔ یہاں محبت کے پھول کھلتے ہیں۔ الفت ومودّت کے سوتے پھوٹتے ہیں۔۔۔ دلبستگی و وارفتگی کے سامان کی ارزانی وفراوانی ہے۔۔۔ زائر مدینہ کے ہر قدم بہشت بریں میں نکلتا ہے۔۔۔ رأفت ورحمت اس سے گلے ملتی ہے۔۔۔ گوشے گوشے اور ذرے ذرے سے اپنائیت اور چاہت کی مہکار آتی ہے۔۔۔ روح وقلب کو چاشنی اور شیرینی عطا ہوتی ہے۔۔۔

صاحب جمال ﷺ کے در اقدس پر حاضری کا تصور کتنی وارفتگی اور سرشاری کا مقام ہے۔ یہ کچھ اہل عشق ہی جانتے ہیں۔۔۔ اور پھر جب یہ تصور حقیقت کا جامہ پہنتا ہے تو اندر کی کائنات کیسی کیسی کیفیتوں سے دوچار ہوتی ہو گی۔۔۔ اس کا اندازہ ہم ایسے محرومین نہیں لگا سکتے۔

ان کیفیات وتجربات کے اظہار کیلئے الفاظ تو کم ہی ملتے ہونگے۔۔۔ تاہم جن لوگوں کو حرف ولفظ پر کسی حد تک دسترس کی سعادت حاصل ہے۔ انہوں نے اپنے تاثرات زیارت قلم بند کرنیکی سعی کی ہے۔ کامیابی تو کسی کو کیا ہوتی کہ واردات قلبی کو صفحۂ قرطاس پر لانا کارے دارد جذب وعشق کی سرمستیوں کو لفظوں کے سانچے میں ڈالنا بہت مشکل ہے۔ دل کی دھڑکنیں اپنے آہنگ کو لفظوں کا محتاج نہیں جانتیں۔

سُنہری جالیوں کے رُوبرو

تحقیق و ترتیب

محتاجِ کرم۔ اعجاز اشرف انجم

محبت نامہ

محبوب سے ملاقات کی تمنا پوری نہ ہو رہی ہو تو اس کا محبت نامہ آدھی ملاقات کا کام کر جاتا ہے۔ اعجاز اشرف انجم نے ''سنہری جالیوں کے روبرو'' مرتب کر کے ایسا ہی ایک محبت نامہ مہیا کر دیا ہے جو روضہ رسولؐ پر حاضری کی تمنا رکھنے والے ہر عاشق رسولؐ اور نبی اکرمؐ کے ہر امتی کے لئے آدھی ملاقات کا اہتمام کرتا ہے۔

یہ کتاب اردو زبان میں شائع ہونے والے ان سفرناموں کا دل آویز انتخاب ہے جن میں روضہ رسولؐ پر حاضری کا ذکر ہے۔ اعجاز اشرف انجم نے ہزارہا صفحات کو کھنگال کر وہ سارے موتی ایک جگہ جمع کر دیئے ہیں جو اس ادبی سمندر کی تہہ میں جابجا بکھرے ہوئے تھے۔ یہ موتی ان کیفیات سے تعلق رکھتے ہیں جو اس موقع پر عاشقان رسولؐ کے قلب ونظر پر وارد ہوئیں۔ ان کیفیات کا بیان اتنی طاقت اور تاثیر رکھتا ہے کہ پڑھنے والا اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، اور یہی اس انتخاب کا بنیادی مقصد اور اس کی اصل خوبی ہے۔

عشق رسولؐ ایک بے حد و بے کنار، وسعت اور ایک صد ہزار پہلو واردات ہے جسے احاطہ تحریر میں لانا آسان نہیں۔ روضہ رسولؐ پر حاضری کے دوران حضورؐ سے محبت رکھنے والوں کے دل و دماغ اور روح پر جو کچھ بیت جاتا ہے، وہ دراصل عشق رسولؐ ہی کا ایک عکس ہوتا ہے۔ پھر بھی خدا نے جن گنے چنے لوگوں کو قوت بیان عطا کی ہے، انہوں نے حسب توفیق اپنے تاثرات کو الفاظ کا لباس پہنا کر دوسروں تک پہنچایا ہے اور یوں ان کے احساس اور ذوق کی آبیاری کی ہے۔ اعجاز اشرف انجم نے اس منتشر خزانے کو اس کتاب کے اوراق میں سمیٹ کر نہ صرف ان عاشقان رسولؐ کے لئے تسکین کا قابل قدر سامان کر دیا ہے جو ابھی تک روضہ رسولؐ پر حاضری دینے کے شرف سے محروم ہیں، بلکہ ان تمام احباب کی بھی خدمت کی ہے جنہیں یہ شرف حاصل ہو چکا ہے، کیونکہ یہ کتاب ان کے لئے بھی ایک ایسے آئینے کا کام کرے گی جس میں وہ اپنی قلبی، ذہنی اور روحانی کیفیات کو پہلے سے بہتر طور پر سمجھ سکیں گے۔

روضہ رسولؐ پر حاضری کی دینی اہمیت کے ساتھ ساتھ ایک روحانی معنویت بھی ہے۔ میرے نزدیک اقبالؒ بیسویں صدی کے سب سے بڑے عاشق رسولؐ تھے۔ کسی نے ان سے پوچھا۔ آپ یورپ تو ہو آئے، مدینہ کیوں نہیں گئے، کہا! اپنے اعمال سے ڈرتا ہوں۔ حاضری کی تاب نہ لاسکوں گا۔ اقبالؒ نے اپنی ایک مشہور فارسی رباعی میں خدا سے بھی عرض کی تھی کہ اگر میرا حساب لینا ہی ہے تو کم از کم رسول اللہؐ کے سامنے رسوا نہ کیا جائے۔ غالب نے اپنے انداز میں کہا تھا

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالبؔ
شرم تم کو مگر نہیں آتی

کم و بیش یہی کیفیت ہر اس مسلمان پر طاری ہوتی ہے جو روضہ رسولؐ پر حاضری دیتا ہے۔ اس موقع پر کہیں نہ کہیں وہ اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھتا ہے کہ کیا میں اس قابل ہوں کہ محبوب خدا کو منہ دکھا سکوں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک انسان میں یہ کیفیت پیدا نہ ہو، اس کی دنیا سنورتی ہے نہ آخرت۔ وہ مسلمان ہوتے ہوئے بھی مسلمان نہیں ہوتا، اس لئے کہ اگر دل ہی نہ بدلا تو کہاں کا ایمان اور کہاں کا اسلام۔ بہرکیف یہ کتاب ایسی بہت سی کیفیات کا مجموعہ ہے جو قاری کو نہ صرف روضہ رسولؐ پر حاضری بلکہ، دلوں میں جھانکنے اور اپنا احتساب کرنے کی راہ دکھا کر، خود خیر البشر کے حضور میں پیش ہونے کے لئے تیار کرتی ہیں۔

یوں محسوس ہوتا ہے کہ ابھی تک اعجاز اشرف انجم کو روضہ مبارک پر حاضری کے لئے رسول اللہؐ کا بلاوا نہیں آیا، ورنہ خود ان کا سفرنامہ بھی کتاب میں شامل ہوتا۔ مجھے یقین ہے کہ یہ کتاب مرتب کر کے انہوں نے حضورؐ سے جس گہری عقیدت کا مظاہرہ کیا ہے، اس کے صدقے انہیں عنقریب یہ شرف حاصل ہو جائے گا۔ ویسے بھی اس باب رحمت سے کبھی کوئی خالی ہاتھ نہیں لوٹتا۔ بہرحال ان کی یہ ادبی، علمی، دینی اور روحانی کاوش عبادت سے کم نہیں۔

محمد حنیف رامے
سابق وزیر اعلیٰ پنجاب
لاہور

کیفیات حضوری

حرمین شریفین سے بڑھ کر مبارک سفر کون ہوسکتا ہے! اہل دل سے سنا ہے کہ ان کی منزل آخرین ''مدینہ'' ہے۔ اس منزل تک پہنچنے کے لئے وہ مدتوں دعائیں کرتے ہیں۔ جب ان کے ''جذب دل'' کی تکمیل ہوچکتی ہے تو انہیں دربار نبیؐ سے ''بلاوا'' آجاتا ہے۔

یہ بھی سنا ہے کہ کعبۃ اللہ مظہر جلال اور مدینۃ النبیؐ مظہر جمال ہے۔ جلال کی کیفیت تو بیان کی جاسکتی ہے، لیکن جمال کا کماحقہ، بیان ممکن نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ عاشق وارفتگی و محویت کے باوصف دید جمال میں کھو جاتا ہے، جب یہ حال ہو تو پھر وہ خودرفتگی کی کیفیت کیوں کر بیان کرے! غالباً یہی وہ مقام ہے جہاں قلم عاجز اور زبان گنگ ہو جاتی ہے۔ اس کیفیت کا اظہار شاید ممکن ہی نہیں ۔

جلوہ گاہِ ناز کے پردوں کا اٹھنا یاد ہے
پھر ہوا کیا، اور کیا دیکھا، یہ کس کو ہوش ہے

عزت بخاری جیسے قادرالکلام بس یہی بیان کرسکے ۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ اینجا

ان نظارہ کرنے والوں میں ہر مزاج کے عاشق ہوتے ہیں۔ ہر ایک کی کیفیت جدا، ہر ایک کا انداز الگ، ہر گلے را رنگ و بوئے دیگراست، ہمارے اشرف انجم نظامی صاحب نے ان مختلف کیفیات حضوری کو بڑے سلیقے اور قرینے سے یکجا کردیا ہے۔ یوں وہ رنگارنگی اور بوقلمونی دیکھنے کو ملی ہے جس کا خوبصورت مظہر یہ کتاب ہے۔

اردو کے مختلف سفرناموں سے منتخب یہ مضامین عجب کیف و سرور اور ذوق و مستی کے حامل ہیں، لیکن بعض ادب پارے تو ایسے ہیں کہ دامن دل کو کھینچ کھینچ لیتے ہیں۔ انہی میں سے ایک ٹکڑا اردو کے صاحب طرز انشاء پرداز عبدالماجد دریا آبادیؒ کا بھی ہے۔ اس تحریر کو میں نے جب بھی پڑھا ہے، اس نے دل کو گرمایا ہے۔ اور شوق حضوری کو تیز تر کیا ہے،

ملاحظہ ہو:

جسے دیکھئے مواجہ شریف کی طرف کھنچا چلا آرہا ہے۔ اس وقت رخ قبلہ کی جانب نہیں پتھر سے تعمیر کئے ہوئے کعبہ کی جانب نہیں، بلکہ اس کے دراقدس کی جانب ہے۔ جو دلوں کا کعبہ اور روحوں کا قبلہ ہے، کسی کا نالہ جگر گداز، کسی کے لب پر آہ وفریاد، ہر شخص اپنے حال میں گرفتار، ہر متنفس اپنے اپنے کیف میں سرشار، گناہ گاروں کی آج بن آئی ہے۔ آستان شفیع المذنبین تک رسائی ہے۔ ادھر یہ سب کچھ ہو رہا ہے، رندو پارسا، فاسق و متقی سب ہی اس دھن میں لگے ہوئے ہیں۔ ادھر ایک ننگ امت حیران و ششدر، حواس باختہ، چپ چاپ سب سے الگ کھڑا ہے۔ سر سے پیر تک کیا عالم حیرت طاری، یاالٰہی! یہ خواب ہے یا بیداری۔ کہاں ایک مشت خاک، کہاں یہ عالم پاک، جہاں کی حضوری جبریل امینؑ کے لئے باعث فخر و شرف کا سبب ہو، آج وہاں عبدالقادر دریا آبادی کا فرزند عبدالماجد اپنے گندہ دل اور گندہ تر قلب کے ساتھ بے تکلف اور بلاجھجک کھڑا ہوا ہے۔ دماغ حیران، عقل دنگ، زبان گنگ، ناطقہ انگشت بدنداں، نہ زبان یاوری کرتی ہے، نہ لب کسی عرض و معروض پر کھلتے ہیں۔ نہ دعاؤں کے الفاظ یاد پڑتے ہیں۔ چلتے وقت تک دل میں کیا کیا ولولے اور کیسے کیسے حوصلے تھے، لیکن اس وقت سارے منصوبے ایک قلم غلط، سارے حوصلے اور ولولے یک لخت غائب! لے دے کے جو کچھ یاد پڑتا ہے، وہ محض کلام مجید کی بعض سورتیں اور آیتیں ہیں یا پھر وہی معروف درود شریف اور زبان ہے کہ وہ دوہرائے چلی جارہی ہے۔
نظارہ جنبیدن مژگاں گلہ دارد۔

(سفر حجاز: 1929ء)

مختلف ادیبوں اور سفرنگاروں کے قلم سے حضوری کی ایسی ہی کیفیات پڑھتے ہوئے قاری تھوڑی دیر ہی کے لئے سہی، خود کو مواجہ شریف کے روبرو محسوس کرتا ہے اور اس کی زبان سے بے اختیار ''الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ!'' کا وردِ جانفزا جاری ہو جاتا ہے۔

پھر اہل معرفت کی حاضری کا تو معاملہ ہی الگ ہے۔ حضرت سلطان الہند خواجہ غریب نوازؒ کو انہی لمحات حضوری میں خلعت نیابت سے نوازا گیا اور پیغام حق سنانے کے لئے ہندوستان جانے کا حکم ملا۔

انہی لمحات حضوری میں سرفراز ہونے والوں میں حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت بھی تھے، جو اپنی حاضری کا حال یوں بیان کرتے ہیں:

''جس وقت (روضہ رسولؐ پر) میری عرض کرنے کی نوبت آئی، میں نے پہلے وضو کیا اور دو رکعت نماز ادا کر کے بہ آواز بلند عرض کیا:

الصلوٰۃ والسلام علیک یا جدی!

روضہ مطہرہ سے آواز آئی:

وعلیکم السلام یا احسن ولدی!

پھر قفل دروازہ روضہ متبرکہ زمین پر گر پڑا، اور دروازہ از خود کھل گیا۔ میں روضہ متبرکہ کے اندر گیا اور درخواست حاضری اس حضرت پاک سے کی۔ فارسی زبان میں ارشاد فرمایا:

بیا اے مخدوم جہانیاں جہاں گشت!

جونہی میں اس خطاب سے مشرف ہوا، زیارت کر کے واپس مدینہ منورہ میں آیا۔''

(بحوالہ انوار صوفیہ: حضرت عبدالحق محدث دہلویؒ)

حضوری کی گھڑیوں میں ہر حاضر باش اور زائر کے ساتھ معاملہ اس کی قلبی کیفیت کے مطابق ہوتا ہے۔ ہاں، یہ ضرور ہے کہ لطف وکرم اور رحمت عام سے کوئی بھی محروم نہیں لوٹتا۔

میں ان سفرناموں سے ہمیشہ لطف وانبساط کی کیفیات سے سرشار ہوا ہوں، لیکن یہ لکھتے ہوئے دکھ ہوتا ہے کہ 1925ء کے بعد جس قدر سفرنامے شائع ہوئے، ان کے مطالعہ سے ایک کرب سے بھی دوچار ہوا۔ اس دکھ کا اظہار تقریباً ہر سفرنامہ نگار نے کیا ہے کہ حکومت نے اصحاب کبار، اہل بیت اطہار اور امہات المومنین کے مقدس ومبارک مزارات اور قبے شہید کر دیئے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ اس دلدوز ذکر نے مجھے ہمیشہ تڑپایا ہے۔ یہ ذکر مولانا حسرت موہانی، مولانا محمد الیاس برنی، منشی امیر احمد علوی، مولانا عبدالماجد دریابادی سے لے کر آغا شورش کاشمیری تک ہر اہم سفرنامہ نگار نے کیا ہے، خود روئے ہیں اور دوسروں کو رلایا ہے۔ ذرا جگر تھام کر آغا شورش کے سفرنامہ (شب جائیکہ من بودم) کی یہ سطریں پڑھ لیجئے:

''میں مولد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کھڑا سوچتا رہا کہ انسان کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکی زندگی یاد آ گئی۔ ان مکہ والوں نے حضورؐ سے کیا سلوک کیا تھا کہ ان کے مکانوں سے کوئی سلوک کرتے۔

''شریعت کے احکام معاشرہ اور ریاست کے لئے ہیں۔ آثار ومظاہر کے لئے نہیں کہ ان پر سختی برتی جاتی۔ جب نئے دور کی سبھی چیزیں قبول کر لی ہیں، تو کیا ایک تاریخ اور اس

کے خزینے ہی ایسے ہیں، جنہیں مخصوص رکھنا بدعت یا خلاف سنت ہے۔ قرآن اس کی تائید نہیں کرتا۔ یہ چیزیں ہر حالت میں محفوظ رہنی چاہئیں۔ سب اللہ تعالیٰ کے آخری نبیؐ کی نشانیاں ہیں۔ تاریخ کے جواہر ریزے اور عقیدت کے شہ پارے ہیں۔ انہی سے تاریخ کو تحقیق اور زائروں کو عشق کی راہیں ملتی ہیں..........

''جنت المعلیٰ مکہ معظمہ کا قدیم ترین، لیکن جنت البقیع کے بعد سب سے افضل قبرستان ہے۔ کسی قبر پر کوئی نشان یا کتبہ نہیں۔ سب نشان ڈھا دیئے گئے ہیں۔ ہر طرف مٹی کے ڈھیر ہیں..... حضرت خدیجہؓ کی قبر پر نگاہ کی۔ ام المومنینؓ کا مزار، میں کانپ اٹھا۔ میرا دل دھک دھک کرنے لگا۔ مسلمانوں نے اپنی بیویوں کے تاج محل بنا ڈالے، لیکن جس عورت کو پیغمبر آخرالزماںؐ کی پہلی شریک حیات ہونے کا شرف حاصل ہوا، جو فاطمۃ الزہراؓ کی ماں تھیں، وہ ایک قبر ویران میں پڑی ہیں۔ عربوں کا مزاج ہی ان کے لئے سزا ہے۔ کیا خدیجۃ الکبریٰ کی زندگی نہیں گزار رہیں؟ حضورؐ کو بعثت کے پہلے کئی سال ستایا گیا، ام المومنینؓ کو اب تک ستایا جا رہا ہے۔

''قرآن و سنت نہیں، یہ سنگینی و سنگدلی ہے کہ رسول اللہ کی یادگاریں مٹائی جائیں اور اپنی یادیں کھڑی کی جائیں۔ کیا عرب اس اہانت اور بغاوت کی سزا نہیں پا رہے؟''

میں ایسے اقتباسات سے آپ کو غمزدہ نہیں کرنا چاہتا، لیکن یہ بہر حال سفرناموں کا حصہ ہیں اور سفرنامہ نگاروں کے مشاہدات کا اہم جزو۔ کاش ایسا نہ ہوتا اور ہم ایسی باتیں نہ پڑھتے۔

اعجاز اشرف انجم نظامی صاحب نے یہ ارمغان محبت مرتب کر کے ایک عظیم خدمت انجام دی ہے۔ انہوں نے محنت اور محبت سے ان کیفیات حضوری کو یکجا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں بیش بہا جزائے خیر سے نوازے! ان شاء اللہ ان کی مرتبہ یہ کتاب اہل دل میں ذوق و شوق کے ساتھ پڑھی جائے گی اور کیف و اثر میں ڈوبے اور عشق و محبت کے پیرایہ میں لکھے ہوئے یہ مشاہدات و تاثرات عوام و خواص میں مقبول ہوں گے!

پروفیسر ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی
ایڈیٹر ماہنامہ ''درویش'' لاہور

عقیدت کی آبیاری

مدینہ کریمہ (علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام)، وہ شہر، جسے خالق و مالک حقیقی جل وعلا نے اپنے محبوب حقیقی (ﷺ) کے مستقل قیام کے لئے پسند فرمایا۔

وہ دیار انصار، جس کا ذرہ ذرہ مہمان نوازی میں یکتا ہے۔

وہ شہر محبت، جسے حضور محبوب کبریا علیہ التحیۃ والثناء نے یوں اپنایا کہ پھر اپنی جنم بھومی (مکہ مکرمہ) میں صرف دو بار تشریف لے گئے۔ ایک بار عمرہ کرنے، دوسری مرتبہ فتح کرنے۔

اپنائیت کا وہ منبع، جس کی فضاؤں میں یگانگت کی خوشبوئیں رچی بسی ہیں اور جس کے ذروں سے بوئے وفا کی لپٹیں نکلتی ہیں۔

وہ خطہ وزمیں، از ازل تا بہ ابد جہاں حضور فخر موجودات علیہ السلام والصلوٰۃ کے علاوہ نہ کسی کی حکومت ہوئی، نہ ہو سکتی ہے۔

جہاں کے حکمران اول و آخر (ﷺ) نے دلوں پر حکمرانی کی نئی طرح ڈالی۔

اجالوں کا وہ قریہ جس میں اندھیاروں اور ظلمتوں کا گزر نہیں۔

وہ شہر لاثانی جس میں الطاف و اکرام الٰہی کی فراوانی ہے۔

وہ حصار مرحمت جس میں آنے کے بعد، مومن سحر معصیت کے اثرات سے مامون ہو جاتا ہے۔

جس کی حاضری کے بعد، حضوری کی کیفیتوں سے سرشاری یوں مگن کر دیتی ہے کہ پھر اس در کی حاضری کے سوا کوئی لگن نہیں رہتی۔

جہاں قبہ خضرا، منار نور ہے، منار رحمت ہے، مواجہ الرسول (ﷺ) کی نظارہ افروزیاں ہیں، ریاض الجنۃ کے حدیقے ہیں، محراب تہجد میں رسائیوں کے نشے ہیں، قدمین میں جبین نیاز کی ناز آفرینیاں ہیں۔ جہاں باب جبرئیل و باب بقیع پر، دیدہ اندروں رکھنے والوں کو "جـــاء وک" کی نویدیں کندہ دکھائی دیتی ہیں۔ جہاں باب السلام کی چوکھٹ کی کہربائیاں، مقناطیسیت کی انتہاؤں کو چھوتی نظر آتی ہیں۔ جہاں کے اسطوانے اپنے کینوس پر قرون اولیٰ کے مناظر پینٹ کرتے ہیں۔ جہاں کے کوچہ و بازار ادب و احترام کا درس

دیتے ہیں۔ جہاں کی آب و ہوا میں سانس لینے والے، لائق تکریم و توقیر ہیں اور جنہیں اس خاک تابناک میں تدفین کے باعث، حضور شافع عاصیاں (ﷺ) کی ضمانت نصیب ہو چکی ہے، ان کے ستارہ قسمت کی آسمان عزت پر ضوفشانیاں دیدنی کیوں نہ ہوں۔

اور...... جب کوئی اہل محبت اس شہر کرم (علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) کا ذکر مقدس چھیڑتا ہے، اس دیار انس و وفا کی بات کرتا ہے، اجالوں کے اس نگر کی روشنیوں سے سننے یا پڑھنے والوں کو تنویروں کا سندیسہ دیتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ شہر امن مکہ معظمہ کی عظمتیں بیان کرتا ہے...... گویا روح و جاں کو سرور و کیف کی لذتوں سے آشنا کرتا ہے، عقیدت کے جذبوں کو مہمیز کرتا ہے، اور انبساط و بہجت کے در کھولتا ہے۔ پروفیسر جیلانی کامران نے اپنے مضمون ''حج کے سفرناموں کی روایت'' (مشمولہ ماہنامہ ''ماہ نو'' بابت نومبر 1978) میں لکھا کہ یہ سفرنامے بنیادی طور پر محبت کے سفرنامے ہیں۔ محبت کے جذبے کے بغیر یہ سفر شروع ہی نہیں ہوتا۔ واردات حج کی باتیں عموماً عشق و جذب کی باتیں ہیں۔

حج و زیارت کے سفرناموں کی اساس محبت و عقیدت ہے اور جب کوئی اہل محبت، عقیدت و احترام کے شدید جذبوں کے ساتھ ان سفرناموں کے اقتباسات جمع کر کے ارباب مودت تک پہنچانے کا عندیہ ظاہر کرتا ہے تو مجھ ایسے...... محبت کی مسرتوں کا ٹھکانا نہیں رہتا، اعجاز اشرف انجم نظامی اسی لئے مجھے اچھے لگے ہیں۔

حج و زیارت کی تحریری سفرناموں کی ابتدا ابو عبداللہ المقدسی کی ''احسن التقاسیم فی معرفت الاقالیم'' سے ہوئی۔ ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں کہ ابو القاسم محمد ابن خوص بغدادی کے سفرنامے ''المسالک والممالک'' میں حج کے واقعات بیان کئے گئے ہیں (نقوش لاہور۔ شمارہ 137۔ دسمبر 1988۔ مضمون ''حج ناموں کی روایت اور اردو حج نامے'') پروفیسر حافظ محمد افضل فقیر نے عربی میں لکھے گئے محمد ابن جبیر اندلسی، ابو عبداللہ شرف الدین محمد ابن بطوطہ اور ڈاکٹر عبدالوہاب عزام کے سفرناموں کا خاص طور سے ذکر کیا ہے (کتاب ''جمال حرمین'' از حافظ لدھیانوی...... کا دیباچہ)

فارسی میں ناصر خسرو بلخی کا سفرنامہ بہت مشہور ہے۔ ڈاکٹر انور سدید نے لکھا ہے کہ ''برصغیر میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا سفرنامہ حجاز ''جذب القلوب الی دیار المحبوب'' فارسی زبان کا قدیم ترین سفرنامہ شمار ہوتا ہے۔ یہ سفرنامہ ان کے سوز دروں، جذب کامل اور حب

نبوی (ﷺ) کا مظہر ہے۔'' لیکن حقیقت یہ ہے کہ ''جذب القلوب'' سفر نامہ قطعاً نہیں ہے، یہ مدینہ منورہ کی تاریخ ہے۔

فارسی میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی ''فیوض الحرمین'' رفیع الدین فاروقی مراد آبادی کی ''سوانح الحرمین'' اور نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کی ''ترغیب السالک الیٰ احسن المسالک موسوم بہ راہ آورد'' (حافظ محمد افضل فقیر نے اس کا نام ''سراج منیر'' لکھا ہے۔ اس کا ترجمہ ''ماہ منیر'' کے نام سے چھپا'' میں حجاز مقدس کے متعلق ایسی معلومات فراہم کی گئی ہیں جن کا تعلق پڑھے ہوئے زیادہ دیکھے ہوئے سے ہے۔

حافظ محمد افضل فقیر کے بقول، اردو کا سب سے پہلا ۱۲۶۸ھ/ ۱۸۵۱ء لکھا جانے والا سفر نامہ حج ''رحلۃ الصدیق الی ابیت العتیق'' ہے جو نواب صدیق حسن بھوپالی نے تحریر کیا۔ ڈاکٹر انور سدید نے ان کے حوالے سے یہ بات تو کر دی ہے لیکن چند صفحات کے بعد اس کتاب کا مولف محمد صدیق خیر آبادی کو بتایا ہے اور یہ معلومات دی ہیں کہ یہ کتاب کارخانہ فقیر محمد لکھنو سے شائع ہوئی جس پر سن اشاعت مرقوم نہیں ہے۔ راقم نے یہ کتاب نہیں دیکھی۔

حافظ محمد افضل فقیر مرحوم نے اپنے دیباچے میں خواجہ حسن نظامی اور عبدالماجد دریا بادی کے سفر ناموں کی بطور خاص تعریف کی ہے۔

انیسویں صدی میں شائع ہونے والے اردو سفر ناموں میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی زیارت کے حوالے سے جو خاص کتابیں سامنے ہیں، ان میں 1871ء میں چھپنے والی منصب علی خاں کی ''ماہ مغرب'' اور 1880ء میں شائع ہونے والی محمد عمر علی خاں کی ''زاد غریب'' اہم ہیں، 1884ء میں وزیر حسین بریلوی کی ''وکیل الغربا'' چھپی۔ 1891ء میں سید کاظم حسین شیفتہ کنتوری نے حج کیا اور اس کی روداد ''حرمین الشریفین'' کے نام سے شائع کی۔ 1895ء میں میرزا عرفان علی بیگ کی ''سفر نامہ حجاز'' زیور طبع سے آراستہ ہوئی۔

بیسویں صدی ختم ہونے کو ہے۔ اب تک اردو میں حجاز مقدس کے بہت سے سفر نامے شائع ہو کر اہل محبت کی آنکھوں کے راستے دلوں تک پہنچ چکے ہیں۔ ان میں سے جن سفر ناموں کے بارے میں راقم کو معلومات مل سکی ہیں، وہ اہل ولا قارئین کی نذر کی جاتی ہیں (ظاہر ہے کہ اس فہرست کو کسی طرح مکمل نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن اس طرح بہت سی معلومات یکجا ضرور ہو گئی ہیں)

اردو میں اب تک چھپنے والی کتابوں کی دستیاب فہرست درج ذیل ہے:

1- آقا کے حضور (سید ابوالحسن علی ندوی۔ 1367ھ/ 1974ء۔ پاکستان اسٹیٹ آئل ریویو کے خصوصی حج نمبر 1408ھ میں صفحہ 91 تا 94 پر اس کا کچھ حصہ شائع کیا گیا۔)

2- آنحضورؐ کے نقش قدم پر (پروفیسر عبدالرحمان عبد۔ لاہور۔ 1991ء۔ کتاب چار جلدوں حرم نبوی، حرم مدینہ، حرم مکہ اور حرم عرفات پر مشتمل ہے۔)

3- آئینہ حجاز (راجا محمد شریف۔ جوہر آباد/ 1975ء۔ زمانہ حج 1969ء ہے)

4- اپنی منزل کی طرف (عاصی کرنالی۔ ملتان۔ 1990ء)

5- ارض تمنا: مکہ و مدینہ (پروفیسر غلام الثقلین نقوی۔ لاہور۔ 1986ء)

6- ارض مقدس۔ کنیز محمد بیگم۔ سیالکوٹ۔ 1966ء۔ زمانہ حج 1964ء ہے)

7- السفر اللطیف الیٰ بیت اللہ الشریف (محمد لطیف مچھلی شہری۔ لکھنو۔ 1904ء)

8- باؤلی بھکارن (بشریٰ رحمان)۔ لاہور۔ 1982ء)

9- بلاوا (افضل کیانی۔ جہلم۔ 1981)

10- بلاوا آہی گیا (حافظ افروغ حسن۔ لاہور۔ 1408ھ)

11- پاکستان سے دیار حرم تک (نسیم حجازی۔ لاہور۔ 1960۔ ایران، ترکی اور حجاز کا سفرنامہ ہے)

12- پھر سوئے حرم (صادق قریشی۔ لاہور۔ 1981)

13- تذکرۂ حجاز (بریگیڈیئر گلزار احمد۔ راولپنڈی۔ 1402ھ)

14- جمال حرمین (حافظ لدھیانوی۔ کراچی۔ بار دوم 1983۔ زمانہ حج 1974 ہے)

15- جہلم سے عرفات تک (شمس کاشمیری۔ گجرات۔ 1979)

16- چند دن حجاز میں (الحاج محمد زبیر۔ کراچی۔ 1986)

17- حاضری (اللہ بخش کلیار۔ لاہور۔ س ن۔ شاید 1994)

18- حج امجد (سید احمد حسین امجد حیدری آبادی۔ 1346ھ/ 1927۔ پی ایس او کے خصوصی حج نمبر 1408ھ میں صفحہ 75 تا 82 پر شائع کیا گیا)

19- حج صادق (محمد عزیز الرحمان عزیز۔ بہاولپور۔ 1937۔ زمانہ حج 1935 ہے)

20- حج کا ساتھی (مستری چراغ الدین پسروری۔ دہلی۔ 1927۔ زمانہ حج 1926 ہے)

21- حجاز کا سفرنامہ (بیرسٹر ثمین خان۔ 1406ھ/ 1986۔ پی ایس او کے خصوصی حج

نمبر 1408ھ میں صفحہ 116 تا 121 پر شائع کیا گیا)

22- حدیث حرم (محمد ذاکر علی خاں۔ کراچی۔ س ن)

23- حدیث دل (عبداللہ ملک۔ لاہور۔ 1978)

24- حدیث دل (وحیدہ نسیم۔ کراچی۔ 1980)

25- حرم میں دو سو روز (چودھری محمد اسلم۔ لاہور۔ 1985)

26- حرمین الشریفین (سید کاظم حسین شیفتہ کنتوری۔ زمانہ حج 1891 ہے۔ ڈاکٹر انور سدید کے مضمون مشمولہ نقوش لاہور۔ شمارہ 137۔ دسمبر 1988 میں اس کتاب کا ذکر کیا گیا ہے)

27- حریم دیدہ و دل (محمد عارف۔ لاہور۔ 1973۔ صفحہ 81 سے 113 تک ذکر حجاز ہے)

28- حضور الحرمین (ابو النصر منظور احمد۔ ساہیوال۔ س ن)

29- خاک حجاز کے نگہبان (صلاح الدین محمود۔ لاہور۔ 1984۔ مصنف کے سفر نامے ''اسلام کے نقش اول کی تلاش'' کا یہ ابتدائی حصہ مجلّہ ''روایت'' لاہور میں چھپا لیکن مدیر نے اس کے کچھ حصے ''خوف فساد خلق'' کے باعث حذف کر دیئے۔ راقم الحروف راجا رشید محمود اور پروفیسر سید سجاد رضوی نے مصنف سے مل کر یہ مکمل مضمون حاصل کیا اور محقق عصر حکیم محمد موسیٰ امرتسریؒ کی نگرانی میں مرکزی مجلس رضا، لاہور سے اس کے کئی ایڈیشن شائع کروا دیئے۔ بعد میں کئی دوسرے اداروں نے بھی اسے طبع کیا)

30- خدایا ایں کرم بار دگر کن (حافظ عبدالرزاق۔ چکوال۔ س ن)

31- دربار نبوت کی حاضری (مناظر احسن گیلانی۔ کراچی۔ 1981)

32- دیارِ حبیبؐ میں (فضل حق۔ 1408ھ/ 1988۔ پی ایس او کے خصوصی حج نمبر میں صفحہ 122 تا 126 پر شائع کیا گیا)

33- دیار حبیبؐ میں چند روز (ملک محمد اکرم۔ چکوال۔ 1977)

34- دیار حبیبؐ میں چند روز (ڈاکٹر عبادت بریلوی۔ لاہور۔ 1987)

35- دیار حبیبؐ کی باتیں (فضل الدین۔ جہلم۔ 1956)

36- دیار عرب میں چند ماہ (مسعود عالم ندویؒ۔ کراچی۔ 1955۔ عراق و حجاز کا سفر نامہ ہے)

37- دیار نور (راجا رشید محمود۔ لاہور۔ 1993)

38- راہ عقیدت (محمد شفیع اوکاڑوی۔ کراچی۔ س ن۔ 1962 کی حاضری)

39- راہ وفا (محمد حفظ الرحمان وفا ڈبائیوی۔ 1935۔ منظوم "تاثر نامہ" بھی ہے)

40- رحلۃ الصدیق الی بیت العتیق (محمد صدیق خیر آبادی۔ کارخانہ فقیر محمد لکھنو۔ س ن۔ پروفیسر حافظ محمد افضل فقیر نے حافظ لدھیانوی کے پہلے سفر نامہ حجاز "جمال حرمین" کے دیباچے میں کتاب کا نام 'الصدیق الی بیت العتیق' لکھا ہے جو درست نہیں، انہوں نے اسے نواب صدیق حسن خاں بھوپالی کی تالیف بتایا ہے۔ نیز لکھا ہے کہ یہ اردو میں سب سے پہلا سفر نامہ حج تھا جو 1268 میں تحریر کیا گیا۔ راقم نے یہ کتاب نہیں دیکھی البتہ ڈاکٹر انور سدید نے اپنے مقالے میں اس کا نام "رحلۃ الصدیق" لکھا ہے جو درست لگتا ہے۔ پھر انہوں نے مولف اور ناشر کا نام بھی دیا ہے، اس لئے گمان ہے کہ ان کی معلومات درست ہوں گی)

41- رحلۃ المسکین الی البلد الامین (محمد حسین الہ آبادی۔ مطبع انور صابری۔ 1906)

42- روداد سفر حجاز (ڈاکٹر نصیر احمد ناصر۔ لاہور۔ س ن)

43- رہنمائے سفر (ڈاکٹر محمد نواز فاروقی۔ حافظ آباد۔ 1964)

44- زاد الزائرین (مرزا قاسم بیگ۔ دہلی۔ 1901)

45- زاد غریب (محمد عمر علی خاں۔ میرٹھ۔ 1880)

46- زہے نصیب (زبیدہ حیؔ۔ فیصل آباد۔ 1983۔ زمانہ عمرہ 1981)

47- زیارات مقامات مقدسہ (محمد صدیق تنہا بن حکیم حافظ میاں غلام رسول۔ پنڈ دادنخان۔ 1993)

48- سبیل الرشاد (ڈاکٹر عبدالمجید صدیقی۔ کراچی۔ 1936)

49- سرگزشت حجاز (مرزا عبدالحلیم بیگ۔ ڈاکٹر انور سدید نے اپنے مقالے میں اس کا ذکر کیا ہے، یہ نہیں لکھا کہ انہوں نے معلومات کہاں سے لی ہیں)

50- سفر حج کے تاثرات (محمد محسن احمد حسن ٹونکی۔ کراچی۔ 1975)

51- سفر حجاز (عبدالکریم ثمر۔ لاہور۔ 1985)

52- سفر حرمین الشریفین (عبدالرحیم نقشبندی۔ ڈاکٹر انور سدید نے اپنے مقالے میں یہ بتایا ہے کہ ان کا زمانہ حج 1911 ہے)

53- سفر سعادت (امیر احمد علوی۔ عبدالماجد دریابادی نے اس کتاب کا ذکر کیا ہے)

54- سفر سعادت منزل محبت (راجا رشید محمود۔ لاہور۔ 1992)

55- سفر شوق (سلان رفیع۔ 1408ھ/ 1988۔ پی ایس او کے خصوصی حج نمبر میں صفحہ 127,128,129 میں چھپا ہے)

56- سفر شوق (فرید احمد پراچہ۔ لاہور۔ 1981)

57- سفر لبیک (صفیہ صابری۔ فیصل آباد۔ 1990)

58- سفر مبارک (ضمیر الدین احمد۔ کراچی۔ 1981)

59- سفر مقدس (مفتاح الدین ظفر۔ لاہور۔ 1966)

60- سفر نامہ ارض القرآن (سید ابوالاعلیٰ مودودی کی روداد سفر، جو محمد عاصم نے تحریک کی۔ لاہور۔ 1970)

61- سفر نامہ ارض مقدس (شیخ ابو عبداللہ شرف الدین محمد ابن بطوطہ۔ اردو ترجمہ از رئیس احمد جعفری۔ پی ایس او کے خصوصی حج نمبر میں کچھ حصہ چھپا ہے)

62- سفر نامہ بلاد اسلامیہ (محمد ابن جبیر اندلسی۔ حافظ محمد افضل فقیر نے اسے عربی زبان کا شاہکار قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ سفر نامہ ان تمام اصول و قواعد پر پورا اترتا ہے جو عصر حاضر کے سفرنامے کے لئے لابدی قرار دیئے جاتے ہیں۔ پی ایس او کے خصوصی حج نمبر میں اس سفرنامے کے کچھ حصے احمد علی شوق رامپوری کے ترجمے کے طور پر شائع کئے گئے)

63- سفر نامہ حج (محمد شریف امرتسری۔ امرتسر۔ 1927)

64- سفر نامہ حج و حرمین (محمد شجاع ناموس۔ لاہور۔ 1973)

65- سفر نامہ حج و زیارات (محمد شفیع صابر۔ پشاور۔ 1927)

66- سفر نامہ حج و زیارت (عبدالصمد صارم۔ لاہور۔ 1959)

67- سفر نامہ حجاز (محمد حفیظ الرحمان حفیظ۔ دہلی۔ 1933۔ زمانہ حج 1932)

68- سفر نامہ حجاز (عبدالماجد دریابادی۔ اعظم گڑھ۔ 1931)

69- سفر نامہ حجاز (سلطان داؤد۔ لاہور۔ 1963)

70- سفر نامہ حجاز (مرزا عرفان علی بیگ۔ لکھنو۔ 1895)

71- سفر نامہ حجاز۔ منظوم و منثور (خطیب قادر بادشاہ۔ مدراس۔ س ن۔ زمانہ حج 1906)

72- سفر نامہ حجاز: تاریخ الحرمین (قاضی محمد سلیمان منصور پوری۔ لاہور۔ اشاعت ثانی 1986)

73- سفر نامہ حجاز۔ (عفت الٰہی علوی۔ کراچی۔ 1975)

74- سفرنامہ حجاز (غلام رسول مہر۔ مرتبہ ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری۔ کراچی 1984۔ زمانہ حج 1930)

75- سفرنامہ حجاز (اشرف علی قریشی۔ پشاور۔ 1401ھ)

76- سفرنامہ حجاز (مصطفیٰ علی خاں شیفتہ۔ 1284ھ/ 1839۔ طالب ہاشمی کی تلخیص پی ایس او کے خصوصی حج نمبر میں شائع کی گئی۔ حافظ محمد افضل فقیر نے شیفتہ کے سفرنامے کا نام ''سراج منیر'' لکھا ہے جو درست نہیں)

77- سفرنامہ حجاز و مصر (حاجی احمد حسین خان۔ دہلی۔ س ن۔ زمانہ حج 1903ء)

78- سفرنامہ حرمین شریفین۔ حصہ اول (حکیم محمد محی الدین حسین۔ حیدر آباد دکن۔ حصہ اول کے شروع میں ''ذکر مدینہ منورہ'' عنوان درج ہے جس کے عدد 1330ھ بنتے ہیں۔ پتا نہیں، یہ سن تالیف ہے یا سن اشاعت)

79- (حیدر آباد دکن کا چھپا ہوا ایک اور ناقص الاول و الآخر سفرنامہ راقم کے ذاتی کتب خانے میں موجود ہے، جس کے صفحہ 1 تا 16 اور 277 تا آخر موجود نہیں۔ سفرنامے میں اردو اور فارسی کی جو نظمیں ہیں، ان میں تخلص انور استعمال ہوا ہے۔)

80- سفرنامہ شیخ الہند (محمود حسن دیوبندی۔ لاہور۔ 1974)

81- سفرنامہ عراق، عرب و عجم (شبیر حسین کربلائی۔ ملتان۔ 1928۔ ڈاکٹر انور سدید نے اس کا ذکر کیا ہے لیکن یہ نہیں لکھا کہ اس میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی زیارات کے احوال کس طور پر قلم بند ہوئے ہیں۔ کئے بھی گئے ہیں یا نہیں)

82- سفرنامہ غوثیہ (پیر محمد غوث قریشی۔ پیروالا، ملتان۔ س ن)

83- سفرنامہ مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ (ترجمہ از سید غلام علی چشتی دہلوی۔ دہلی۔ س ن)

84- سفرنامہ مدینہ منورہ (نواب سربلند جنگ بہادر محمد حمید اللہ۔ حیدر آباد دکن۔ 1914)

85- سفرنامہ مصر، شام و حجاز (خواجہ حسن نظامی۔ دہلی۔ 1923۔ زمانہ حج 1911)

86- سفرنامہ مقامات مقدسہ (سید محمود جواد۔ حیدر آباد۔ س ن)

87- سا۔ ے حرمین (محمد سعید اختر۔ مرید کے ضلع شیخوپورہ۔ 1987)

88- [illegible] ق اوسط میں کیا دیکھا (سید الوالحسن علی ندوی۔ ڈاکٹر انور سدید نے اس کا ذکر کیا ہے [illegible] نہیں لکھا کہ کب چھپا، کہاں سے چھپا اور اس میں حجاز مقدس کا تذکرہ ہے یا نہیں)

89- شب جائیکہ من بودم (شورش کاشمیری۔ لاہور۔ 1971۔ زمانہ زیارت 1969)
90- شہر خدا سے دیار نبیؐ (سید منیر علی جعفری۔ کراچی۔ 1983)
91- صراط الحمید (پروفیسر محمد سلاح الدین الیاس برنی۔ حیدر آباد دکن۔ 1928)
92- طرابلس سے حجاز تک (محمد یوسف قریشی۔ پشاور۔ 1985)
93- غبار راہ (محمد اکرم اعوان۔ راولپنڈی۔ س ن)
94- غنچہ حج (محمد مصباح الدین احمد۔ لدھیانہ۔ 1909)
95- قافلے دل کے چلے (الطاف حسین قریشی۔ مشمولہ ماہنامہ ''اردو ڈائجسٹ'' لاہور۔ جون 1937)
96- کاروان حجاز (ماہر القادری۔ کراچی۔ 1978)
97- کراچی سے گنبد خضریٰ تک (ڈاکٹر ایچ بی خان۔ کراچی۔ 1986)
98- گلدستہ نور (خدا بخش اظہر شجاع آبادی۔ ملتان۔ س ن)
99- لاہور سے دیار حبیبؐ (سیدہ حمیدہ فاطمہ۔ لاہور۔ 1983)
100- لبیک (ممتاز مفتی۔ لاہور۔ 1975)
101- ماہ مغرب المعروف حج نما (حاجی منصب علی خاں۔ میرٹھ۔ 1871)
102- مرحبا الحاج (محمد ذاکر علی خاں۔ کراچی۔ 1976)
103- مرقع حجاز (حسن الدین خاموشی۔ آگرہ۔ 1935۔ زمانہ حج 1934)
104- مسافر حرم (کرنل غلام سرور۔ راولپنڈی۔ 1983)
105- مشاہدات حرمین (اسعد گیلانی۔ لاہور۔ 1984)
106- مشاہدات حرمین شریفین (رفیع الدین فاروقی مراد آبادی۔ 1786ھ/ 1986ء۔ حافظ محمد افضل فقیر نے کتاب کا نام ''سفرنامہ حرمین'' لکھا ہے جو درست نہیں۔ پی ایس او نے نسیم احمد فریدی امروہوی کا ترجمہ شائع کیا، صفحہ 55 تا 60)
107- مکے مدینے کا سفرنامہ (حکیم عبدالغنی انصاری خسرو شاہ نظامی۔ دہلی۔ 1949۔ زمانہ زیارت 1945)
108- منزل (ممتاز اختر ظافر۔ گوجرانوالہ۔ 1986)
109- منزل سعادت (حافظ لدھیانوی۔ کراچی۔ 1984۔ زمانہ زیارت 1981)

110- میاں کی اثریا (ذاکر علی خاں۔ 1390ھ/ 1970۔ پی ایس او نے اپنے خصوصی حج نمبر میں صفحہ 109 تا 115 پر شائع کیا)

111- میرا سفر حج (سبحان اللہ گورکھپوری۔ 1903)

112- میرے حضورؐ کے دیس میں (جاوید جمال ڈسکوی۔ لاہور۔ 1990)

113- نہ آئیں جا کے وہاں سے (ابوحمید انور۔ لائل پور، اب فیصل آباد۔ 1968)

114- وطن سے وطن تک (سید ابوالخیر کشفی۔ کراچی۔ 1986)

115- وکیل الغربا (وزیر حسین بریلوی۔ میرٹھ۔ 1884)

حکیم مسعود احمد برکاتی نے بچوں کے لئے سفر نامہ لکھا جو ماہنامہ ''نونہال'' کراچی میں اشاعت پذیر ہوا۔ بچوں کے لئے دوسرا سفر نامہ محمد طفیل نے تحریر کیا جو ''نقوش'' لاہور کے ''محمد طفیل نمبر'' میں چھپا۔ مختلف دینی رسائل و جرائد اور اخبارات میں بھی اس موضوع پر وقتاً فوقتاً بعض ارباب قلم کی کاوشیں شائع ہوتی رہتی ہیں۔

بعض سفرناموں میں حرمین شریفین کے بارے میں کتابی معلومات جمع کر دی جاتی ہیں۔ کہیں سفر میں پیش آنے والے مسائل و مشکلات اور ان کے حل کے لئے رہنمائی پر زور دیا جاتا ہے۔ کئی کتابوں میں حرمین کے بارے میں کم اور اپنی نجی اور ''پی آر'' ملاقاتوں کا زیادہ تذکرہ ہوتا ہے۔ صاحب طرز ادیب، بات بنا سکنے اور متاثر کر دینے کے ہوکے میں مبتلا ہو کر صداقت سے کنی کترا جانے اور دروغ کا سہارا لینے کو برا نہیں سمجھتے۔ کئی سفرناموں میں آثار و زیارات کے بارے میں جو معلومات دی گئی ہیں، وہ اب یادوں کی صورت اختیار کر چکی ہیں۔ کچھ لوگ واحد متکلم کے صیغے پر زیادہ ہی انحصار کرتے ہیں۔ کچھ سفر نامے ایسے بھی ہیں جنہیں آپ پڑھ تو لیتے ہیں، کہیں کہیں دلچسپی کے عناصر بھی ہم رکاب ہوتے ہیں لیکن مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ سے محبت و عقیدت کے جذبات کی نہ ترجمانی ہوتی ہے، نہ تسکین۔

ان میں سے ایسے سفرناموں کا انتخاب اور پھر ایسے اقتباسات کا چناؤ جن میں محبت کی عملداری اور جن سے عقیدت کی آبیاری ہو، ایک اہم کام ہے جو صرف اہل محبت ہی کر سکتے ہیں...... اور، اعجاز اشرف انجم نظامی خانوادہ اہل محبت کے ایک اہم رکن معلوم ہوتے ہیں۔

راجا رشید محمود

ایڈیٹر، ماہنامہ ''نعت'' لاہور

منزلوں کی منزل

مدینہ!!

علامہ اقبالؒ نے کیا خوب کہا تھا

باغ بہشت سے مجھے حکم سفر دیا تھا کیوں؟
کار جہاں دراز ہے اب میرا انتظار کر!

سوچئے تو دنیا کے پہلے سفر کی ابتدا یہیں سے ہوئی۔ حضرت آدمؑ کو باغ بہشت سے نکل کر دنیا کے خارزار میں رہنے کا حکم ملا۔ وہ آسمانوں سے زمین پر اتر آئے۔ یہ اللہ کی بنائی ہوئی دنیا بندے کی خواہشوں کی تعبیر بنتی چلی گئی۔ یہ ایک مکمل تفسیر ہے، فنا اور بقا کی۔ جدوجہد اور کشمکش کی، حصول اور حسرت کی، محبت اور نفرت کی، ایجاد اور غارت کی، فتح اور شکست کی، شہرت اور ذلت کی، تقویٰ اور تقویت کی، آوارگی اور بیارگی کی، حسن اور بیماری کی، تحقیق اور فلاح کی، بندگی اور ارتقاء کی، آرزو اور ابرو کی .... رزق اور فسق کی ________

غرض ایک دانہ گندم کی نسبت سے اس دنیا میں کیا نہیں ہوسکتا، اور دانہ گندم کے اسیر اپنی دانست میں شمس و قمر تک پہنچنے کی تگ و دو میں سرگرداں ہیں۔ ہر کوئی اپنے خیال میں ایک جنت رکھتا ہے۔ اس کے حصول میں برے بھلے کاموں کی تمیز نہیں کرسکتا۔

اسی دنیا میں ایسے نادرِ روزگار لوگ بھی آئے جنہوں نے بنی نوع انسان کے لئے سہولیات ایجاد کیں اور دنیا کو جنت بنانے کا سوچا.......... جس دور میں ہم سانس لے رہے ہیں اس میں دنیا ایک کھلی ہوئی کتاب بن گئی ہے۔ کوئی گوشہ پنہاں نہیں رہا ______ ہر روز نیا ورق پلٹیے ______ ہر روز نئی دنیا نئی معلومات کے ساتھ سامنے ہے۔ اب تو یہ عالم ہے کہ

اس دور جوہری میں ہے کھٹکا مجھے لگا ہوا
اسرارِ کائنات سے پردہ کوئی اٹھا نہ دے

لیکن ایک ایسی نور میں ڈوبی ہوئی اور مہکتی ہوئی گھڑی آئی تھی، اس کائنات پر، جب کائنات کے سب سے اکمل، سب سے بلند اور سب کے محبوب بندے نے اسرار کائنات کا

پردہ سرکایا تھا۔ پھر اللہ اور بندے کا خوبصورت تعلق سامنے آیا تھا۔

یہ اس دوسرے فقید المثال سفر کی بات ہے جو زمینوں سے آسمانوں کی جانب ہوا۔ جب اللہ نے اپنے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ، رحمت عالم، شفیع المذنبین، شہنشاہِ کونین کو معراج کی شب عرش معلیٰ پر بلایا تھا، اس سفر کی تفصیل بتانے کی سکت نہ کسی عالم میں ہے، نہ کسی عاشق میں ہے۔ اس کی رمزیں زمین پر گراہوا وضو کا پانی، اور دروازے کا ہلتا ہوا کنڈا ہی جان سکتا ہے۔

یہ پہلا سفرنامہ ہے، جو محبوب ربانی .... ہادیٔ جاودانی، راہبر بشر و جن و ملائک .... محسن انسانیت اور منبعٔ جود و سخاوت نے اپنی زبان مبارک سے ادا فرمایا۔ ایک ایک تفصیل اور ایک ایک جزئیات کو اپنے ذہن رسا میں سنبھال کر بیان فرمایا......... آسمانوں کی باتیں زمین پر اتر آئیں......... اس کے بعد بندے کو آسمانوں سے نسبت ہوئی۔ اللہ سے محبت کرنے کا سلیقہ سمجھ میں آیا____ دنیا میں بھیجے جانے کا مقصد روشن ہوا____ بندہ زمین پر رہ کر آسمان کی باتیں کرنے لگا____ سر اٹھا کر اوپر دیکھنے لگا____ اور سر جھکا کر عبادات میں مشغول رہنے لگا____ علامہ اقبالؒ نے بھی اللہ اور بندے کے تعلق کی باریکیوں کو جابجا سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ یہ کائنات اللہ کے نور کے ایک ذرے سے بنائی گئی یا اس کائنات میں خدا کے نور کے ایک ذرے کا پھیلاؤ ہے۔ بندہ اپنے ماخذ سے بچھڑ کر اس دنیا میں آیا۔ اسی لئے وہ پارہ صفت ہے۔ اسے قرار نہیں۔ اس بیقراری کو کبھی تو اپنی ترقی معکوس کے ساتھ جوڑتا ہے اور کبھی ناآسودہ فتوحات کے زمرے میں ڈال دیتا ہے، مگر اس "فردگی بے سبب" کے ڈانڈے آسمانوں میں رہنے والی ہستی سے جا ملتے ہیں____ بندے کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کبھی کبھی دنیا اس کے لئے ایک بیکار سی شے کیوں بن جاتی ہے۔ تجسس کی اس چنگاری نے بندے کو ایک زمین سے دوسری زمین پر جانے کا ذوق بخشا۔ یوں کلام پاک میں بھی ہے کہ "سیروفی الارض" قسام ازل کے بندوں کا رزق مختلف زمینوں پر لکھ دیا اور بندہ بہ رضا و رغبت اس رزق کی کشش میں جہاں اس کا نصیب تھا چل دیا۔

اس پورے تجزیے میں ایک حقیقت بڑی صائب ہے۔ ہر مسلمان، خواہ کسی بھی زمین پر پیدا ہوا اور تلاش روزگار میں جس زمین نے بھی اس کے قدم پکڑے____ وہ پڑاؤ تھا کہ منزل____ اس کی روح کے اندر ایک روحانی سفر کی تڑپ ہمیشہ رہی۔ یہی سفر اس کا منتہائے مقصود رہا____ اسی سفر کو وہ زندگی کا حاصل سمجھتا رہا____ اسی سفر پر جانے

کے لئے اس نے پائی پائی جوڑی ____ اسی سفر کے لئے اس نے دنیوی خواہشات کو تج دیا۔ بال بچوں کی محبت کو پس پشت ڈالا ____ نہ عمر اس کے رستہ میں حائل ہوئی، نہ صحت اور نہ زبوں حالی ____ اس سفر میں غلام، مجاہد، غازی، غریب، امیر، بادشاہ اور مجذوب سب ایک سے جذبات اور عقیدتیں رکھتے ہیں۔

یاد رہے کہ یہ سفر نہ تو تلاش معاش کا ہے اور نہ ہی حصول علم وفن کا ____ نہ تو تعیش وتابانی کا مظہر ہے اور نہ ہی کلاہ شاہی درکار ہے.........

اس سفر میں زادِ راہ کی حاجت نہیں رہتی ....

اور اس سفر میں زادِ راہ ہو بھی کیا سکتا ہے۔

یہ سفر جو دل اور روح کی معراج ہے.........جسم و جان کا آخری خزینہ ہے.........

اور دنیوی حیات کی انمول تمنا ہے

یہ عمرے اور حج کا سفر ہے

جس کے ساتھ ہر اہل ایمان کے جذب وایقان کی تکمیل ہوتی ہے

یہ حکم ربی کا سفر ہے ____

یہ عشق حبیب ربؐ کا سفر ہے ____

یہ نفس کے بھڑکتے الاؤ بجھانے کا سفر ہے ____

یہ بشریت کی آلائشوں سے دامن چھڑانے کا سفر ہے۔

یہ ہوا وحرص کی ترغیب کو فنا کرنے کا سفر ہے۔

عجیب سفر ہے!

جس کے لئے ارادہ تو مسافر باندھتا ہے مگر اذن دوسری طرف سے آتا ہے۔

کچھ دن ادھر کی بات ہے۔ مجھے اعجاز اشرف انجم کا پنڈ دادنخان سے ایک خط موصول ہوا۔ وہ ابھی عمرہ کر کے واپس آئے تھے۔ ان کے دل کے اندر کچھ ایسی روشنی ٹوٹ کر گری کہ انہیں خیال آ گیا کہ اس روحانی سفر پر لکھے گئے سفرناموں کا ایک انتخاب چھاپا جائے اور انتخاب کے لئے انہوں نے ان سفرناموں کا سب سے روشن باب چن لیا۔

یعنی عاشقین کا ____

دل فگاروں کا ____

غم کے ماروں کا ____ پہلی بار روضہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حاضری دینا ____ پہلی بار مواجھہ شریف میں، سبز و سنہری جالیوں کے سامنے حاضر ہونا ____ باب جبریلؑ کی چھاؤں میں اشکوں سے وضو کرنا ....

آسمان جیسی زمین پر کھڑے ہو کر التجا کرنا، عرض کرنا، استدعا کرنا، درخواست پیش کرنا.........آہ وزاری کرنا..........

تڑپ تڑپ کر خاک کے ذروں میں مل جانا
سر قدموں پر رکھ دینا، پھر اٹھا سکنے کے قابل نہ ہونا
بندے کو تو ____ بندگی کا سلیقہ نہیں آتا ____
عشق کا سلیقہ سیکھنے کے لئے صدیاں درکار ہیں ____

ہر بندے کی بندگی مکمل نہیں ہوتی جب تک وہ عشق کی بارگاہ میں سر نہ جھکائے..........
سو عشق کی بارگاہ میں حضوری کے لئے بندہ جنون کا ہاتھ تھام لیتا ہے.......... اس مقام اولی پر علم، عمل اور تجربہ سب بیکار نظر آتے ہیں، ایک دیوانگی ہے، ایک جنون ہے، جو لئے لئے چلتا ہے۔

پھر بندہ اس عرش جیسے فرش پر کھڑا ہو کر جو کہتا ہے ____ جو سوچتا ہے ____ جس کیفیت میں مبتلا ہوتا ہے، اس کیفیت یا تڑپ کو احاطہ تحریر میں لانا از حد مشکل کام ہے۔ اگر جنون کو کسی گرہ میں نہیں باندھا جا سکتا۔ اگر عقل کو کسی پڑیا میں لپیٹ کر نہیں رکھا جا سکتا تو پھر عشق کا مفہوم قلمبند کرنے پر کس کو دسترس ہوگی ____؟ مگر ایسا ہوا ____ کہ خدائے بخشندہ نے جن کو توفیق بخشی، انہوں نے جذبوں کے اس تلاطم کو لفظوں کی کوزہ گری میں سمونے کی کوشش کی ____ اور خوب کوشش کی!

مجھے اعجاز اشرف انجم کا یہ خیال پسند آیا۔ یہ ایک نئی نہج کا کام تھا۔ مگر یہ دلوں کا بھیدی تھا ____ میں نے اس کام کو دل سے پسند کیا۔

تھوڑے دنوں بعد انہوں نے مجھے 92 سفرناموں سے انتخاب بھیجا۔ ان کے خیال کے مطابق حضور خیر البشر سرور کونین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام نامی کے 92 عدد ہوتے ہیں۔ ان اعداد کی تعداد کے مطابق انہوں نے سفرناموں کا انتخاب کیا۔ وگرنہ تو اس راہ ____ کے مسافروں نے، جو صدیوں سے اس سفر کی راہ میں آتے جاتے ہیں، سینکڑوں

عشق نامے لکھ چھوڑے ہیں۔

حج کا سفر ایک قدیم ترین مذہبی سفر ہے۔

لکھنے والوں نے قدیم زمانہ ہی سے سفرنامے لکھنے شروع کر دیے تھے۔ بعض سفرنامے تاریخ اور جغرافیہ کا حصہ بن گئے کہ ان میں عرب کی ثقافت، بودوباش، چلت پھرت اور خاص تمدن کا طویل تذکرہ تھا۔ قدیم سفرنامہ نگاروں میں ناصر خسرو اور ابن بطوطہ کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اس کے بعد ہمیں علمائے کرام، صوفیائے عظام، سکالر حضرات، دانشوروں، ادیبوں، شاعروں اور دلفگاروں کی ایک کہکشاں نظر آتی ہے۔

جس میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی...... مولانا رفیع الدین مرادآبادی...... نواب مصطفیٰ خان شیفتہ...... مخدوم جہانیاں جہاں گشت...... خواجہ حسن نظامی...... مولانا عبدالماجد دریا آبادی...... مولانا غلام رسول مہر...... مولانا سید احمد شہید دہلوی...... سید محمد کاظم حسنین شیفتہ...... قاضی محمد سلیمان منصور پوری...... مولانا مودودی...... ماہرالقادری...... نسیم حجازی اور ممتاز مفتی شامل ہیں۔

بیسویں صدی کے اوائل سے لے کر آخری عشرے تک ____ سفر بیت اللہ کا سفرنامہ لکھنے والوں میں اضافہ ہوا۔ عجب یہ ہے کہ جو شاعر و ادیب نہیں بھی تھے عالم اور سکالر بھی نہیں تھے ____ صرف عاشق تھے، صرف حجاج تھے۔ وہاں پہنچے تو قلب و ذہن سے جھرنے پھوٹنے لگے، انہوں نے بھی اپنے امنڈتے جذبات قلم زد کیے۔

حج کے سفرناموں کے بارے میں ڈاکٹر انور سدید کہتے ہیں

"......... اس سفر میں پروانہ محبوب پر جان نچھاور نہیں کرتا۔ قرب محبوب سے تجدید حیات کرتا ہے۔ محبوب کی زیارت اس کے قلب و نظر کو طہارت اور ایمان کو استحکام عطا کرتی ہے۔ روح کو بالیدگی حاصل ہوتی ہے۔ زنگ اتر جاتا ہے......... اور ادھ کھلی آنکھوں سے دیکھے ہوئے خواب کی تعبیر سامنے آجاتی ہے"

حج یا عمرہ ____ اصل میں اس مادی دنیا کے اندر روحانیت کا ایک سفر ہے جس میں مشکلیں بھی ہیں، کلفتیں بھی ہیں، تیاری سے لے کر واپسی تک قانونی و رہائشی اذیتیں بھی ہیں، مگر اس کے ساتھ ساتھ لذتیں اور راحتیں بھی ہیں۔ اب یہ لکھنے والے پر منحصر ہے کہ وہ

اپنے قلم کے لئے کون سی باتیں چن لیتا ہے......... کیونکہ سفری صعوبتیں دنیا کے ہر سفر میں موجود ہوتی ہیں۔ پھر یہ کہ لکھنے والے کا اپنا ذہن رسا ہو اور نگاہ بصیر ہو تو وہ اپنے آپ اسرار کے موتی چننے لگتا ہے کیونکہ اس زمین کے تو ذرے بھی رمز و اسرار میں ڈوبے تارے ہوتے ہیں سب دیکھنے والی آنکھ پر منحصر ہے

لیکن حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اہل ایمان کے ان تمام سفرناموں میں ایمان کی تکمیل اور عشق کی تعمیل کے علاوہ چند قدریں مشترک نظر آتی ہیں۔

اگرچہ ان سب کا اسلوب جداگانہ ہے

مثلاً

☆......کعبۃ اللہ کے اندر داخل ہونے سے پہلے کی ذہنی و قلبی کیفیت.........

☆......اللہ کے روبرو جانے کا احساس.........

☆......مسجد نبویؐ کے اندر پہلی بار، پہلا قدم رکھنے کی حشر ساماں کیفیت.........

☆...... مواجہہ شریف کے سامنے پہنچ کر بے اختیار ہو جانا .... لاچار ہو جانا.........

☆......زبان کا گنگ ہو جانا.........احساس کا سن ہو جانا.........

☆......عجز و انکساری، آہ و زاری کی کیفیت میں گویائی کا سلب ہو جانا.........

☆......قدم قدم پر رقت طاری ہونا.........

☆......احساس گناہ کی شرمساری میں شرابور ہو جانا.........

☆......کعبۃ اللہ میں جلال ہی جلال دیکھنا.........

☆......مسجد نبویؐ میں جمال ہی جمال دیکھنا.........

☆......کعبۃ اللہ میں فرائض کی ادائیگی میں مگن رہنا.........

☆......مسجد نبویؐ میں نمازوں کے اندر بھی ایک سرشاری سی محسوس کرنا.........

☆......کعبۃ اللہ میں ڈرتے ڈرتے رہنا.........

☆...... مسجد نبویؐ میں وارفتگی، وابستگی، والہانہ پن، دیوانہ پن، اپنا پن، امید و بیم کے درمیان شفاعت کا یقین.........سلام کا جواب ملنے کی خوبصورت لگن.........

اعجاز اشرف انجم نے جب مجھے اپنے منتخب کردہ سفرناموں کا مسودہ بھیجا...... تو اس کے

ابواب پڑھتے پڑھتے مجھ پر وہ ساری کیفیتیں گزرتی رہیں۔ کبھی تو مجھے یوں لگتا کہ میں بھی ان کے ساتھ ساتھ ہوں اور کبھی یہ احساس ہوتا.......... ان کو بھی باریک باتیں لکھنے میں وہی مشکل پیش آرہی ہے جو ہر مرتبہ مجھے پیش آئی۔

یہاں اپنے گھر یا مسجد میں ہر بندہ مصلے پر بیٹھ کر اپنے اللہ سے کتنی باتیں کر لیتا ہے، کتنے غصے اور کتنے گلے..... نکلتے ہیں ___ لیکن اگر کبھی ایسا ہو کہ اسے اللہ کے روبرو ___ کھڑے ہونے کا موقع ملے تو وہ ایک لفظ نہ بول سکے گا ___ اللہ کی موجودگی کا احساس ہی اس کی تمام حسیات کو سلب کرنے کے لئے کافی ہوگا۔

ایسی صورت میں جن لوگوں نے یہ سفرنامے لکھے ہیں، کمال کر دیا ہے۔

ان سفرناموں کے مصنفوں میں سے کوئی بھی دعویٰ سے نہیں کہہ سکتا کہ اس نے حق ادا کر دیا ___ یا اپنی ہر قلبی و خفی کیفیت کو من و عن بیان کر دیا۔ یہاں بہت سے جذبے سجدہ ریز جاتے ہیں۔ یہاں بہت سی باتیں ان کہی رہ جاتی ہیں..... بہت سے اسرار آنکھوں میں بس جاتے ہیں۔ دل سے لپٹ جاتے ہیں۔

بندہ بہت بے مایہ ہے، حقیر ہے، وہاں سے پلٹ آتا ہے جہاں جبرئیل کے پر جلتے ہیں ___ خود مجھ سے ہر بار وہ سب کچھ نہیں لکھا گیا ___ جو میں نے حرمین شریفین میں ہر بار محسوس کیا ___ پہلی مرتبہ تو اتنا ادراک بھی نہیں ہوتا، لیکن چند بار جانے سے اپنی ذات کا گدلا پن اور کھوکھلا پن صاف دکھائی دینے لگتا ہے۔ پھر چوکھٹ پر سر رکھ کے اپنے آپ کو ان کے رحم و کرم پر چھوڑ دینے کے سوا کوئی چارہ نظر نہیں آتا ___

نہ لفظوں میں وہ رعنائی ملتی ہے ___ اور نہ عمر بھر میں ایسی کمائی کی ہوتی ہے کہ روشنائی نور بن جائے اور آپ اس کے ساتھ لکھنے لگیں۔

ایک سرائیکی مصرعہ یہاں بہتر ترجمانی کر سکتا ہے ؎

"اتھاں چپ دی جاء ہے الاء کوئی نمیں سکدا"

ترجمہ: یہ خاموش رہنے کا مقام ہے یہاں کوئی بول نہیں سکتا۔

تفسیر اس کی یوں ہے کہ ___ نادان یہ وہ مقام ہے جہاں گویائی سلب ہو جاتی ہے۔ نطق کے سارے ناطقے بند ہو جاتے ہیں۔ یہ تیری عقل سے، تیرے فہم سے اور تیرے بے بضاعت وجود سے ماوریٰ مقام ہے۔ اس کے بارے میں آج تک کوئی کچھ کہہ نہیں سکا۔ ~

ایسی قلبی و ذہنی واردات کے اندر جن لوگوں نے سفرنامے لکھے، انہیں بھی اپنی کم مائیگی کا مستقل احساس رہا۔

ان سب باتوں کے باوجود ان سفرناموں میں عشق و محبت کی ایک الوہی کیفیت ساتھ ساتھ رہی.........

زیرِ نظر کتاب میں، مدینہ منورہ میں حاضری دینے کے ابواب جمع کئے گئے ہیں۔ ان کو پڑھنے کے دوران قلب مدینے جا پہنچتا ہے ____ اور پھر مدینہ قلب میں آ کے سما جاتا ہے.......

یہ انوکھا نرالا کام ہے.........اور اس کو پسند کیا جائے گا۔

اس وقت مجھے اپنی امی جان کا ایک خط شدت سے یاد آ رہا ہے۔ اگرچہ یہ باقاعدہ سفرنامہ نہیں ہے، مگر بہت سے ایسے عشاق جو باقاعدہ سفرنامہ نہیں لکھ سکے، ان جذبات کی ترجمان ضرور کرتا ہے۔

1974ء میں آخری بار میری امی حج پر گئی تھیں......

وہ وہاں سے باقاعدہ مجھے خط لکھا کرتی تھیں......ایک خط میں انہوں نے لکھا......

"......بشی جی! کیا پوچھتی ہو اور میں کیا لکھوں؟ مدینہ کی گلیوں میں دیوانوں کی طرح پھرتی رہی اور روضہ اطہر پر تو میری حالت ہی غیر ہو جاتی تھی۔ میں نے دیوانہ وار قدم قدم پر سجدے کئے۔ جالیوں کو چوما۔ حضورِ اکرمؐ کو رو رو کر آوازیں دیں۔ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دل سے پکارا اور اس وقت تک جالی کو تھامے رکھا اور روتی پکارتی رہی جب تک......"حاضری قبول نصرت" کی آواز نہ آئی۔ حضور اکرمؐ کو اپنے دکھ سنائے، اپنے سینے کے داغ دکھائے، اپنے دل کے چھالے دکھائے۔ اپنی درد فرقت کی کہانی سنائی اور حضور اکرمؐ نے مسکرا کر فرمایا۔

سینے کا داغ کیا ہے محبت کا ہے چراغ
نصرت کھڑی ہو جو تہہ داماں لئے ہوئے......"

یہ خط دنیا کا مختصر ترین سفرنامہ ہے، مگر اس میں وہی تڑپ ہے، وہی لگن ہے......... وہی بیقراری اور وہی سرشاری ہے.........

اس کے ساتھ ہی انہوں نے مجھے اپنی ایک نعت بھی روانہ کی۔

مدینہ کی گلیوں میں جوگن نبیؐ کی، نگاہیں بچھاتی چلی جا رہی ہوں

لئے اپنے دامن میں عشق محمدؐ، مقدر جگاتی چلی جا رہی ہوں
دیا ساتھ میرا یہاں کب کسی نے، مجھے خود بلایا ہے میرے نبیؐ نے
میں پلکوں سے اپنی عرب کی زمین پر جھاڑو لگاتی چلی جا رہی ہوں

یہاں امی جان کے خط اور اشعار کا ذکر کرنے سے مطلوب یہ تھا کہ ہمارے اردو ادب میں سفر ناموں کے علاوہ بھی..... محبوب خدا، پیغمبر اول و آخرؐ سے محبت عقیدت کا اظہار منظوم طریقے سے بھی کیا گیا ہے اور یہ تمام ذخیرہ روحانی سفر ناموں سے کم نہیں ہے ____

یہ وہ سلسلہ ہے جو رہتی دنیا تک کہیں ختم نہیں ہوگا۔ بندہ اپنی عاجزی کو بیان کرنے میں مقدور بھر کوشش کرتا رہے گا۔ یہ کوشش بھی حاضری اور حضوری کی قبولیت کا ایک بہانہ ہے۔
وہاں تو ـ

گاہ بحیلہ می برد، گاہ بزوری کشد

والا معاملہ ہے۔

میری دعا ہے کہ سرورِ کونین، سید الصالحین، سید المحبین، سید السالکین۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

اعجاز اشرف انجم کی اس کاوش محبت و عقیدت کو منظور و قبول فرمائیں۔ اسے درِ اقدس پر حاضری کا اذن بار بار ہو ____ آمین۔

اور اپنے ہر امتی کے لکھے ہوئے اک اک لفظ کو باریابی حاصل ہو۔ آمین۔

امید ہے عاشقان رسولؐ اس کتاب کو بہت پسند کریں گے۔ یہ کتاب قدیم و جدید سفر ناموں کا خوبصورت سنگم ہے ____ جو اول زمانے سے اب تک ارتقائی منازل بھی بتاتی ہے۔

بشریٰ رحمٰن
وطن دوست۔ لاہور

نذرانہ عقیدت

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ فی شانِ حبیبہٖ

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ط یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًاo

لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ رَبِّیْ وَسَعْدَیْکَ صَلَوَاتُ اللّٰہِ الْبَرِّ الرَّحِیْمِ وَالْمَلٰٓئِکَتِہِ الْمُقَرَّبِیْنَ وَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَمَا سَبَّحَ لَکَ مِنْ شَیْءٍ یَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ وَسَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاِمَامِ الْمُتَّقِیْنَ وَرَسُوْلِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ الشَّاھِدِ الْبَشِیْرِ الدَّاعِیْٓ اِلَیْکَ بِاِذْنِکَ السِّرَاجِ الْمُنِیْرِ وَعَلَیْہِ السَّلَامُo

روابط و تاثرات

ہماری تمام زندگی تاثرات اور روابط سے ایک رخ حاصل کرتی ہے۔ تاثرات وہ نقوش ہیں جو ہمارے ذہن کے لئے حصول علم کا موجب بنتے ہیں، اور ان کا سرچشمہ حواس خمسہ ہیں اور روابط وہ تعلقات ہیں جو صرف نگاہوں سے قائم ہوتے ہیں اور قلب کو ہلا دیتے ہیں۔ گویا ایک سے صحیح رہنمائی کے لئے مدرسہ، تعلیمی ادارے وجود میں آتے ہیں جنہیں علم و حکمت کے مراکز سے موسوم کیا جاتا ہے اور دوسرے سے باطن کے دروازے کھلتے ہیں اور اخلاق واخلاص کی راہیں استوار ہوتی ہیں اور بلا اپنی کسی کوشش کے یہ سرمایہ نصیب ہوتا ہے، پہلا درپچپن میں ماں کی انگلی یا تنظر اور پھر زندگی میں کسی صاحب دل کی نگاہ، اس کی شفقت و محبت ہماری نگران حال بن جاتی ہے۔

اسی طرح ہماری انفرادی زندگی انہی تاثرات و روابط سے ایک رخ لیتی رہتی ہے لیکن اجتماعی اور معاشرتی زندگی کے لئے ایک ترتیب، ایک قانون حیات کے ضوابط ضروری ہوتے ہیں۔ رب العزت کا یہ عظیم احسان ہے کہ اس انفرادی واجتماعی تعلیم وتربیت کے لئے ہر دور میں ایک مخبر صادق کو انسانیت کی تربیت کے لئے مبعوث فرمایا اور اس سلسلہ نبوت کی تکمیل ایک ایسی عظیم ہستی سے فرمائی جو نہ صرف اپنے دور کے لئے بلکہ تمام ادوار کے لئے، تمام قوموں کے لئے، تمام عالمین کے لئے ایک ہدایت اور روشنی بنی رہے، اور وہ نور وانوار کے ساتھ رحمت اللعٰلمین ورؤف ورحیم بن کر لا الٰہ الا اللہ کی خلعت فاخرہ کے ساتھ ایک عظیم انقلاب کی موجب ہو۔ اس کی روح منزہ ومبارک بصورت بشریت جسم مبارک ومطہر میں علم، دانش وبینش اور اخلاق کریمانہ کا وہ پیکر اتم ہو جو اس کلمہ توحید کی شان اس عالم میں بھٹکی ہوئی انسانیت کو دکھادے، جس کا عزم پہاڑوں کے لئے سبق آموز اور جس کی رحمتیں عالم کے لئے نفع رسانی کی ضامن ہوں، اور جملہ عالمین پر یہ حقیقت روشن ہو جائے کہ یہی خلیفہ اعظم ہیں، یہی مقصود کائنات، ان ہی کا وجود مسعود وجہ تخلیق کائنات، کہ اگر ان کی ذات گرامی نہ ہوتی تو آدم و بنی آدم پیدا ہی نہ ہوتے اور نہ یہ زمین ہوتی اور نہ آسمان۔

پھر

جس مبارک زمین کو اس نور کے ظہور کے لئے انتخاب کیا گیا وہ مکۃ مبارکۃ تھا، اور اس خطہ ارض کو ان کی قیام کے لئے انتخاب کیا گیا وہ عرش کے لئے باعث رشک بنا اور مدینہ منور (مدینۃ النبی) کہلایا۔

گویا یہی مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کلمہ لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ کے دونوں اجزاء کے ترجمان رہیں۔ اس طرح ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں۔ ان کے ظاہری فاصلے، ان کی بصورت مغائرت کبھی تفریق کا موجب نہ بنے، کلمہ کے ٹکڑے نہ کئے جائیں۔

آج

یہی دونوں عظیم مقامات، خلت ومحبت، دعائے خلیلؑ، قبولیت دعا کا رہتی دنیا تک نشان منزل ہیں۔ یہیں سے توحید باری تعالیٰ کا علم اس شان سے نکلا کہ ہر علم سرنگوں اور ہر بت پاش پاش ہونے پر مجبور ہوگیا، وہ پرچم جس پر نورانی حروف میں یہ آیت مبارکہ ثبت ہے۔

وَاِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ لَآاِلٰہَ اِلَّاھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ

جس کا پہلا جزو توحید کی تصدیق ہے، دوسرا ہر غیر اللہ کا انکار، اور تیسرا رب العزت اور رحمت اللعلمین پر دال ہے۔ ایک حمد کی تجلی گاہ ہے، دوسری رحمت کی تمام تجلیات کی جلوہ گاہ۔

"یاد رہے کہ حمد عربی میں اس خوبی وکمال کو کہتے ہیں جس کا ظہور اختیار سے ہو، محض اضطراری نہ ہو، یعنی اللہ رب العزت کے تمام صفات اضطراری اور غیر اختیاری نہیں ہیں بلکہ اس کی اپنی مرضی اور ارادہ کی جلوہ نمائی ہے۔"

اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ ہیں جن کی تعریف سب سے زیادہ کی گئی ہے۔

وہ اپنے رب کی جملہ خوبیوں کے ترجمان، پیکر حمد واخلاص اور اللہ رب محمدؐ ہے۔

یہی مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ وہ دو مقامات ہیں جو انسانیت کے لئے علم وعرفان کے شمس و قمر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں اور آج بھی ہیں

اس فرق کے ساتھ

کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور مبارکہ میں جن ہستیوں کو قبولیت اسلام اور دیدار رسول کا فخر حاصل ہوا، رحمت الٰہی ان کے دامن سے وابستہ ہوگئی اور رضی اللہ عنہم و رضوعنہ کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔ حرم مکہ کا ذرہ ذرہ ان کی عبادت ومحبت کا مصدق اور

مدینہ منورہ کی زمین ان کے اخلاص محبت کی جلوہ گاہ رہتی دنیا تک ہے اور سب کے سب نور شمع محمدی کے پروانے ہیں۔ سبحان اللہ۔

گویا یہ وہ حب رسول ﷺ کی انیٹیں ہیں جو آج امت مسلمہ کے لئے ایمان افروز، عمل صالح کی طرف راہ نما ہیں اور آج امت کے لاکھوں شیدائیوں کے قافلے اس چشمہ فیض سے علم و عرفان، تزکیہ نفس، شفاعت کبریٰ کی تڑپ لئے ہوئے اس جانب رواں دواں ہیں۔ ان کا ذوق وشوق، ان کے باطن کی تڑپ ان کی ہر ادا سے نمایاں ہوتی ہے۔

یہ اس لئے بھی ہے تا کہ ان

مبارک و پرنور مقامات کا نورانی ماحول ان کے قلوب کو ان اثرات و روابط قلبی سے سرفرازی بخشے جو ان کے سجدوں میں اثرالسجود کی جھلک پیدا کردیں، زندگی حق کی راہ میں بسر کرنے کا کچھ سلیقہ آجائے۔

O

بلاشبہ بن دیکھے رب کی عظمت و کبریائی ان کو مکہ معظمہ لے جاتی ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ اللہ رب العزت کی دید تو یہاں ممکن نہیں، لیکن کیا عجب ہے کہ جو فیوض و برکات کا سرچشمہ جو حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کی قربانیوں، حضرت حاجرہ کی سعی پر طواف کعبہ کی دعوت دے رہی ہیں، شاید یہاں کی حاضری بارگاہِ رب العزت میں قبولیت کی موجب بن جائے۔

لیکن

مدینہ منورہ کے راہی کا عجب حال ہے، وہ جانتا ہے کہ جو نہیں دکھتا وہ اللہ ہے اور جو دکھتا ہے وہ محمد ﷺ ہیں۔ یہاں مدینہ کے ہر ہر ذرہ کے ساتھ قدم قدم پر تاثرات میسر ہوتے ہیں، اور جوں جوں منزل قریب آتی جاتی ہے، دل کی دھڑکن بڑھتی جاتی ہے۔ فدائیت کی تمنا، قدموں میں عاجزی، مواجہ شریف میں ندامت کے ساتھ کانپتے ہوئے ہاتھوں اور پرنم آنکھوں سے نذرانہ صلوٰۃ وسلام کا تصور اس کو ایک گمشدگی کے عالم میں پہنچا دیتا ہے۔ اس کے لئے نہ کسی بڑے ولی ہونے کی ضرورت ہوتی ہے، نہ راسخ العلم عالم نہ عابد وزاہد کی۔ یہ تو صلائے عام ہے، ہر مرد وزن، بچہ بوڑھے کے لئے، شرط ہے تو صرف خلوص قلب، حب رسول ﷺ، یعنی سینہ میں حب رسول ﷺ کی شمع فروزاں ہو اور پیشانی میں سجدۂ رب العزت کی

تڑپ۔

پھر

کس کو کیا ملتا ہے یہ اس کا نصیب

یہ وہ عالم ہے

کہ جہاں ہم جیسے گناہ گار، عاصی و بے مایہ کے پیش نظر وہ وعدے وعید ہوتے ہیں جو ہمارے حوصلے پست نہیں ہونے دیتے۔ دل کہتا ہے تو شب معراج عابدوں و زاہدوں میں شامل نہ سہی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب انور میں ''علینا'' میں تو شامل تھا، قدم بڑھائے چل۔ ربِ محمدؐ اپنے حبیبؐ کو مایوس نہ فرمائے گا۔ امت کی لاج رکھی جائے گی۔ چل اور اس یقین کے ساتھ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو فرمایا وہی حق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مَنْ زَارَ قَبرِیْ وَجَبَتْ لَہٗ شَفَاعَتِی (یعنی جو شخص میری قبر شریف کی زیارت کرے اس کے لئے میری شفاعت واجب و لازمی ہے)۔ یہاں شفاعت خاص ہر ایک کو اس کے مرتبہ کے مطابق میسر آئے گی۔ ہم جیسے گناہ گاروں کے لئے اللہ رب العزت کا غفور و رحمت ہی سب سے بڑا انعام ہوگا۔ ان شاء اللہ۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من جاء نی زائرا لا تعد لہ حاجۃ الا زیارتی کان حقا علی ان اکون لہ شفیعا یوم القیامۃ (یعنی جو شخص آئے میری زیارت کرنے اور نہ ہو اس کی کوئی حاجت سوائے ہماری زیارت کے تو ہم پر واجب ہے کہ ہم اس کے شفیع ہو جائیں دن قیامت کے)

(از راحت القلوب)

یہاں صدق و اخلاص شرط ہے، تو اب کون بدنصیب ہوگا جو روضہ اقدس پر بجز صدق و خلوص کے جانے کی تمنا بھی کرے۔

اور ایک اور بڑی پیاری حدیث ہے۔

من حج فزار قبری بعد وفاتی کان کما زارنی فی حیاتی

فرماتے ہیں کہ میری قبر کی زیارت میری وفات کے بعد میری صحبت کا حکم رکھتی ہے، یعنی جس شخص نے میری قبر کی زیارت کی گویا وہ شخص میری زندگی میں میری صحبت سے فیض

یاب ہوا۔

کیسا عظیم وعدہ ہے۔ کیسی پرنور حقیقت ہے۔ یہ سب اس لئے تو ہے ہی کہ ہم گناہ گار ان کی رحمت عظیم سے مایوس نہ ہوں کہ وہؐ اللہ کے حبیب ہیں اور ہم انؐ کے غلاموں کے غلام۔

O

ان مختصر معروضات کے بعد

ذرا کچھ ان آوازوں کی جانب متوجہ ہوں جو آج سے صدیوں پہلے فضاء بسیط میں اٹھیں اور جن کی صداقت و اخلاص گویا آج بھی مہک بن کر ہم کو مکہ و مدینہ کی فضاؤں کی طرف کھینچے لئے جاتی ہے۔

کہیں یہ مبارک آوازیں، یہ پرخلوص دعائیں

انہیں صحابہ کرامؓ کی نہ ہوں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہم نوا ہو کر آپؐ ہی کے اتباع میں مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ داخل ہوتے ہوئے انؓ کی مبارک زبانوں پر تھیں۔ ہم آج وہ سن سکیں یا نہ، لیکن ان کا ہی خلوص اور ان ہی کی صداقتیں، تابعین و تبع تابعین کے قلوب سے گزرتی ہمارے قلوب میں ان کی یادیں تازہ کر رہی ہیں۔ یہ صدائیں جو صدا بھی ہیں اور پھول بھی

جو

آج بھی مومنوں کے حوصلے بلند کرنے اور کفار کے قلوب کو پاش پاش کرنے کی موجب ہیں۔

اور

آج بھی خانہ کعبہ

من قال لاالہ الا اللہ فدخل الجنۃ کی بشارت مومنوں کو کچھ اس انداز سے دی جا رہی ہے کہ وہ خوب سمجھ لیں کہ ہماری زندگی، حسن عمل، جدوجہد، تاثرات و روابط سے متعلق ضرور ہے لیکن جب تک ایمان اور عمل کی یکائی کلمہ نہ بن جائے توحید کے نقوش مرتب نہیں ہوتے۔

O

آیئے

ذرا اس مجموعہ زائرین کو تازگی ایمان کا وسیلہ بنا کر اس کا مطالعہ کریں۔ ان میں وہ ہستیاں بھی ہیں جنہوں نے روح کی سطح سے ان مقامات کی زیارت کی ہے۔ وہ علماء راسخین بھی ہیں جنہوں نے علماً و نوراً اس سے سرفرازی حاصل کی ہے اور وہ تشنگان معرفت بھی ہیں جو اپنی بے بضاعتی اور بے مائیگی پر نادم بیت اللہ شریف اور دربار بیکس پناہ پر حاضر، اپنی چند تمناؤں کے ساتھ غفر و رحم کے طالب ہیں، لیکن اسی ذوق کے ساتھ جو ان کے قلوب کی تڑپ پر شاہد ہے۔

O

آیئے

زائرین کا جو سلسلہ حضور انورؐ کے حجاب فرما جانے کے بعد شروع ہوا اور جو عظمت خانہ کعبہ اور مدینہ منورہ کو رب العزت کی طرف سے عطا ہوئی وہ محتاج بیان نہیں۔ کون سی عبادت ہے کہ زندگی میں صرف ایک بار کرنے کے بعد انسان کے گناہ ایسے دھل جائیں جیسے اس نے دنیا میں ابھی قدم رکھا ہے اور اس کے بعد بھی مدینہ منورہ کی زیارت سے محروم ہونا گویا خود پر ظلم کرنا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں مسلمانوں کے ہر طبقہ کے لوگ کثیر تعداد میں حرمین شریفین کی زیارت سے مستفید ہوتے رہے ہیں۔ ایک مشہور سیاح ابن بطوطہ جس کا اس مجموعہ میں ذکر ہے اس کی صداقت پر گواہ ہے۔

O

اس حیات بخش مجموعہ میں ایک ہستی شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی ہے، جن کو مقام سمع قبول و مقام دید پر قیام ملا اور متکلمین کی صف میں، بقول محققین، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد پہلی ایک عظیم شخصیت سمجھا گیا۔

اللہ رب العزت نے ان کو منور قلب کے ساتھ ایک ایسا ذہن رسا عطا فرمایا تھا جو قوم کو آنے والے خطروں سے باخبر کر سکے، جو سلطنت مغلیہ کے ڈوبتے ہوئے سورج کے ساتھ مغربی ممالک کی یورش کی صورت میں سر اٹھا رہے تھے، اور جن سے مسلمانوں کو نبرد آزما ہونا تھا۔

ان کو بارگاہِ رب العزت سے روحانی اور اخلاقی صداقتوں پر گرفت اور اصلاح حال کے

خصوصی جذبہ سے نوازا گیا تھا۔ ان کی فطرت کا ایک رخ تصوف کے دامن سے گرد جھاڑنا تھا، تو دوسرا اصلاح کا جو اس انداز سے ہو کہ اس سے قلوب پر گرانی نہ آئے بلکہ تازگی ایمان وعمل میں معاون ہو۔

غرض شاہ صاحب سلف صالحین کی ایک ایسی اہم شخصیت اور علوم ربانی کا ایک چشمہ پرفیض ہیں۔ ہاں! ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم وسوسوں کو دل میں جگہ نہ دیں اور جو ہمارے سمجھ میں نہ آئے، اسے حذف نہ کردیں۔

شاہ صاحب کا جو اقتباس اس مجموعہ میں شامل کیا گیا ہے وہ مقام دید کی بات ہے۔

آپ فرماتے ہیں:

"جب میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ مبارک کی زیارت کی تو میں نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی روح اقدس کو ظاہر اور عیاں دیکھا اور عالم انوار میں نہیں بلکہ عالم محسوسات سے قریب جو عالم مثال ہے۔"

آپ کے ذوق کے لئے یہ چند سطریں ہی کافی ہوں گی، لیکن اگر آپ شاہ ولی اللہؒ کے قلب بینا اور روح منزہ کی تڑپ کی کچھ فہم کے خواہشمند ہوں تو شاہ صاحب کی معرکۃ الآرا کتاب فیوض الحرمین کا مطالعہ فرمایئے جہاں آپ کو مشاہدات اور معارف کے تجربے کراں کے ساتھ ان بزرگ ہستیوں کی تمنائیں بھی ملیں گی جو اپنے رب کریم سے یوں دست بدعا تھے:

"اے میرے رب کریم تو اس روح اعظم کو میری روح کی زندگی بنادے تو عالم پر محیط ہے اور تیری وحدت مطلقہ، کبریائی، عظمت ذات کی یافت کا واحد ذریعہ ہے۔"

اکثر مقامات پر شاہ صاحب نے نہایت محتاط انداز سے اس امر کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ بعض وقت عرفان حق کے بیان میں کچھ تجاوز ہو جاتا ہے، جو بعض حضرات کی اپنی فہم کا نتیجہ ہوتا ہے جس پر اعتراض کے بجائے حق پسندی سے اس کے ازالہ کی کوشش کی جاسکتی ہے۔

شاہ صاحبؒ

کی خوش نصیبی تھی کہ اس دور میں آنکھ کھولی جب قلوب حضورِ انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حق کی طرف تڑپ رہے تھے، لیکن اگر وہ آج ہم میں موجود ہوتے تو ضرور وہ ہماری کوتاہ نظری اور مادیت پسندی پر نوحہ کناں ہوتے جو بڑی بے دردی سے ذات مقدسہ پر پردے ڈالنے میں مصروف ہے، اور کیسے ان پاک اور منزہ محبت کی ڈوریوں کو کاٹنے میں مشغول

ہیں، وہ ڈوریاں جن سے امت کے قلوب حضورِ انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک سے منسلک ہیں۔ یقیناً مومن کی زندگی کی غرض و غایت سعی پیہم وعمل پیہم ہی ہے، لیکن اس اخلاص اور تازگی ایمان کے ساتھ جو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی روح ہے، جس کا سرچشمہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت ہے، وہ محبت جو انسان سے سب کچھ کروالیتی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے مقام روح کی یافت تو عوام کے لئے ممکن نہیں لیکن جب علماءِ راسخین میں سے کوئی امت مرحومہ سے مخاطب ہوتا ہے تو اس کے سامنے اپنے پرنور تصور کی نگاہوں سے اس معتزز ماحول کو پیش کرتا ہے جو لوگوں کے لئے سبق آموز بھی ہوتا ہے اور فیض رساں بھی۔

اس ایمان افروز مجموعہ کی صرف ایک ایسی ہی شخصیت کی طرف ہم آپ کی توجہ مبذول کر رہے ہیں، جو نہ صرف ہندو پاک کے مسلمانوں کے لئے بلکہ تمام عالم اسلام کے لئے ایک عظیم سہارا ہیں، جن کی نگارش قرآن حکیم، احادیث مبارکہ، تاریخ و مشاہدات کی صداقتوں سے مالا مال ہوتی ہے اور ہر چند وہ حرم نبوی میں ہیں، لیکن اپنے ذوق تاریخ کی روشنی میں ایک دردمندانہ انداز سے مدینہ منورہ میں مختلف طبقات کے سلف صالحین کی زیارت سے سرفرازی بخشتے ہیں۔ یہ طبقے ائمہ عظام کے بھی ہیں، مفسرین اور محققین کے بھی ہیں۔ ان میں صوفیہ کرام کی جماعتوں سے تعلق رکھنے والے حضرات بھی ہیں اور مصلحین معاشرہ اور اہل دل حضرات بھی۔ ہر ایک اپنے زمانہ میں علم وعرفان کا مینار نور تھا۔ ان کے تصور کی نگاہوں میں یکے بعد دیگرے یہ طبق بڑے احترام وادب واخلاص اور بڑی عاجزی سے آتے ہیں، اور آداب مسجد ادا کر کے ہر جانب پھیل جاتے ہیں۔

دل سوال کرتا ہے: ”یہ کون معتزز ہستیاں ہیں جن کی پیشانی سے علم وذہانت کا نور ظاہر ہے۔“ دربان قلب ہی سے جواب ملتا ہے۔ ”یہ اس امت کے امام، راہ نما، انسانیت کے محسن اور نوع انسانی کے ممتاز اور قابل فخر نمونے ہیں۔“

ان میں ہر ایک کسی پوری قوم کا امام مقتدر ہے، ہر ایک اپنے اپنے مکتبہ فکر کا بانی اور مؤسس، پوری نسل کا مربی اور مستقل علوم وفنون کا موجد ہے، جن میں یہ ہیں: امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام حنبلؒ اور متعدد معتزز ہستیاں۔ یہ سب کے سب خراج عقیدت اور اشک ندامت پیش کرنے میں مصروف تھے۔

پورا مضمون ان طبقات کے مزاج، فطرت، علم و حکمت، ان کے تقویٰ اور بزرگی کا ایک حسین مرقع ہے، جس کا منشا حبِ رسولؐ سے قلوب کو منور کرنے اور شریعت محمدی سے ربطِ قلبی اور اسوۂ حسنہ کی لذتوں سے روشناس کرنے کے سوا کچھ نہیں۔ تمام صفحات ترجمانی حق سے مرصع اور صداقت ایمانی کی ضیا باریوں سے معمور ہیں۔ ان کی اس مبارک تحریر کا ہر ہر صفحہ ذوق وشوق کے ساتھ، طالبان معارف کے لئے ایک گراں قدر عطیہ ہے۔

O

اس مسجدِ نبویؐ کے برآمدہ میں ایک درویش باہوش، عالم دین الفقر و فخریؐ کے نور منور کی کیف سامانیوں میں گم صم بیٹھا ہے۔ سامنے سیرت مبارکہ کے اوراق ہیں، اور نگاہیں بار بار گنبد خضریٰ سے ٹکراتی ہیں۔

وہ گنبدِ خضریٰ

جو مقربین بارگاہ ملائک سے لے کر ارض و سماوات کے جملہ ملائک کی منزلِ مقصود ہے، جہاں انہیں تاقیامت صرف ایک بار آنے کی اجازت ملے گی اور اس کے وہ منتظر ہیں۔

وہی گنبدِ خضریٰ

جو امت مسلمہ کے لئے سائبان رحمت بنا ہوا ہے جس میں لاتقنطوا من رحمة الله کی صدائیں گونجتی رہتی ہیں۔

اس درویش صفت، عالم ربانی کی آنکھیں کیا دیکھ رہی ہیں، یہ کن خیالات میں محو ہے، اس کا اندازہ مشکل ہے، اسے اپنے جذبات پر قابو پانا مشکل ہو رہا ہے۔ بس دبی زبان سے اپنے بیٹے کو کچھ اس انداز سے نصیحتیں کرتا ہے جیسے حکیم لقمان نے کی تھیں، جنہیں بارگاہِ رب العزت میں سرفرازی ملی اور کلام اللہ میں شامل ہوئیں۔

وہ اپنے بیٹے کو یوں نصیحت فرماتے ہیں۔

"تم بھی اپنی زندگی کو اپنے حبیب کریمؐ کی غلامی میں صرف کر دو۔

بیٹا! جو لطف اور مزہ اس میں ہے، وہ ہفت اقلیم کی سلطانی میں بھی نہیں۔ بخدا سچی بات ہے، اس میں بناوٹ نہیں، ذرا بھی تکلف نہیں۔"

خدا کی قسم کھا کر وہی یہ گواہی دے سکتا ہے جس کے قلب میں کسیؐ کا جمال جہاں آرا جانشین یا جاگزین ہو چکا ہو۔

یہ عاشق رسولؐ حضرت پیر محمد کرم شاہ ہیں جو کسی تعارف کے محتاج نہیں۔

O

یہیں حضرت پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کی اس پرنور زیارت کا اور اس پرکیف قرب نبی کریم کا ذکر ضروری ہے۔ کیا پیاری ہستیاں ہیں جو اخلاص اور صداقت کو اپنائے اللہ کی راہ میں زندگی بسر کرتی رہتی ہیں۔ پیر صاحبؒ نے اپنی ایک بھول سے جو تقاضائے بشریت تھی، اس مضمون کی ابتدا کی ہے، اور حضورؐ نے جو رحمت اللعالمین کی شان کریمانہ تھی، اس سے انؒ کو مشرف کرنے کے ساتھ انؒ کو اس معمولی سی فروگذاشت پر ہدایت فرمائی ہے۔ بے شک۔

جن کے رتبے ہیں سوا ان کی سوا مشکل ہے

یہاں دو باتیں قابل غور ہیں: پہلی یہ کہ جو قلب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت سے اپنے کو منور کر لیتا ہے، اس پر حضورؐ کا کیسا کیسا کرم ہوتا ہے۔ حضورؐ کی تشریف آوری اس پر دال ہے، اور دوسری ہر امتی کی بلندیٔ مراتب کی تمنا جو نبی کریمؐ کے قلب میں ہے، وہ بھی اس واقعہ میں نمایاں ہے۔ اللہ رب العزت ان بزرگ ہستیوں کے صدقہ ہمارے قلوب میں بھی حضورؐ کی محبت کی کوئی لہر دوڑا دے جو اس ویرانہ کو بھی گلزار بنا دے۔

O

انہیں راسخ العلم علماءِ کرام، صوفیائے باصفا اور محبوبین آقائے دو جہاںؐ کے ساتھ کچھ ان ہستیوں کا بھی ذکر ملتا ہے جن کی حضورؐ سے محبت کا ثبوت ان کی وہ محبت دے رہی ہے جو ان کو حضورؐ کی امت سے ہے۔ میرے شیخؒ نے خوب فرمایا: حضورؐ کی محبت کا ثبوت ان کی حضورؐ کی امت سے محبت ہے۔ یہ خواجہ حسن نظامیؒ ہیں جو غدر کے حالات سے متاثر اور امت مرحومہ کی کسمپرسی پر نادم ہیں۔ حضورؐ کے آستانے کی جانب اپنا درد سنانے جا رہے ہیں۔ حضورؐ کے آستانے پر قوم کی ابتری، مسلمانوں کی زبوں حالی، ان کے شہزادوں اور شہزادیوں کی بے حرمتی کی داستان قلب میں لئے ہوئے آستانہ حضورؐ پر حاضر ہونے کے لئے مضطرب ہیں۔ یہ پرانا زمانہ ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ ریل گاڑی سے مدینہ کا سفر ہے، اور انتظار کی گھڑیوں میں صرف آستانہ مبارک کا تصور دل جمعی کا موجب بنتا ہے۔ دیکھئے، یہ وہ صادق القول ہستیاں ہیں جو ہر اس چیز سے بیزار ہیں جو محض رسم ہے، اور ہر اس شے کی دلدادہ ہیں جو حضورؐ کی محبت کا آئینہ ہے۔ ان کے حالات پڑھئے اور دیکھئے کہ کتنی مثالیں اس حقیقت کو

اجاگر کرتی نظر آئیں گی۔

باب السلام سے داخلہ ہے اور معلم کے ساتھ کچھ لفظ دہرانے ہیں، لیکن ان کا قلب بیزار ہے۔ کیا طوطے کی سی رٹ ہے جہاں دل کی تمنا دل ہی میں ڈوب کر رہ جاتی ہے۔ ساتھ ہی ان بچوں کا ذکر ہے جو روضہ مبارکہ کے اندر لئے جانے کے بعد لائے جاتے ہیں، اور لوگ پروانہ وار ان سے دست بوس ہو کر اپنی محبت کا ثبوت دیتے ہیں، لیکن سب سے پر کیف بات یہ ہے کہ جب روضہ مبارکہ پر دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں تو سوائے امت، شہزادوں اور شہزادیوں کی بے حرمتی، مسلمانوں کی دردناک کیفیات اور امت کی زبوں حالی پر آستانہ مبارکہ پر دعا کی درخواست پرنم آنکھوں اور گریہ گلوگیر سے کرتے ہیں، کہیں بھی میں کا لفظ نہیں آتا۔ اپنے لئے کچھ نہیں چاہتے۔ ہاں، امت کے ہر فرد کے لئے سب کچھ چاہتے ہیں۔ ہم میں کون ہے جو ایسی مبارک جگہ پہنچ کر اپنے لئے کچھ نہ مانگے اور پیش نظر امت کی محبت ہی رہے۔ میری درخواست ہے کہ حضرت نظامیؒ کے یہ صفحات ایک سے زیادہ بار پڑھے تاکہ احساس ہو کہ ہم کس محبت سے خالی ہو گئے، اور کس میں پن یا انانیت میں ڈوبے ہوئے ہیں جو ہمارے زوال کی اصل وجہ ہے۔ دعا ہے کہ رب العزت اس کھوئی ہوئی دولت یعنی محبت اور اس مرکز محبت یعنی حضورؐ سے ہم کو پھر قریب فرمادے، تاکہ امت اپنے اس کام کے لئے مستعد ہو جائے جس کے لئے اس کو آخری امت ہونے اور نبی کریمؐ کی نسبت کا شرف حاصل ہے یعنی فروغ اسلام۔

کچھ ایسا ہی کیف خواجہ حسن نظامیؒ کے مرید اور محب جناب خسرو شاہ نظامی میں ملے گا، جن کا ذکر اس مجموعہ میں ہے۔

O

ہم نے اس مبارک اور پر فیض مجموعہ زائرین کی ابتدا تین عارفین کے ذکر سے کی، اور اس کی بسم اللہ عارف کامل حضرت شاہ ولی اللہؒ سے کی جو دور ماضی اور حاضر کا ایک حسین سنگم ہیں اور شاید اس وجہ سے بھی کہ شاہ صاحب نے فیوض الحرمین میں خوب فرمایا ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کام جاری رکھنے والوں کے دو راستے ہیں (ایک خلافت ظاہری اور دوسرا خلافت باطنی) اور یہ دونوں اپنی جگہ مفید ہیں۔"

خوش نصیبی سے یہ مجموعہ ایسی بلند ہستیوں سے متعلق ہے جو ظاہر و باطن کی یکائی کے ساتھ

ملک وملت کی بقاء کا سہارا بنے ہوئے ہیں۔

آیئے

اب ذرا جمالی طور پر اس مجموعہ کا جائزہ لیں۔۔ ہر چند یہ مجموعہ لاکھوں کروڑوں زائرین کے سیلابِ محبت کا ایک قطرہ ہی ہے لیکن اپنے اندر اس کی وسعتیں لئے ہوئے ہے۔

ان میں محبوبین اور محبین کی بھی ایک جماعت ہے جس کا ہر ''گدائے بردرت نازِ دگر'' کا آئینہ دار ہے۔ ان میں علماءِ راسخین بھی ہیں اور فقراءِ امت بھی۔ ان میں اصلاح قوم وملت کے لئے جذبات محبت سے سرشار ہستیاں بھی ہیں اور جہاد اور شہادت کے طالب سپہ سالار بھی۔ ان میں علم ومعرفت کے جویا بھی ہیں اور خدمت خلق اور غم امت کے پروانے بھی۔ ان میں سیاست دان بھی ہیں اور منکسر المزاج اور خلق محمدی کے آئینہ دار بھی۔

O

شاید یہی وجہ ہے کہ

جملہ زائرین کے تاثرات اور تمناؤں میں ان کے مزاج وفکر کی کچھ جھلک ہوتی ہے، لیکن ایک تڑپ جملہ زائرین کے قلوب میں یکساں موجزن رہتی ہے، وہ یہ کہ کاش ان کو حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نصیب ہو جائے یا کوئی ایسا مژدۂ قرب دِکھ جائے جو تاقیام قیامت ان کے لئے باعث تسکین اور نجات اُخروی کا ذریعہ بن جائے۔

یہاں اس حقیقت کی ترجمانی کے دو واقعات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ جامعہ اسلامیہ بہاولپور کی تشکیل اور اس کے دورانِ قیام ہم کو ایک عظیم ہستی، مولانا عبیداللہ صاحب سے جو وہاں فقہ کے استاد تھے، قریب آنے کا موقع ملا۔ مولانا نہایت شفیق، منکسر المزاج، خاموش طبیعت اور پیکر اخلاق بزرگ تھے۔ حج سے واپسی پر ایک دن غریب خانہ پر تشریف لائے۔ ہم دونوں اکیلے ہی تھے۔ میں نے عرض کیا کہ محترم، حج اور زیارت تو سب کرتے ہیں، آپ تو مجھے یہ بتائیں کہ آپ کو کس نعمت سے سرفرازی ہوئی۔ مولانا خاموش رہے۔ میں نے اصرار کیا کہ یہ بات میں اپنی قلبی تسکین کے لئے دریافت کر رہا ہوں۔ آپ مجھے ناامید نہ فرمائیے۔

حضرت محترم نے نرم اور دھیمی آواز میں فرمایا: ''میں ایک بڈھا آدمی لوگوں کے ہجوم میں بہت پیچھے دربارِ نبوی میں کھڑا تھا، خاموشی سے صلوٰۃ وسلام کے نذرانے پیش کر رہا تھا۔

میرے دل میں خیال گزرا، نہ جانے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سماعت فرمائیں گے۔ یہ خیال آتے ہی میں نے دیکھا کہ جملہ حضرات جو مواجہ شریف میں موجود تھے، وہ سب لوگ ایک ہی قطار میں آگے پیچھے کھڑے ہیں اور سب مواجہ شریف کے سامنے سے گزر رہے ہیں، ان حضرات میں، میں (حضرت مولانا صاحب) بھی ہوں۔ جب میں مواجہ شریف کے سامنے سے گزرا تو

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے دیکھا اور تبسم فرمایا۔"

یہ اس دور کی ایک ہستی کی شہادت ہے جس کا نام آج بھی بہاولپور میں بڑی عزت و احترام سے لیا جاتا ہے۔

یہ تو ایک عالم دین کا مقام تھا۔ عوام کی سطح پر میرے ایک صالح، نیک سیرت اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑی محبت کرنے والے دوست ہیں۔ ایک بار جب روضہ مبارک پر حاضری ہوئی اور قدموں میں بیٹھ کر وہ بہت خاموشی سے درود شریف پڑھ رہے تھے، انہوں نے دیکھا کہ مزارِ مبارک سے ایک نور اٹھتا ہے اور ان کے سینہ کی طرف آتا ہے۔ یہ کئی بار ہوا۔ یہ خواب نہیں بیداری ہے اور بیداری بھی حضور کے قدموں کی۔

اس مجموعہ سے بھی ایک واقعہ کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرنا چاہوں گا، جس کا ذکر حضرت محترم الیاس قادری صاحب کے بیان میں آتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے ایک عقیدت مند کرنل غلام سرور حسین نے بیان فرمایا:

"تقریباً 2 سال کا واقعہ ہے کہ میں دربار رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضری کے لئے آیا تھا۔ (دیکھا) کہ بابِ جبریلؑ سے ایک شخص، بڑا خوبرو حسین کہ نظر نہیں ٹھہرتی تھی، داخل ہوا، وہ غالباً سنہری جالیوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ابھی راستہ ہی میں تھا کہ سبز جالیوں کی طرف عین اس سمت پہنچا تھا جہاں آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدمین شریفین ہیں کہ اچانک گرا اور روح اپنے آقا کے قدموں پر قربان کر دی۔"

اس واقعہ کا ذکر حضرت مولانا الیاس قادری صاحب نے بڑی محبت اور رشک کے ساتھ کیا ہے۔

انوار کی سطح سے ذرا نظریں ہٹا کر اگر ہم مجموعی طور پر ان حضرات کے تاثرات کا جائزہ لیں جو ایک مخصوص اندازِ محبت سے لاکھوں کی تعداد میں نذرانہ عقیدت پیش کرنے آتے

ہیں، تو ہمیں جذبات اور کیفیات کا ایک لازوال خزانہ اس مجموعہ میں بھی نظر آئے گا۔ ہمارے لئے یہ تو ممکن نہیں کہ ان کو کسی اختصار کے ساتھ بھی سمیٹ سکیں۔ بایں ہمہ ان کے انداز فکر کو سمجھنے کے لئے ایک دو کا ذکر مناسب ہوگا۔

ان میں ایک نمایاں ہستی حضرت شورش کاشمیری کی ہے، جو جلال و جمال کا ایک حسین سنگم ہیں، جن کی انداز محبت خصوصی انفرادیت کے حامل ہیں۔ میدان بدر پر ان کی نظریں اپنے آقا کی اس سرزمین پر پڑتی ہیں تو ان عظیم ہستیوں کی یادیں ان کو تڑپا دیتی ہیں، جن کا وجود اسلام کی سربلندی کے لئے عطیہ ربانی تھا۔ نذرانہ سلام پیش کرتے ہیں۔

سلام ہو اے بدر تجھ کو سلام
۳۱۳ انسانوں نے تجھے دوام بخشا اور تو پائندہ ہوگیا
تو مکہ اور مدینہ کے درمیان شہادت کی جلوہ گاہ ہے

لیکن جب شہدائے بدر کی قبروں پر جاتے ہیں، اور وہاں بھی وہی عالم اور حالت جو حجاز میں قبروں کی ہے، نہ نشان نہ کتبہ، اور قبریں بھی کیا مٹی کے ڈھیر ہیں۔ بے ساختہ طیش میں آجاتے ہیں اور چلا اٹھتے ہیں: "یہ قرآں اور سنت نہیں سنگینی اور سنگ دلی ہے کہ رسول اللہ کی یادگاریں مٹائی جائیں۔"

ٹھنڈے دل سے غور کریں تو یہ کسی حکومت پر اعتراض نہیں بلکہ محبت کی وارفتگی ہے اور اسے اسی نظر سے دیکھنا چاہیے۔

پھر روضہ مبارک پر حاضری، آستانہ مبارک پر جمال کی وہ صورت لیتی ہے جو ان کو ان تمام زائرین سے قریب کر دیتی ہے جو سب کے سب زبان صدق، چشم پرنم اور دل کی دھڑکنوں کے ساتھ ساتھ قدم پر نذرانہ صلوٰۃ وسلام پیش کرنے کے لئے باادب موجود ہیں۔

ان میں کس کس کے نام لکھے جائیں، سب ہی جادۂ راہ بقا کے مسافر فدائیت کا پیکر ہیں۔

ہاں

ان میں ایک وہ بھی ہستی نظر آئے گی جس کو بطور شاعر تو لوگوں نے جانا لیکن اس کی وسعت نظر اور بارگاہ رسالت سے قلبی تعلق پر اس کے ماحول کے کچھ حجابات پڑتے رہے، لیکن اس کا صرف ایک شعر ان حجابات کو پاش پاش کرنے کے لئے کافی ہے، جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامل داستان نبوت کا ایک جمالیاتی آئینہ ہے۔ محترم ماہر القادری فرماتے ہیں:

محمدؐ کی نبوت دائرہ ہے نور وحدت کا
اسی کو ابتدا کہیے اسی کو انتہاء کہیے

اس محبت کا صلہ رب کریم نے یوں عطا فرمایا کہ جب یہ ثنا خوان نبوت اپنے ایک مخلص دوست اسمٰعیل مینائی کے ساتھ ایک مشاعرہ میں جدہ گئے۔ چند ہی شعر پیش کیے تھے، مجمع پر ایک وجد و کیف کا عالم تھا کہ دل کا دورہ پڑا۔ اسی وقت اپنے دوست اسمٰعیل مینائی کی گود میں گر پڑے اور

"طائر روح نے پرواز کی طوبیٰ کی طرف"

ربُ العزت کی کرم فرمائی سے یہ اعجاز بھی میسر ہوا کہ مکہ شریف میں جنت المعلیٰ میں جگہ پائی۔

تا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ

سے محبت کرنے والا اس عالم فانی کو چھوڑنے کے بعد بھی اس مبارک سرزمین کے زائرین کے قدموں کی چاپ سے تسکین پاتا رہے۔

ہمیں یقین ہے کہ ہمارے معزز قارئین کرام جب ان زائرین کی داستان محبت کا مطالعہ کریں گے تو نہ جانے کیسے کیسے موتی نکال کر لائیں اور ان کی وہ یادیں بھی تازہ ہو جائیں گی جو خود ان کا نصیبہ بنیں۔

O

نامناسب ہوگا اگر اپنے دور کی ایک مشہور و معروف ہستی ابوالخیر کشفی صاحب کے تاثرات کے متعلق کچھ عرض نہ کروں۔ محترم کشفی صاحب کا ایک پر کیف شغل حرمین شریفین کی زیارت ہے، جہاں وہ اکثر حاضری دینے جاتے ہیں۔ ان کی ایک زیارت کا ذکر اس کتاب میں بھی ہے، چونکہ ان کو میں ذرا قریب سے جانتا ہوں، اور یہ بھی جانتا ہوں کہ ان کو کن کن نعمتوں سے سرفرازی بخشی گئی، جن میں کسی کا ذکر ان کے اس مضمون میں نہیں ہے۔
غور کیا تو یہ سمجھ میں آیا کہ یہ ان کی کسر نفی اور انداز تشکر ہے کہ ان کی تحریر سے ہر شخص یہ سمجھ لے کہ صرف وہاں کا جانا اور آنا ہی کتنی بڑی نعمت ہے، جس کے صدقہ میں سب کچھ ملتا ہے اور یہ بات بھی اس پر روشن ہو جائے کہ کسی بزرگ ہستی سے ہم قریب نہ سہی لیکن کسی نہ کسی زائر سے ضرور قریب ہیں، اور کیا عجب ہے کہ یہی ہماری بخشش کا موجب بن جائے۔

○

یہ مجموعہ ان خواتین سے بھی خالی نہیں جن کے متعلق ایک بزرگ نے فرمایا کہ
''عورت کی فطرت میں توحید ہوتی ہے۔''

اگر ہم ان خواتین کی اس فطرت توحید کو پیش نظر رکھ کر ان کے جذبات عقیدت و محبت کو ان کی سرگزشت حجاز میں سمجھنے کی کوشش کریں تو ہم پر وہ لطائف بھی روشن ہو جائیں گے جن کے بیان کے لئے ان کا دل تڑپتا رہ گیا۔

غرض اس مقدس آستانہ پر ہر دور میں مختلف المزاج زائرین کی جماعتوں کی تمنائیں کتنی مختلف کیوں نہ ہو، لیکن کوئی سائل تشنہ لب نہیں۔ یہ سب فیضان نظر ہے۔

ان پرنور نگاہوں کا جو ہم کو دیکھتی ہیں اور ہم انہیں نہیں دیکھتے
ان رحمۃ للعٰلمین کا

جنہیں اللہ رب العزت کی طرف سے جمیع عالم کے لئے رحمت اور نور ہدایت و کرم بنا کر بھیجا گیا اور جن کی نبوت و رسالت توحید باری تعالیٰ کی شاہد تھی، شاہد ہے اور شاہد رہے گی۔

○

قابل مبارکباد ہیں محترم اعجاز اشرف انجم صاحب جن کو بارگاہِ رب العزت سے اس عظیم خدمت سے سرفرازی ملی جو یقیناً ان کے لئے ایک بیش بہا نعمت اور توشہ آخرت ہے۔
مجھے امید ہے کہ وہ عرض ناشر میں اپنی مساعی جمیلہ کا ذکر ضرور فرمائیں جن سے انہیں اس سلسلہ میں دوچار ہونا پڑا۔

دعا ہے
کہ رب العزت ان کی سعی مبارکہ قبول فرمائے اور ان کو اپنے خصوصی انعامات سے نوازے۔

خاکِ پائے زائرین
ڈاکٹر سید حامد حسن بلگرامی
مؤلف تفسیر فیوض القرآن و نور مبین، کراچی

دیکھا ہے وہ عالم کہ فراموش نہ ہوگا

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

مورخین اور مصنفین کو خدا معاف کرے مقدس سے مقدس مقامات اور افضل سے افضل اوقات میں بھی تاریخی ذوق اور طرز فکر ان کا ساتھ نہیں چھوڑتا اور وہ چند لمحات کے لئے بھی اس سے آزاد نہیں ہو پاتے۔ وہ جہاں بھی ہوتے ہیں۔ اپنے علم و مطالعہ کی فضا میں سانس لیتے ہیں اور حال کا رشتہ ہمیشہ ماضی سے جوڑنا چاہتے ہیں، مناظر کو دیکھ کر ان کا ذہن بہت جلد اس تاریخی منظر کی تلاش میں نکل جاتا ہے جس کے نتیجہ میں ان مناظر کا وجود اور نمود ہے۔

میں کل مسجد نبویؐ میں روضہ جنت میں بیٹھا ہوا تھا۔ (اس سے مراد وہ مقام ہے جس کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے) میرے چاروں طرف نمازیوں اور عبادت گزاروں کا کثیر مجمع تھا، ان میں کچھ لوگ سجدے میں تھے اور کچھ رکوع میں۔ تلاوت قرآن کی آواز فضا میں اس طرح گونج رہی تھی جس طرح شہد کی مکھیاں اپنے چھتہ میں بھنبھنا رہی ہوں، اس وقت کا سماں کچھ ایسا تھا کہ مجھے تاریخ اور تاریخی شخصیات کو تھوڑی دیر کے لئے فراموش کر دینا چاہئے تھا لیکن تاریخ کی قدیم یادیں بادلوں کی طرح میرے دل و دماغ پر چھا گئیں اور میرا ان پر کوئی زور نہ چل سکا۔

مجھے ایسا محسوس ہوا کہ اس کی بعض نامور شخصیتوں اور رہنماؤں کو پھر سے ایک نئی زندگی عطا کی گئی ہے اور وہ وفود کی شکل میں یکے بعد دیگرے بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہو رہے ہیں اور اسی عظیم مسجد میں فریضہ نماز ادا کرنے کے بعد اسی عظیم نبی کو ہدیہ سلام اور خراج عقیدت و محبت پیش کر رہے ہیں اور اس کے احسان کا اعتراف کر رہے ہیں اور باوجود اس کے کہ وہ مختلف زبانوں، مقامات اور طبقوں سے تعلق رکھتے ہیں سب یک زبان ہو کر اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ آپ ہی وہ نبیؐ ہیں جنہوں نے اللہ کے حکم سے ان کو ظلمت سے

روشنی کی طرف، تیرہ بختی سے خوش بختی کی طرف، مخلوق کی عبادت سے خدائے واحد کی عبادت کی طرف اور مذاہب کے ظلم واستبداد سے اسلام کے عدل وانصاف کی طرف اور دنیا کی تنگی سے اس کی کشادگی کی طرف منتقل کیا۔ وہ اعتراف کر رہے ہیں کہ وہ اسلام ہی کی پیداوار ہیں اور ان کا سارا وجود اور زندگی نبوت کی مرہون منت ہے اگر خدانخواستہ ان سے وہ سب واپس لے لیا جائے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس نبیؐ کے ذریعے عطا کیا تھا اور نبوت کے وہ عطیے ان سے چھین لئے جائیں جنہوں نے دنیا میں ان کو عزت وسرفرازی بخشی تھی تو ان کی حیثیت ایک بے روح اور بے جان ڈھانچے اور چند مبہم اور بے مقصد خطوط واشکال سے زیادہ نہ رہ جائے گی اور وہ تاریخ کے اس تاریک ترین عہد کی طرف واپس چلے جائیں گے جہاں جنگل کے قانون اور ظلم واستبداد کا دور دورہ تھا اور موجودہ تہذیب کا نام ونشان مٹ جائے گا۔

اچانک میری نگاہ ایک طرف اٹھ گئی۔ میں نے دیکھا کہ باب جبرئیلؑ سے (جو مجھ سے زیادہ قریب تھا) ایک جماعت داخل ہو رہی ہے، سکون ووقار میں ڈوبے ہوئے لوگ، ان کی پیشانی سے علم کا نور اور ذہانت کا وفور صاف عیاں تھا، وہ باب الرحمۃ اور باب جبرئیلؑ کے درمیانی حصہ میں پھیل گئے، وہ اتنی بڑی تعداد میں تھا کہ ان کے شمار کا کوئی سوال نہیں تھا۔ میں نے دربان سے پوچھا کہ، یہ لوگ کون ہیں؟ اس نے کہا کہ اس امت کے امام اور رہنما انسانیت کے محسن اور نوع انسانی کے ممتاز اور قابل فخر نمونے ہیں۔ ان میں ہر ایک پوری پوری قوم کا امام، پورے کتب خانہ اور مکتب فکر کا بانی اور موسس، پوری نسل کا مربی اور مستقل علوم وفنون کا موجد ہے ان کے علوم واجتہاد اور تحقیق کی روشنی میں کئی کئی نسلوں نے سفر زندگی طے کیا ہے اس نے عجلت کیساتھ ان چند ہستیوں کے نام بھی مجھے بتادیئے، امام مالکؒ، امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبل، لیث بن سعد مصریؒ، امام اوزاعیؒ، امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، تقی الدین بن تیمیہؒ، ابن قدامہؒ، ابو اسحاق الشاطبیؒ، کمال ابن ہمامؒ، شاہ ولی اللہ دہلویؒ، اگرچہ ان شخصیتوں میں اپنے زمانہ اور اپنے ملک ووطن اور اپنی علمی ودینی حیثیتوں اور مراتب کا بڑا فرق تھا لیکن ان سب نے اس موقع پر بارگاہ نبوی میں خراج عقیدت پیش کیا اور اشک ندامت نذر کئے۔

میں نے دیکھا کہ سب سے پہلے انہوں نے تحیۃ المسجد کا دوگانہ بہت خشوع وخضوع اور

حضوری قلب کے ساتھ ادا کیا، پھر بہت ادب اور تواضع کے ساتھ مرقد مبارک کی طرف بڑھے اور بہت بچے تلے، مختصر معانی سے لبریز، گہرے اور پر مغز کلمات کے ساتھ سلام پیش کیا، مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی آواز اس وقت بھی میرے کانوں میں گونج رہی ہے، ان کی آنکھوں میں آنسو تھے اور آواز میں رقت، وہ کہہ رہے تھے۔

"یارسول اللہ! اگر آپ کی لازوال، وسیع اور جامع، عادلانہ اور کشادہ شریعت نہ ہوتی اور ان کے وہ اصول نہ ہوتے جن سے انسانی ذہن اور انسانی صلاحیت نے نئے نئے گل بوٹے پیدا کئے اور دنیا کا دامن بیش قیمت اور عطر بیز پھولوں سے بھر دیا اور اس کا وہ حکیمانہ اور معجزانہ نظام نہ ہوتا جس نے انسانی فکر و تدبر اور اخذ و استنباط کی صلاحیت کو پیدا کر دیا اور اگر وہ انسانیت کی ایک اہم ضرورت نہ ہوتی تو اس عظیم فقہ کا کوئی وجود ہوتا نہ یہ عظیم اسلامی قانون وجود میں آتا جس سے اس وقت تک ہر قوم کا دامن خالی ہے نہ اتنا بڑا اسلامی کتب خانہ پیدا ہوا ہوتا جس کے سامنے دنیا کا سارا مذہبی لٹریچر ہیچ ہے۔ اگر علم کی اشاعت اور خدا کی نشانیوں اور اس کی قدرت کاملہ میں غور و فکر اور عقل سے کام لینے کی آپ نے ایسی پرزور دعوت نہ دی ہوتی تو یہ شجر علم زیادہ دنوں تک برگ و بار نہ لاسکتا اور نہ اس کا سایہ تمام دنیا پر ایسا محیط ہوتا جیسا کہ آج نظر آرہا ہے۔ عقل انسانی پہلے کی طرح پابہ زنجیر ہوتی اور روشنی سے محروم۔"

میں اس جماعت کو جی بھر کر دیکھ بھی نہ سکا تھا کہ میری نظر ایک دوسرے گروہ پر پڑی جو باب الرحمہ سے ہو کر اندر کی طرف بڑھ رہا تھا، صلاح و تقویٰ اور زہد و عبادت کے آثار ان کے چہروں سے صاف ظاہر تھے۔ مجھے بتایا گیا کہ اس جماعت میں حسن بصریؒ، عمر بن عبدالعزیزؒ، سفیان ثوریؒ، فضیل بن عیاضؒ، داؤد الطائیؒ، ابن السماکؒ، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، نظام الدین اولیاؒ اور عبدالوہاب المتقیؒ جیسے حضرات بھی رونق بخش ہیں جنہوں نے اپنے قابل رشک پیشروؤں کی یاد تازہ کر دی۔ نماز کے بعد یہ لوگ بھی قبر مبارک کے سامنے کھڑے ہوئے اور اپنے نبی و پیشوا اور سب سے بڑے معلم اور رہنما کو درود و سلام کا تحفہ پیش کرنے لگے وہ کہہ رہے تھے۔

"یارسول اللہ! اگر ہمارے سامنے وہ عملی مثال نہ ہوتی جو آپ نے پیش فرمائی تھی اور وہ مینارۂ نور نہ ہوتا جس کو آپ نے بعد کے آنے والوں کے لئے قائم فرمایا تھا۔ اگر آپ کا یہ

قول نہ ہوتا کہ "اے اللہ زندگی تو آخرت کی زندگی ہے" اگر آپ کی یہ وصیت نہ ہوتی کہ دنیا میں اس طرح زندگی گزارو جس طرح کوئی مسافر یا راہی زندگی گزارتا ہے۔ اگر زندگی کا وہ طرز نہ ہوتا جس کا ذکر حضرت عائشہؓ نے اس طرح کیا ہے کہ ایک کے بعد دوسرا چاند اور دوسرے کے بعد تیسرا چاند نکل آتا ہے اور آپ کے گھر میں آگ نہ جلتی تھی، نہ چولہے پر دیگچی چڑھانے کی نوبت آتی تھی تو ہم دنیا پر اس طرح آخرت کو ترجیح نہ دے سکتے اور نہ ہم محض گذارہ پر بسر کر سکتے اور نہ قناعت کو اپنی زندگی کا شعار بنا سکتے نہ ہم نفس کی ترغیبات پر قابو پا سکتے اور نہ دنیا کے حسن و جمال اور اس کی رعنائی و زیبائی اور عہدہ و منصب کی طاقت اور کشش کا اس طرح مقابلہ کر سکتے۔"

ان کے حکیمانہ الفاظ ابھی پوری طرح میرے دل و دماغ میں پیوست بھی نہ ہوئے تھے کہ میری نظر ایک اور گروہ پر پڑی جو "باب النساء" سے بہت محبت لحاظ اور ادب کے ساتھ گزر رہا تھا، ظاہری آرائش اور آزادی کے ان مناظر سے جو اسلامی اصول و آداب کے منافی ہیں۔ یہ گروہ بالکل محفوظ اور خالی تھا۔ یہ مختلف قوموں اور دور دراز ملکوں کی صالح عبادت گزار اور عفیف خواتین تھیں جو عرب و عجم اور مشرق و مغرب کے مختلف خطوں سے تعلق رکھتی تھیں، بہت دبی زبان میں اور پورا ادب و احترام ملحوظ رکھتے ہوئے وہ اپنے جذبات تشکر و عقیدت کا اظہار اس طرح کر رہی تھیں۔

"ہم آپ پر درود و سلام بھیجتے ہیں یا رسول اللہ۔ ایسے طبقہ کا درود و سلام جس پر آپ کا بہت بڑا احسان ہے۔ آپؐ نے ہم کو خدا کی مدد سے جاہلیت کی بیڑیوں اور بندشوں، جاہلی عادات و روایات، سوسائٹی کے ظلم اور مردوں کی زور دستی اور زیادتی سے نجات بخشی، لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کے رواج کو ختم کیا، ماؤں کی نافرمانی پر وعید سنائی۔ آپ نے فرمایا کہ جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔ آپ نے وراثت میں ہم کو شریک اور اس میں ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کی حیثیت سے ہم کو حصہ دلایا۔ یوم عرفہ کے مشہور تاریخی خطبہ میں بھی آپ نے ہمیں فراموش نہیں کیا اور کہا کہ "عورتوں کے بارے میں خدا سے ڈرو اس لئے کہ تم نے ان کو اللہ کے نام کے واسطہ سے حاصل کیا ہے۔" اس کے علاوہ مختلف مواقع پر آپ نے مردوں کو عورتوں کے ساتھ حسن سلوک، ادائے حقوق اور بہتر معاشرت کی ترغیب دی تھی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمارے طبقہ کی طرف سے وہ بہتر سے بہتر جزا دے جو انبیاء و مرسلین

اور اللہ کے نیک اور صالح بندوں کو دی جا سکتی ہے۔"

یہ نرم آوازیں میرے کانوں میں گونج رہی تھیں کہ ایک اور جماعت نظر آئی جو "باب السلام" کی طرف سے آرہی تھی، میں ان کی طرف متوجہ ہوا تو دیکھا کہ وہ علوم وفنون کے موجد اور مرتب، ائمہ نحو ولغت و بلاغت کی جماعت تھی۔ اس میں ابوالاسود الدئلی، خلیل بن احمد، سیبویہ، کسائی، ابوعلی الفارسی، عبدالقاہر الجرجانی، السکاکی، مجدالدین فیروز آبادی، سید مرتضی الزبیری بھی تھے جو اپنے علوم کا سلام پیش کر رہے ہیں اور اپنی شہرت اور مرتبہ علمی کا خراج ادا کرنے آئے تھے، میں نے دیکھا وہ بہت بلیغ اور ادبی الفاظ میں اس طرح گویا ہیں۔

"یارسول اللہ! اگر آپ نہ ہوتے اور یہ مقدس کتاب نہ ہوتی جو آپ پر نازل ہوئی، اگر آپ کی احادیث نہ ہوتیں اور یہ شریعت نہ ہوتی جس کے سامنے ساری دنیا نے سر تسلیم خم کر دیا تھا اور وہ اس کی وجہ سے عربی زبان سیکھنے اور اس میں مہارت حاصل کرنے پر مجبور تھی تو پھر یہ علوم بھی نہ ہوتے جن میں آج ہم کو امامت و قیادت کا شرف حاصل ہے۔ نحو، بیان اور بلاغت ان میں سے کسی چیز کا وجود نہ ہوتا۔ نہ یہ بڑی بڑی معاجم اور لغات نظر آتیں، نہ عربی زبان کے مفادات میں یہ نکتہ آفرینیاں اور دقیقہ سنجیاں ہوتیں، نہ ہم اس راستہ میں زبردست اور طویل جدوجہد کے لئے تیار ہوتے (جس کے یہاں زبانوں اور بولیوں کی کوئی کمی نہ تھی) عربی سیکھنے اور اس پر عبور حاصل کرنے کی کوئی خواہش نہ ہوتی اور نہ ان میں وہ مصنفین اور اہل قلم پیدا ہوتے جن کی زباں دانی کا اہل زبان نے بھی لوہا مان لیا، یارسول اللہ! آپ ہی ہمارے درمیان اور اسلام میں پیدا ہونے والے ان علوم کے درمیان واسطہ اور رابطہ تھے جو آپ کی بعثت سے وجود میں آئے، درحقیقت صرف آپ ہی عرب وعجم میں رابطہ کا ذریعہ ہیں، آپ ہی کی ذات ہے جس نے اس درمیانی خلا کو پر کیا اور عرب وعجم اور مشرق ومغرب کو گلے ملا دیا اور شیر وشکر بنا دیا۔ آپ کا کتنا احسان ہے، ہماری اس ذہانت، طباعی اور ...... علمی پر آپ کا کتنا کرم ہے۔ علم کی اس دولت پر، انسانی عقل کی زرخیزی پر اور قلم کی گلکاری پر۔

یارسول اللہ! اگر آپ نہ ہوتے تو یہ عربی زبان بہت سی اور زبانوں کی طرح صفحۂ ہستی سے ناپید ہو جاتی، اگر قرآن مجید کا غیر فانی صحیفہ اس کا پاسبان نہ ہوتا تو اس میں اتنا تغیر و

تبدیل ہو جاتا کہ اس کی صورت ہی مسخ ہو جاتی اور وہ ایک نئی زبان بن جاتی جیسا بکثرت دوسری زبانوں کے ساتھ ہوا ہے۔ عجمی الفاظ اور مقامی زبانیں اس کو جذب کر لیتیں یا نگل لیتیں اور اس کی صحت و اصلیت یکسر ختم ہو جاتی، یہ آپ کے وجود مبارک، شریعت اسلامی اور اس مقدس کتاب کا فیض ہے جس نے اس زبان کو فنا کی دستبرد سے محفوظ رکھا ہے اور عالم اسلام کے لئے اس کی عزت و محبت واجب کر دی ہے اور ہر مسلمان کے دل کو اس کا اسیر محبت بنا دیا ہے۔ آپ ہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس زبان کو دوام بخشا ہے اس بقاء و ترقی کی ضمانت کی اس لئے ہر اس شخص پر جو اس زبان میں بات کرتا ہے یا لکھتا ہے یا اس کی وجہ سے کوئی بلند مرتبہ حاصل کرتا ہے یا اس کی دعوت دیتا آپ کا احسان ہے اور وہ اس احسان کا کبھی منکر یا اس سے کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتا۔"

میں ان کے اس تشکر و اعتراف اور اظہار حقیقت کو غور سے سن رہا تھا کہ اچانک میری نظر "باب رحمت" پر جا کر ٹھہر گئی۔ اس دروازے سے ایک گروہ ایسا داخل ہو رہا تھا جس پر مختلف قوموں اور مختلف ملکوں کے رنگ نمایاں تھے۔ اس میں دنیا کے بڑے بڑے سلاطین اور تاریخ کے ممتاز ترین بادشاہ اور فرماں روا شامل تھے۔ ہارون رشید، ولید بن عبدالملک، ملک شاہ سلجوقی، صلاح الدین ایوبی، محمود غزنوی، ظاہر بیبرس، سلیمان اعظم، اورنگ زیب عالمگیر بھی اس گروہ میں شامل تھے۔ انہوں نے اردلیوں اور چوبداروں کو دروازہ کے باہر ہی چھوڑ دیا تھا اور نظریں جھکائے ہوئے تواضع و انکسار کا مجسمہ بنے ہوئے بہت آہستہ آہستہ گفتگو کرتے ہوئے چل رہے تھے۔ میری نظر کے سامنے ان سب کی شخصیتیں اور کارنامے ابھرنے لگے۔ میری آنکھوں میں اس طویل و عریض دنیا کا نقشہ پھر گیا جس پر ان کا سکہ چلتا، ان کا ڈنکا بجتا تھا، ان کی بادشاہی اور فرمانروائی کی تصویر یکایک میرے سامنے آ گئی جو ان کو دنیا کی بڑی بڑی قوموں، طاقتور سلطنتوں اور جابر بادشاہوں پر حاصل تھی، ان میں وہ ہستی بھی تھی جس نے بادل کے ایک ٹکڑے کو دیکھ کر یہ تاریخی جملہ کہا تھا: "تو جہاں چاہے جا کے برس، تیرا خراج آخر کار میرے ہی خزانے میں آئے گا۔" وہ شخص بھی تھا جس کی سلطنت کی وسعت کا عالم یہ تھا کہ اگر سب سے تیز رفتار سانڈنی سوار سلطنت کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جانا چاہتا تو یہ پندرہ ماہ سے کم میں ناممکن تھا، ان میں وہ فرمانروا بھی تھے جو نصف کرۂ ارض پر حکومت کرتے تھے اور بڑے بڑے بادشاہ ان کو خراج پیش کرنے پر

مجبور تھے۔ایسے فرمانروا بھی تھے جن کی ہیبت سے سارا یورپ لرزہ براندام تھا اور جن کے زمانہ میں مسلمانوں کو عزت کا یہ مقام حاصل تھا کہ جب وہ یورپ کے ملکوں میں جاتے تھے تو ان کے دین کے احترام اور ان کے غلبہ وسطوت کے اثر سے گرجوں کے گھنٹے بجنا بند ہو جاتے تھے، غرض اسی طرح کے نہ جانے کتنے بادشاہ اور فرمانروا اس مجمع میں موجود تھے، وہ مسجد نبویؐ میں نماز ادا کرنے کے لئے آگے کی طرف بڑھ رہے تھے اور حضورؐ کو درود وسلام کا ہدیہ پیش کرنا چاہتے تھے اور اس کو اپنے لئے سب سے بڑا شرف و اعزاز سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے اور تمنا کرتے تھے کہ کاش ان کی یہ نماز اور یہ درود و سلام قبول ہو، میں نے دیکھا کہ وہ لرزتے ہوئے قدموں کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ آگے کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ان کے دلوں پر ہیبت طاری تھی۔ یہاں تک کہ وہ ''صفہ'' کے نزدیک پہنچ گئے جو فقراء صحابہ کا مسکن اور جائے قیام تھا۔وہ تھوڑی دیر کے لئے وہاں رک گئے اور عزت واحترام اور شرم وحیا کے ملے جلے جذبات کے ساتھ اس جگہ کو دیکھنے لگے جو کبھی ان فقراء ومساکین کا ٹھکانا تھا جن کے قدموں کی خاک کو یہ اپنی آنکھ کا سرمہ بنانے کو تیار ہیں۔اس کے قریب ہی انہوں نے تحیۃ المسجد کے طور پر دو رکعتیں پڑھیں اور قبر مبارک کی طرف بڑھے اور پھر ان کی محبت وعقیدت، جذبات واحساسات اور علم وایمان نے جو کچھ کہلوایا۔وہ انہوں نے اس بارگاہ نبویؐ میں عرض کیا لیکن شریعت کے آداب کا خیال رکھتے ہوئے اور توحید خالص کو پیش نظر رکھ کر۔

''یارسول اللہؐ! آپؐ نے ہم کو اپنے دین کی ایسی روشنی عطا کی کہ ہماری آنکھیں کھل گئیں۔خیال میں وسعت پیدا ہوئی، نظر کو جلا ہوئی، اس کے بعد ہم اس وسیع اور جامع دین اور اس روحانی رشتہ اور رابطہ کو لے کر خدا کی وسیع اور کشادہ زمین میں پھیل گئے، ہماری مردہ وخوابیدہ صلاحیتیں بیدار ہوئیں اور ہم نے ان صلاحیتوں سے کام لیتے ہوئے شرک وبت پرستی اور ظلم وجہالت کا پوری طاقت سے مقابلہ کیا اور ایسی عظیم الشان حکومتیں قائم کیں جن کے سائے میں ہم اور ہماری اولاد اور بھائی صدیوں تک آرام اور فائدہ اٹھاتے رہے، آج ہم آپ کی خدمت میں غلامانہ نذر عقیدت پیش کرنے آئے ہیں اور اپنے جذبہ محبت اور عزت واحترام کا خراج یا ٹیکس اپنی خوشی ومرضی سے ادا کر رہے ہیں اور اس کو اپنے لئے باعث فخر اور وسیلہ نجات سمجھتے ہیں، ہمارا پورا اعتراف ہے کہ اس دین کے احکام وقوانین

کے نفاذ کے سلسلہ میں (جس سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو سرفراز کیا تھا) ہم سے یقیناً بڑی کوتاہی ہوئی، ہم اللہ سے استغفار کرتے ہیں، بے شک وہ بہت معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔"

میں ان بادشاہوں کی طرف متوجہ تھا، میری نظریں ان کے خاموش اور باادب چہروں پر مرکز تھیں، میرے کان ان کے پرخلوص نیاز مندانہ الفاظ پر لگے ہوئے تھے جو اس سے قبل میں نے ان سے کسی موقع پر نہیں سنے تھے کہ ایک اور جماعت داخل ہوئی اور ان بادشاہوں اور فرمانرواؤں کی پرواہ کئے بغیر ان کی صفوں سے ہوتی ہوئی سامنے آگئی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان بادشاہوں کے رعب و دبدبہ اور قوت و اقتدار کا ان پر کوئی اثر نہیں ہے۔ میں نے اپنے دل میں کہا یا تو یہ شاعر ہیں یا انقلابی، یہ انداز غلط نہ تھا، اس لئے کہ یہ جماعت ان دونوں گروہوں پر مشتمل تھی، انہوں نے ایک کو اپنا ترجمان بنایا اور لائق ترجمان نے ان الفاظ میں اپنے جذبات عقیدت کا اظہار کیا۔

"خواجہ کونین، سالار بدر و حنین یا رسول اللہؐ! میں آپ سے اس قوم کی شکایت کرنے آیا ہوں جو آج بھی آپ کے خوان نعمت کی ریزہ چیں ہے اور آپ کے سایہ رحمت کے سوا اس کو کہیں پناہ نہیں ملتی اور آپ کے لگائے ہوئے باغ کے پھل کھا رہی ہے۔ وہ ان ملکوں میں جن کو آپ نے قفس استبداد سے آزاد کرایا تھا اور سورج کی روشنی اور کھلی ہوا عطا کی تھی۔ وہ آج آزادی کے ساتھ اور اپنی مرضی کے مطابق حکومت کر رہی ہے لیکن یہی قوم آج اسی بنیاد کو اکھاڑ رہی ہے جس پر اس عظیم امت کے وجود کا دار و مدار ہے۔ اس کے رہنما و لیڈر آج یہ کوشش کر رہے ہیں کہ امت واحدہ کو کثیر التعداد قومیتوں میں تقسیم کر دیں، وہ اسی چیز کو زندہ کرنا چاہتے ہیں جس کو آپ نے ختم کیا تھا، اسی چیز کو بگاڑ رہے ہیں جس کو آپ نے بنایا تھا اور اس امت کو عہد جاہلیت کی طرف لے جا رہے ہیں جس سے آپ نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نکالا تھا اور اس معاملہ میں یورپ کی تقلید کر رہے ہیں جو خود زبردست ذہنی افلاس اور انتشار بے یقینی کا شکار ہے۔ وہ اللہ کی نعمت کو ناشکری سے تبدیل کر کے اپنی قوم کو تباہی کے گھر کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔ "چراغ مصطفوی" اور "شرار بولہبی" کی معرکہ آرائی آج پھر قائم ہے۔ بدقسمتی سے ابولہب کے کیمپ کی طرف وہ لوگ نظر آ رہے ہیں جو اسلام کی طرف اپنا انتساب کرتے ہیں اور عربی زبان بولتے ہیں۔ وہ آج اپنے جاہلی کارناموں اور اعتام پر فخر کرنے لگے ہیں۔ جن کو آپ نے پاش پاش کر دیا تھا، یہ لوگ ان تاجروں میں سے ہیں جو

سودا خریدتے وقت زیادہ لینا چاہتے ہیں اور بیچتے وقت کم دیتے ہیں۔ آپ سے انہوں نے ہر چیز حاصل کی اور ہر طرح کی قوت و عزت سے بہرہ مند ہوئے۔ اب وہ ان قوموں کے ساتھ جن کے وہ حاکم اور نگراں ہیں یہ سلوک کر رہے ہیں کہ ان کو یورپ کے قدموں میں ڈالنا چاہتے ہیں اور اس کو جاہلی فلسفوں نیشنلزم، سوشلزم، کمیونزم کے حوالے کر رہے ہیں۔

آپ نے جن بتوں سے کعبہ کو پاک کیا تھا وہ آج مسلمان قوموں کے سروں پر نئے نئے ناموں اور نئے نئے لباسوں میں پھر مسلط کئے جا رہے ہیں۔ مجھے عالم عربی کے بعض حصوں میں جن کو آپ کا مرکز اور قلعہ ہونا چاہئے تھا ایک عام بغاوت نظر آ رہی ہے لیکن کوئی عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) نہیں، فکری و ذہنی ارتداد کی آگ تیزی سے پھیل رہی ہے اور کوئی ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نہیں جو اس کے لئے مردانہ وار میدان میں آئے اور اس آگ کو بجھائے۔ میری طرف سے اور میرے تمام ساتھیوں کی طرف سے جن کی نمائندگی اور ترجمانی کا فخر مجھے حاصل ہوا، دل کی گہرائیوں سے نکلنے والے اور عقیدت و احترام کے جذبات میں ڈوبے ہوئے جذبات کا تحفہ قبول ہو۔

میں آپ کو یقین دلاتا ہوں اور اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ ہم ان تمام لیڈروں اور رہنماؤں سے بری اور بیزار ہیں جنہوں نے اپنا رخ اسلام کے قبلہ کی طرف سے پھیر کر مغرب کی طرف کر لیا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں آپ سے آپ کے دین سے کوئی تعلق باقی نہیں رہ گیا ہے۔ ہم آپ کی وفاداری اور اطاعت شعاری کا پھر اعلان کرتے ہیں اور جب تک زندگی ہے اسلام کی اس رسی کو انشاء اللہ مضبوطی سے پکڑے رہیں گے۔''

یہ بلیغ اور یقین و ایمان سے لبریز الفاظ ختم بھی نہ ہوئے تھے کہ مسجد نبویؐ کے میناروں سے اذان کی دلنواز صدا بلند ہوئی۔

میں یکبارگی ہشیار ہو گیا اور تخیلات کا یہ حسین سلسلہ جو تاریخ کے سہارے قائم ہو گیا تھا ٹوٹ گیا۔ میں اب پھر اسی دنیا میں واپس آ گیا تھا جہاں سے چلا تھا کچھ لوگ نماز میں مشغول تھے اور کچھ تلاوت کر رہے تھے۔

عالم اسلام کے مختلف وفود اور جماعتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سلام پیش کر رہی تھیں۔ زبانوں اور لہجوں کے اختلافات کے ساتھ جذبات و تاثرات کے اتحاد نے ایک عجیب سماں پیدا کر دیا تھا۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر

ابن بطوطہ شیخ ابوعبداللہ

یہاں سے رخصت ہو کر تیسرے روز آدمی شہر مقدس، مدینہ منورہ طیبہ کی بیرونی آبادی میں پہنچ جاتا ہے۔ جس روز حاضر ہوئے۔ اسی دن شام کو ہم حرم شریف میں داخل ہوتے اور مسجد کو سلام کرتے ہوئے باب السلام میں ٹھہرے روضہ نبوی اور منبر نبوی کے مابین نماز ادا کی۔ ستون حنانہ کے باقی ماندہ حصہ کو بوسہ دیا۔ نبی الہاشمی الابطحی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نیز آپؐ کے صحابہ ابی بکر الصدیقؓ اور ابی حفص عمر الفاروقؓ کا حق سلام ادا کیا۔ خوشی خوشی اس نعمت عظمیٰ اور نعمت کبریٰ کی کامیابی سے اپنی قیام گاہ پر اللہ برتر کی حمد کرتے ہوئے واپس آئے۔

مسجد معظم مستطیل ہے اور اس کے ہر چار اطراف سے سنگین فرش گھیرے ہوئے ہیں۔ اس کے وسط میں ایک صحن ہے جس پر کنکریاں اور ریت بچھی ہوئی ہے۔ مسجد کے گرد ایک سنگین فرش گھوما ہوا راستہ ہے جس کا ایک دوسرے سے پتھر جڑا ہوا ہے اور روضہ مقدس قبلہ کی طرف مسجد مکرم کے مشرقی جانب سے ملا ہوا ہے۔ روضہ اقدس کی شکل ایسی نادر واقع ہوئی ہے۔ قبلہ میں روئے مبارک کے مقابل ایک چاندی کی میخ گڑی ہوئی ہے۔ یہیں لوگ روئے مبارک کی طرف رخ کر کے اور پشت بقبلہ ہو کر سلام پڑھتے ہیں۔ وسط مسجد میں سطح زمین سے مسطح ایک تہہ خانہ کے منہ پر گول ڈھکنا ڈھکا ہوا ہے۔ اس تہہ خانہ میں سیڑھیاں ہیں۔ جس کا سلسلہ مسجد سے باہر حضرت ابوبکرؓ کے مکان تک چلا جاتا ہے۔ اسی تہہ خانہ میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اپنے والد کے گھر تشریف لے جایا کرتی تھیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ وہی خوخہ ہے جس کا حدیث میں ذکر آیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جسے باقی رکھنے اور اس کے علاوہ بند کر دینے کا حکم صادر فرمایا تھا۔ مسجد کی مشرقی سمت امام المدینہ ابی عبداللہ مالک بن انسؓ کا مکان ہے اور باب السلام کے قریب ایک ایک سقایہ ہے جس پر لوگ سیڑھیوں سے اترتے ہیں۔ اس کا پانی جاری اور نام

''عین الزرقا'' ہے۔

مدینہ طیبہ میں میری حاضری کے وقت مسجد نبویؐ کے امام بہاء الدین سلامۃ کبار اہل مصر میں سے تھے۔ بقیع الغرقد مدینہ مکرمہ کی مشرقی جانب واقع ہے۔ یہاں کے زائرین جس دروازہ سے نکلتے ہیں، اس کا نام باب البقیع ہے۔ اس دروازہ کے بائیں طرف صفیہؓ بنت عبدالمطلب کا مزار مبارک ملتا ہے، آپ کے مزار کے سامنے امام المدینہ عبداللہ مالک بن انسؒ کا مزار مبارک ہے۔ اس مزار کے سامنے خلاصہ خاندان مقدس نبوی یعنی حضرت ابراہیمؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مزار مبارک ہے۔ اس پر سفید رنگ کا ایک قبہ بنا ہوا ہے۔ قبہ کے داہنی جانب عبدالرحمن ابن عمرؓ ابن الخطابؓ کا مزار ہے۔ اس کے مقابل عقیلؓ ابن ابی طالب کا مزار ہے۔ ان کے مقابل ایک روضہ ہے جس میں حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب اور حسن ابن علیؓ کے مزارات ہیں۔ یہ گنبد بہت بلند اور نہایت مستحکم بنا ہوا ہے۔ ان ہر دو حضرات کے مزارات زمین سے بہت بلند اور نہایت مستحکم بنا ہوا ہے۔ ان ہر دو حضرات کے مزارات زمین سے بہت بلند اور وسیع بنے ہوئے ہیں۔ ان پر نہایت خوبی سے جوڑ ملا کر تختے جڑے ہیں اور ان پر پیتل کے پتر چڑھائے ہیں۔ جن پر نہایت نادر کام کیا ہوا ہے۔ نیز بقیع میں مہاجرین وانصار اور کل صحابہ رضوان اللہ اجمعین کے مزارات ہیں۔ امیر المومنین عثمان بن عفانؓ کا مزار ہے۔ اس پر ایک بہت بڑا رقبہ بنا ہوا ہے۔ اس کے قریب فاطمہ بنت اسد حضرت علیؓ کی والدہ کا مزار مبارک ہے۔ مدینہ طیبہ اور قبا کے درمیان کا راستہ نخلستان میں سے ہو کر گیا ہے۔ مسجد قبا مربع کی شکل ہے۔ اس میں ایک سفید رنگ کا اتنا بلند مینار ہے کہ بہت دور سے نظر آتا ہے۔ بیر اریس ہے۔ یہ وہ کنواں ہے جس کا پانی پہلے کھاری تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اپنا لعاب دہن اس میں ڈالا تو اس کی برکت سے شیریں ہو گیا اور اس میں حضرت عثمانؓ سے خاتم رسول گری تھی۔ اس مرتبہ میرا مدینہ شریف میں چار دن قیام رہا۔ ہر شب مسجد نبویؐ میں گزرتی تھی۔ صحن میں لوگ حلقہ باندھ کر بیٹھتے تھے اور بکثرت شمع روشن کرتے تھے۔ تلاوت کرتے تھے، کچھ اللہ کے ذکر میں مصروف رہتے تھے اور کچھ لوگ تربت طاہرہ نبوی کے دیدار میں بسر کرتے تھے۔ ہر طرف سے خوش آواز لوگ مدحیہ قصائد ترنم سے پڑھتے تھے۔ لوگوں کا یہ معمول تھا کہ ان مبارک راتوں میں مجاوروں اور محتاجوں کو بکثرت صدقات دیتے اور ان سے بہت اچھا سلوک کرتے تھے۔

سکونِ قلب حاصل ہے زباں پر ہیں مناجاتیں

مولانا ابوالقلم خاموش فتح پوری

3/ربیع الاول 1353ھ جمعۃ المبارک، اونٹ پر سوار ہو کر مدینۃ النبیؐ کا رخ کیا۔ زمانہ حج میں اونٹ پر آمد و رفت کا کرایہ ایک سو پچیس روپے ہے۔ آج کل چالیس روپے دینے پڑے۔ عصر کے بعد مکہ سے چل کر اگلی صبح وادی فاطمہؓ میں پہنچے۔ دن بھر آرام کر کے وہاں سے کوچ کیا۔ مختلف منازل پر پڑاؤ کرتے ہوئے 14/ربیع الاول کو مدینہ منورہ پہنچے۔ رباطِ بھوپال میں قیام کو جگہ ملی۔

تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد غسل کیا۔ کپڑے بدلے، عطر ملا اور باوضو ہو کر حرم اقدس میں مودبانہ حاضر ہوئے۔ روضے کی جالیوں سے لگ کر سلام پڑھنا شروع کیا تو میرا حال ایسا ہو گیا جیسے کسی نے نشے کی بوتل پلا دی ہو، کچھ ہوش نہ رہا، مزور کیا پڑھ رہا ہے مجھے جونہی خیال آیا کہ میں کون ہوں؟ میرے اعمال کیا ہیں؟ یہ کس کا دربار ہے۔ جہاں میں حاضر ہوں؟ آنسوؤں کا ایک دریا بہہ نکلا۔ آواز بند ہو گئی۔ ہچکیاں بندھ گئیں، کلیجہ چاہتا تھا کہ پسلیوں کو پھاڑ کر باہر نکل جاؤں۔ دل کہتا تھا کہ مجھے باہر نکال دے کہ تڑپ کر نثار ہو جاؤں۔ وہ رونا عجیب کیفیت کا رونا تھا۔ جب مجھ جیسے سیاہ کار کا یہ حال ہوا تو اللہ والوں اور نیک بندوں پر خدا جانے کیا واردات گزرتی ہوں گی۔

اس کے بعد ذرا رخ بدل کر دوسرا سلام حضرت ابوبکر صدیقؓ پر پڑھا۔ اس نے بھی تڑپا دیا۔ بعدازاں تھوڑا سا رخ پھیر کر تیسرا سلام سیدنا فاروق اعظمؓ کی بارگاہ میں پیش کیا۔ جالیوں کے قریب سعودی عسکری تعینات ہوتے ہیں کہ کسی کو کوئی بدعت نہیں کرنے دیتے۔

روضے دی جالی چم لین دے

ڈاکٹر اے۔ آر۔ خالد

پاکستان میں کسی نعت خواں سے جب میں یہ نعت سنتا۔ ''سانوں روک نہ پہرے دارا روضے دی جالی چم لین دے۔'' تو میرے ذہن میں پہرے دار کا ایک عجیب سا تصور آتا اور پھر میں اس کے روضے کی جالی چومنے سے منع کرنے کے انداز کا تصور کرتا، تو یہ بات دل میں زیادہ سما گئی کہ اس کام کی ''تیاری'' کرنا ہوگی۔ شاید یہی سبب تھا کہ جب میں پہلی بار 1968ء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ اقدس پر حاضر ہوا تو ریاض الجنت میں ایک عمر رسیدہ شخص نے میرے لباس کو دیکھ کر اردو میں گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ یہ ستون توبہ ہے، یہاں ایک صحابی ابولبابہؓ کا قصور اس طرح معاف ہوا تھا کہ انہوں نے خود کو اس ستون کے ساتھ باندھ لیا تھا۔ تب سے اسے ستونِ توبہ کہتے ہیں۔ یہاں دو نفل پڑھ لینے کا بڑا درجہ ہے۔ گناہوں کی بخشش ہو جاتی ہے۔ توبہ قبول ہو جاتی ہے۔ میں نے اس بزرگ کو ٹوک کر کچھ کہنا چاہا تو وہ بولے بیٹا، پہلے سن لو۔ یہ ستونِ عائشہ ہے۔ طبرانی میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ارشاد فرمایا! ''میری مسجد میں ایک جگہ ایسی ہے کہ اگر لوگوں کو وہاں نماز پڑھنے کی فضیلت کا علم ہو جائے تو وہ قرعہ اندازی کرنے لگیں۔'' اس جگہ کی نشاندہی حضرت عائشہؓ نے کی تو یہاں ستونِ عائشہؓ بنا دیا گیا ہے۔ یہاں بھی دو نفل ضرور پڑھ لینا اور ہاں ستون سریر پر نفل پڑھنا نہ بھولنا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعتکاف فرماتے تھے اور رات کو یہیں آپ کا بستر بچھا دیا جاتا تھا۔ ستون وفود پر تم لازماً نفل پڑھو گے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر سے آنے والے وفود سے اسی جگہ بیٹھ کر ملاقات کرتے۔ میں اب تو ان بزرگ کی بات کاٹنے کی جرأت بھی نہیں کر پا رہا تھا۔ وہ ایک لمحہ کے لئے رکے اور میرے کہنے سے پہلے ہی بولے۔ ستونِ علی کے بارے میں تو تمہیں پتہ ہوگا کہ اس مقام پر حضرت علیؓ نماز پڑھا کرتے تھے اور اسی جگہ بیٹھ کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کیا کرتے تھے۔ یہاں نفل پڑھ کر ستونِ حنانہ پر ضرور نفل ادا کر لینا۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محراب کے قریب ہے۔ یہاں کھڑے ہو کر آپ خطبہ ارشاد فرماتے۔ یہیں کھجور

کا درخت دفن ہے جو لکڑی کا منبر بن جانے کے بعد آپ کے فراق میں بچوں کی طرح بلبلا کر رو دیا تھا۔ کہنے لگے میں جانتا ہوں میں تمہارا کچھ زیادہ وقت لے رہا ہوں، لیکن تمہیں ستون تہجد کے بارے میں ضرور بتا دوں کیونکہ یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تہجد ادا فرماتے تھے۔

میں نے کہا، حضور! یہ سارے مقدس مقامات ہیں، مگر مجھے روضہ مبارک کی جالی کو بوسہ دینا ہے، اس کی کیا ترکیب ہے؟ کہنے لگے پاکستانی ہو؟ چلو دے لو بوسہ۔ ابھی پہرے دار کی آنکھیں بند ہو جائیں گی اور تم بوسہ دے لینا۔ پھر ایسا ہی ہوا۔ ہم عجمی ولایت یا بزرگی کو کرامتوں کے حوالے سے دیکھتے ہیں۔ اب مجھے بھی احساس ہوا کہ یہ واقع کوئی بڑے بزرگ ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کب سے یہاں ہیں؟ بولے چالیس سال سے ستونِ توبہ پر نماز پڑھ رہا ہوں اور پھر زائرین کے ایک دھکے نے مجھے ان سے علیحدہ کر دیا۔

پھر میں جتنے دن رہا یا جب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ اقدس پر حاضر ہوا۔ وہ بزرگ نظر نہ آئے۔ یا یوں کہئے کہ شاید میں ان کو اچھی طرح دیکھ بھی نہیں سکا تھا۔ وہ میرے مطلب کی بات پوری ہوتے کے فوراً بعد ہی تو مجھ سے علیحدہ ہو گئے تھے۔ پہلی ساری باتیں میں نے اگرچہ غور سے سنی تھیں، مگر میرے ذہن میں ایک چیز جو اٹک چکی تھی، اس کے سبب میں زیادہ توجہ نہ دے سکا اور منتظر تھا کہ وہ بات کہیں ختم کریں تو اپنی بات کہوں۔

اب کے بھی میں نے اپنی طرح کے کئی حجاج کو اسی طرح اشتیاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے دیکھا۔ روضے کی جالی کو بوسہ دینے کی خواہش رکھنے والے بیشتر افراد کی خواہش پوری ہو جاتی ہے۔ جسے اندر سے یہ اجازت ملتی ہے وہ ہر کس و ناکس کو یہ اجازت نہیں ملتی۔ شاید یہی وہ فقرہ تھا جس کے سبب مجھے یہ احساس ہوا کہ مجھے جو سبز جالی اور سنہری جالی کے ہر جانب سے بوسہ دینے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ اس کے سبب حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ہی گناہگار کو یہ اجازت ملی ہے کہ میں نے فوراً اجازت مانگنے کے انداز عرض کیا کہ اب جو سنہری جالی پر بوسہ لینا ہے۔ وہ اس مقام پر لوں گا جہاں سنہری حروف میں اسم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لکھا ہوا ہے۔ ارادہ کیا، بوسہ لے لیا۔ پہرے دار نے میرے سر پر جھپٹا مارا۔ میری کپڑے کی ٹوپی پکڑی اور اوپر اچھال دی۔ زائرین کے ایک دھکے نے مجھے اس مقام پر لا کھڑا کیا جہاں ٹوپی بغیر میری کی کوشش کے میرے سر پر آن گری۔ دوسری عجمی مبارکباد کہنے لگے، بوسہ منظور ہو گیا اور پھر سب کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ سلام پڑھتے ہوئے بھی اور دعا مانگتے ہوئے بھی۔

جدھر جدھر سے وہ گزرے جدھر جدھر وہ ٹھہرے

ڈاکٹر ایچ۔بی۔خان

ہم نے نماز مغرب مسجد نبویؐ میں باجماعت ادا کی اور فیروزالدین کو ساتھ لے کر روضہ اقدس پر مقررہ دعائیں پڑھیں اور رو رو کر درود و سلام کا نذرانہ عقیدت پیش کیا اور حسب ترتیب حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے مزارات پر (یہ دونوں مزار روضہ اطہر کے ساتھ ساتھ ایک ہی احاطہ میں ہیں) اور غالباً حجاج کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ اطہر یہ دعا مانگی جاتی ہے اور پھر شیخین کے مزارات پر حاضری دی جاتی ہے۔ دعاؤں کے سلسلے میں یہ بات پہلے بیان کی جا چکی ہے کہ بازار میں مختلف کتب آسانی سے دستیاب ہیں۔ جن میں ہر مقام کے لئے علیحدہ علیحدہ دعاؤں کی تفصیل موجود ہے۔ ہم لوگ دعائیں مانگنے کے بعد واپس آگئے اور اپنی قیام گاہ عبداللہ البکری، تیسری منزل روم نمبر 11 میں مقیم ہو گئے۔ اس کے بعد عشاء کی نماز کے لئے ہم نے بیگم صاحبہ کو بھی ساتھ لیا اور مسجد نبویؐ گئے۔ ہمارے ہمسفر اپنی قیام گاہ پر چلے گئے اور اس وقت ہم دونوں ہی مسجد نبویؐ گئے۔ خیال تھا کہ بعد نماز عشاء اور روضہ اطہر پر سلام اور حاضری دیں گے۔ مگر سعودی حکومت کے احکامات کے تحت عشاء کے بعد مسجد نبویؐ بند کر دی جاتی ہے، اس لئے اس وقت بیگم صاحبہ اس سعادت سے متمتع نہ ہو سکیں۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں یہ معمول ہے کہ تہجد کی نماز کے لئے بھی اذان ہوتی ہے۔ اس لئے زیادہ تر حجاج و زوار ساڑھے تین بجے شب سے ہی مسجد چلے جاتے ہیں۔ چونکہ تمام حضرات کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ ہم زیادہ سے زیادہ وقت ریاض الجنۃ میں گزاریں۔ حالانکہ عملاً ایسا ممکن نہیں ہے۔ چونکہ ریاض الجنۃ محراب النبیؐ اور روضہ اطہر کے درمیان واقع ہے، جو 12 ستونوں کے اندر اندر ہے اور اس مخصوص جگہ کو ہی ریاض الجنۃ کہا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس محدود جگہ میں ہر شخص نہیں بیٹھ سکتا۔ تاہم اس مقام کو حاصل کرنے کے لئے لوگ اس وارفتگی کے ساتھ کوشش کرتے ہیں جیسے شہد کی مکھیاں پھولوں کا رس چوسنے کے لئے دوڑتی ہیں۔ مختصر یہ کہ 18 نومبر 1979ء

کو ساڑھے تین بجے شب ہم دونوں مسجد نبویؐ گئے اور پہلے روضہ اطہر پر سلام کا نذرانہ پیش کیا اور دعا مانگی۔ وہاں ہر لحہ مجمع بڑھتا جاتا ہے اور بھیڑ کی وجہ سے ایک جگہ کھڑے ہو کر درود سلام کا نذرانہ پیش کرنے میں کافی وقت صرف ہو جاتا ہے۔ کچھ وقفہ کے بعد نماز فجر کی اذان ہو جاتی ہے اور اذان کے ساتھ ہی تمام لوگ اپنے لئے جگہ کی تلاش میں ادھر ادھر نگاہ دوڑاتے ہیں اور پھر جس کو جہاں جگہ مل جاتی ہے، وہیں بیٹھ جاتا ہے۔ مسجد نبویؐ کی اذان کا منظر اور سریلی و جاذب دلکش روح و آواز ایک ایسا اثر پیدا کرتی ہے کہ لوگ اذان سن کر مسحور ہو جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں ایک ہی وقت یکے بعد دیگرے تین موذن اذان دیتے ہیں اور لاؤڈ سپیکر پر وہ آوازیں دور دور تک گونجتی ہیں اور ایسی دلسوز اور جاذب روح ہوتی ہیں کہ بس دل میں یہ چاہتا ہے کہ یہ آوازیں ہمیشہ کانوں میں سنائی دیتی رہیں۔ آمین۔ اور وہ لوگ بڑے خوش قسمت اور صاحب نصیب ہیں جنہیں مدینہ طیبہ میں قیام کی سعادت حاصل ہے۔ شیخین یعنی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے مزارات پر سلام پڑھنے کے بعد حضرت جبرائیلؑ کے مقام پر جو جنوب مغرب میں واقع ہے اور دیوار کے ساتھ ملحق ہے پر بھی سلام پیش کیا جاتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں حضرت جبرئیلؑ وحی لایا کرتے تھے۔ اس کے بعد مزار مبارک کے پائیں میں نفل ادا کرتے ہیں۔ مسجد نبویؐ کا ہر مقام نبی اکرمؐ کے چودہ سو برس قبل کے حالات و واقعات کو اس طرح پیش کرتا ہے جیسے یہاں آپؐ وفود سے ملاقات فرماتے تھے۔ فلاں جگہ صحابہ کبارؓ سے مشورہ کرتے تھے۔ فلاں جگہ تہجد ادا کرتے تھے۔ فلاں جگہ خطبہ دیتے تھے۔ فلاں جگہ فاطمہ الزہرۃ رضی اللہ عنہا سے اور فلاں جگہ حضرت عائشہ صدیقہؓ اور دیگر ازواج مطہرات سے محوِ سخن ہوتے تھے۔ فلاں جگہ مجاہدین کی تربیت اور جہاد کے لئے ضروری ہدایات دیتے تھے، وغیرہ وغیرہ۔ مختصر یہ کہ مسجد نبویؐ کی شان اعلیٰ وارفع کا اندازہ وہاں جائے بغیر اور وہاں کی خاک کے ہر ذرہ کی چمک دمک سے آنکھوں کو، دل کو اور دماغ و روح کو سرور اور تازگی پہنچائے بغیر نہیں لگایا جا سکتا۔

یہ وہ رستہ ہے کہ فردوس سے جا ملتا ہے

سید اسعد گیلانی

شاید چند منٹ بھی ٹیکسی نہ چلی تھی کہ وہ ایک بازار نما گلی میں آ کر ٹھہر گیا۔ ''یہ ہے مسجد نبویؐ'' اس نے سامنے شاندار عمارت کی طرف اشارہ کیا جس کے مینار اس کی شہادت کی تائید کر رہے تھے اور میرا بیگ میرے ہاتھ میں تھما کر وہ روانہ ہو گیا۔ میں حیرت زدہ غیر متوقع صورت حال سے دوچار اس گلی میں کھڑا تھا جس کے میں نے ہزاروں خواب دیکھے تھے۔ ''یا اللہ میں رسول اللہ کا مہمان ہوں۔'' میں نے دبے الفاظ میں کہا جسے صرف میں ہی سن سکتا تھا اور بیگ لے کر میں ایک سمت چل پڑا۔

چند قدم، شاید چند ہی قدم چلا تھا کہ دوبار پیچھے سے آواز آئی۔

''گیلانی صاحب، گیلانی صاحب''......اور میں نے مڑ کر پیچھے دیکھا۔

ایک نہایت شائستہ اور مہذب انسان جو تقریباً میری ہی عمر کا تھا۔ پینٹ بش شرٹ پہنے میری طرف چلا آ رہا تھا۔ اس نے اپنا تعارف کراتے ہوئے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

''میں ڈاکٹر اسمٰعیل ہوں۔ آپ شاید مجھے نہ جانتے ہوں، میں آپ کو جانتا ہوں۔ جھنگ کا رہنے والا ہوں، آپ جب جھنگ کے دورے پر آئے تو میں آپ کے اجتماع میں آیا کرتا تھا۔ ان دنوں مستشفیٰ میں ڈاکٹر ہوں اور اب ڈیوٹی پر جا رہا ہوں۔ آپ سامنے پاکستان ہاؤس میں چلئے اور نہا دھو کر تیاری کیجئے۔ میں ڈاکٹر نذیر صاحب کو بھیجتا ہوں جو ڈاکٹر محمد اسلام چغتائی کے داماد ہیں۔''

میں چند منٹ حیرت زدہ کھڑا رہا۔ مجھے اس شہر میں چند منٹ بھی تو اجنبیت اور ناواقفیت کی پریشانی سے دوچار نہ ہونا پڑا تھا۔

اور اب میں اس گلی میں آگے چل پڑا۔ اس سمت جدھر مسجد نبویؐ کا باب جبرئیلؑ تھا اور جدھر پاکستان ہاؤس ہونے کا اشارہ ڈاکٹر اسمٰعیل صاحب نے کیا تھا۔

یہ وہ گلی تھی، میرے خوابوں کی گلی، وہ گلی جو مسجد نبویؐ کی مشرقی دیوار کی سمت سے گزرتی

تھی اور حجرۂ نبویؐ کی طرف جاتی تھی۔ اس گلی کے پرشوقؑ اطراب میں، میں نے ایک طویل عمر گزاری تھی۔ میں نے خوابوں میں اس گلی کا تصور باندھا تھا۔ میں سوچتا تھا کہ جب واقعتاً میں اس گلی میں پہنچوں گا تو میرا کیا خیال ہوگا۔ میں دفورِ محبت سے دوڑ پڑوں گا۔ میں دفورِ ادب سے زمین میں گڑ جاؤں گا اور ایک قدم بھی نہ اٹھا سکوں گا۔ میں سسک سسک کر رونے لگوں گا۔ میں مسرت سے سب کچھ بھول جاؤں گا۔ میں اضطراب سے بے چین ہو جاؤں گا۔ جانے میں کیا کروں گا۔ کتنے ہی امکانات تھے جو میرے قلب ونظر کے تاثرات سے وابستہ تھے لیکن جب میں اس گلی میں پہنچا تو یہ کچھ بھی نہ ہوا، میں جیسے اپنے گھر میں آ گیا ہوں۔ اپنائیت میرے چاروں طرف محیط تھی۔ یگانگت میرے وجود پر چھائی ہوئی تھی۔ میرے ساتھ وہ کچھ بھی نہ گزرا جو ہمیشہ خوابوں میں گزرا کرتا تھا۔

میں اطمینان سے بیگ اٹھائے نہایت متانت، سنجیدگی، وقار اور دلجمعی سے ٹہلتا ٹہلتا سیدھا پاکستان ہاؤس کے دروازے پر چلا گیا۔ جہاں ایک سرخ ریش بزرگ نے میرا ستقبال کیا اور میرا بیگ لے جا کر ایک کمرے میں رکھ دیا اور مجھے بتایا کہ وہ پنجاب کیمبل پور کے رہنے والے تھے۔ مدت دراز سے مدینہ میں رہتے تھے۔ آنے والوں کو مسجد نبویؐ میں لے جانے اور اس سے متعارف کرانے میں مدد دیتے تھے اور یہ کام وہ کئی برسوں سے کر رہے تھے۔

"آپ پہلے غسل کر کے کپڑے بدل لیں، پھر میں آپ کو مسجد نبویؐ میں لے چلوں گا۔" انہوں نے مجھے ایک غسل خانہ دکھایا اور میں بیگ ان کے حوالے کر کے غسل خانہ میں چلا گیا۔ نئے کپڑے بدلنے کے بعد خوشبو لگا کر میں مسجد نبویؐ میں جانے کے لئے تیار ہو گیا تو وہ مجھے مسجد نبویؐ میں لے گئے۔ جب باب جبرئیلؑ کی طرف سے میں نے مسجد نبویؐ میں قدم رکھا تو مجھے محسوس ہوا کہ میں اپنی معروف اور مضطرب دنیا سے نکل کر کسی اور ہی دنیا میں آ گیا ہوں۔

مسجد میں داخل ہو کر ہم نے تحیۃ المسجد کے دو نوافل پڑھے اور پھر وہ بزرگ یکا یک مجھے مواجہ شریف کے روبرو لے گئے۔ حضور اکرمؐ کی کھڑکی کے روبرو۔ بخدا میں یوں یکا یک اس حاضری کے لئے ذہنی طور پر تیار نہ تھا۔ اس کے لئے جو حوصلے کی ضرورت تھی وہ مفقود تھا جس ذہنی تیاری کی ضرورت تھی وہ موجود نہ تھی۔ یکا یک یہ حاضری میرے اوپر اس طرح چھا

گئی کہ میں لرز گیا اور اندر ہی اندر کانپنے لگا۔ میں کھڑا تھا، ایوان نبوتؐ کی کھڑکی میرے سامنے کھلی تھی اور مجھے اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کی بھی ہمت و جرات نہ تھی۔ میں غیر معمولی دیر تک چپ چاپ کھڑا رہا۔ حسرت و یاس کی تصویر بنا ہوا، دل ہی دل میں درود و سلام پڑھتا ہوا میں پکڑ کر لائے گئے مغرور مجرم کی مانند بے حس و حرکت کھڑا رہا یہاں تک کہ میری وہ کیفیت خوف گزر گئی اور کیفیت مسرت و انبساط نمودار ہوئی۔ میں تو اپنے ہی نبیؐ کے حضور میں تھا۔ جو رحمۃ اللعالمین ہے، جو گنہگاروں کا والی ہے، جو خوف زدہ امتیوں کا خوف دور کرنے والا ہے، جو میرا اپنا پیارا محبوب آقا ہے، میرا اپنا ہادی اور بزرگ ہے، وہ میرا اپنا آقا ہے، یہ میرا اپنا گھر ہے، میں اپنے ہی گھر میں ہوں۔ ایک سکینت و اطمینان کی لہر میرے وجود میں دوڑ گئی اور میری کیفیت بدل گئی۔

کر دیئے اشک ندامت آستانے پر نثار

ڈاکٹر انور سدید

مدینہ میں داخل ہوتے ہی بس سے یہ صدا مشترکہ طور پر ابھری۔

السلام علیک یا رسول اللہ...... السلام علیک یا نبی اللہ...... السلام علیک یا سید الانبیاء و المرسلین...... السلام علیک یا قائد الخیر و فاتح البر و ہادی الامتہ...... اشھدان لا الہ الا اللہ و اشھدان محمدً عبدہ و رسولہ

''سلام ہو آپؐ پر اے رسول خدا...... اے امت کے ہادی آپؐ پر سلام ہو...... نیکی کے پیغمبر آپؐ پر سلام ہو...... آپؐ کے طیب و طاہر اہل بیت پر اور آپؐ کی آل پر سلام ہو۔''

اب عصر کا وقت قریب تھا۔ میں نے غسل کیا۔ نیا لباس پہنا۔ تھوڑی سی خوشبو لگائی۔ ''قومی ڈائجسٹ'' کے حج نمبر میں نذیر حق کا مضمون ''اپنے گھر سے اللہ کے گھر تک'' سے راہنمائی حاصل کرنے کی کوشش کی۔ حج نمبر بند کر کے رکھ دیا اور مسجد نبویؐ کے نو تعمیر حصے سے گزر کر اور دائیں طرف سے پوری مسجد کا طواف کر کے باب جبرئیلؑ کی طرف کشاں کشاں لپکتا چلا گیا۔ بائیں طرف روضہ مبارک تھا جس کی جالیوں کے قریب جانے کی اجازت نہیں تھی۔ میں نے بائیں طرف کے ہجوم میں کھڑے ہو کر سر نیاز جھکا دیا۔ زبان پر درود و صلوٰۃ جاری ہو گیا۔ اتنے میں ایک ریلا پیچھے سے آیا اور مجھے دھکیلتا ہوا اصحاب صفہ کے چبوترے کے قریب لے گیا۔ میں نے چلتے چلتے ان پاکبازوں کے لئے دعا فاتحہ پڑھی اور اپنے لئے ریاض الجنۃ میں جگہ تلاش کرنے لگا۔ شرطے محبان رسول کو آگے کی طرف دھکیل رہے تھے۔ جونہی ایک صف آگے بڑھی تو مجھے جگہ مل گئی اور میں نے نوافل کی نیت باندھ لی۔ اس وقت مجھے اپنی قسمت پر رشک آ رہا تھا۔ یہ وہی مقام تھا جسے حضورؐ نے جنت کے باغوں میں سے ایک قرار دیا ہے۔ یہاں نوافل پڑھنے سے ایک عجیب سی داخلی مسرت محسوس ہوتی ہے۔ دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے اور پھر بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل پڑتے ہیں۔ میں حیران تھا کہ میں تو حاضری دے رہا تھا لیکن میرا دل رو رہا تھا۔ میری آنکھوں سے

آنسو رواں تھے میں سسکیاں لے لے کر دعائیں کر رہا تھا۔ اپنے ملک کی سلامی کی دعائیں پاکستان کی بقا کی دعائیں۔ اپنے مرحوم والدین کی مغفرت کی دعائیں۔ عزیز و اقربا کی صحت و سلامی کی دعائیں۔ لاہور، سرگودھا، اسلام آباد، کراچی اور پشاور کے دوستوں کے لئے دعائیں، ایک فلم تھی جو میرے دل کے کیمرے پر چل رہی تھی اور میں نام لے لے کر دوستوں کی صحت، عزت اور رزق حلال کی فراوانی کے لئے دعائیں کر رہا تھا۔ سامنے منبر رسولؐ تھا اور وہی سات ستون جن کی سفیدی ان کا امتیازی نشان ہے اور ہر ستون کے ساتھ اسلامی تاریخ کا ایک اہم واقعہ منسلک ہے۔ یہ ستون اس کھجور کے درخت کی یادگار ہے جس کے قریب کھڑے ہو کر حضورؐ خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ ایک ستون کی جگہ نبی اکرمؐ وفود سے ملاقات کیا کرتے تھے۔ ایک ستون اس مقام پر ہے جہاں حضرت علیؓ نماز پڑھا کرتے تھے۔ میں نے ہر ستون کو اپنے ہاتھوں سے مس کیا اور اس تصور سے کہ یہاں رسول اکرمؐ کے قدوم پڑے ہوں گے، جسم و جان میں بجلی سی دوڑ گئی۔

مغرب کی نماز میں نے اسی جگہ ادا کی۔ اب ریلا آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ مجھے منبر رسولؐ کے سامنے نوافل ادا کرنے کی حسرت پوری کرنے کا موقعہ نہ مل سکا۔ نگاہ نظر اٹھا کر دیکھا تو میں روضہ رسولؐ کے سامنے کھڑا تھا۔ جالی میں لگے ہوئے سوراخ کے شیشے سے حضورؐ کا مزار مبارک نظر آیا۔ میں نے غلاف کے الفاظ پڑھے۔ نظر کو جمال رسولؐ کی تاب لانے کی مجال نہیں تھی۔ ایک گنہگار ہزاروں زائرین کے ہجوم میں مزار اقدس کے سامنے شرمسار کھڑا تھا اور رو رو کر سلام پیش کر رہا تھا۔ ذرا آگے دوسرے سوراخ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا، تیسرے سوراخ میں حضرت عمر خطابؓ کے چہرہ مبارک کا سامنا تھا لیکن اب میری ہچکی رک گئی تھی۔ آنسو تھم گئے تھے۔ جیسے دل پر لگا ہوا زنگ اتر گیا اور روح سبکبار ہو گئی۔ دروازے سے باہر نکلا۔ مسجد نبویؐ سے باہر نکلا تو جسم پھول کی طرح معطر اور لطیف محسوس ہو رہا تھا۔ میں کہہ رہا تھا۔

طمانیت مرے دل کو ہوئی نصیب تو یوں
کہ میرے سر پہ بھی دست رسول ہو جیسے

یہ ان کا کرم، ان کا کرم، ان کا کرم ہے

سید احمد حسین امجد حیدر آبادی

باب الرحمۃ سے ہوتے ہوئے مسجد نبویؐ میں حاضر ہوئے۔ نماز ادا کی۔۔۔۔ صاحب نے کہا۔ چلئے سلام کے لئے چلئے۔ وہ ہاتھ پکڑے اس طرح کھینچ رہے ہیں جیسے کوئی سپاہی کسی سنگین مجرم کو شاہی دربار میں لئے جاتا ہو، پاؤں من من بھاری ہوگیا ہے، نہ بھاگ سکتے ہیں نہ بڑھ سکتے ہیں۔ آنکھیں کھلی ہوئی ہیں مگر نظر کچھ نہیں آتا۔ دل دھک دھک کر رہا ہے۔ اسی طرح کشاں کشاں سر جھکائے، گردن ڈالے دونوں ہاتھ سنبھالے صفہ کے رخ سے پائین اقدس تک پہنچ کر پاؤں پھر رک گئے۔ اب تو قدم بالکل نہیں اٹھتا۔ سوچ رہا ہوں کہ مواجہ شریف میں کیا صورت لے کر جاؤں۔ یہ محسوس ہو رہا تھا کہ اب غش کھا کر گرا جاتا ہوں۔ طاقت دیدار رخصت ہو رہی ہے نہ دنیا کی خبر، نہ مافیہا کی۔

گم ہیں خرد و حواس عنقا کی طرح — دل ہوگیا صاف انکی کف پا کی طرح
گر نور خدا نہیں ہے جلوہ ان کا — پھر کیوں مجھے غش آگیا موسیٰ کی طرح

کل تک تو دل میں ہزاروں تمناؤں کا ہجوم لاکھوں آرزوؤں کا محشر تھا۔ آج ایک بات بھی تو یاد نہیں، نہیں معلوم بھول گیا یا بھلا دیا گیا۔

کیا کہہ سکیں کہ کہنے کی طاقت ہی چھن گئی — ہوش و حواس کھو گئے سب ان کے سامنے
کس کس طرح سے دید کی دل میں تھی آرزو — آنکھیں ہی بند ہوگئیں اب ان کے سامنے

یکا یک غیبی طاقت نے مدد فرمائی اور قرآن کریم کے آیات کریمہ یاد آئے۔ ان آیات قرآنی کے اثر سے جسم میں طاقت، دل میں توانائی آگئی، ڈرتے ڈرتے آنکھیں کھولیں، سنہری جالی پر نظر پڑی۔ جالی کے پردے میں کچھ حروف بنے ہوئے معلوم ہوئے۔ ان جملوں کی تاثیر اور جذب حقیقی نے مقدس جالی کے قریب تر کھینچ لیا۔ دل پر کسی نے ٹھنڈا ہاتھ رکھ دیا۔ خوف کا اثر دل سے بالکل زائل ہوگیا۔ خوف کی تاریکی میں امید نے پھر اپنی چاند سی صورت دکھائی۔ دریائے رحمت جوش و خروش کے ساتھ خفتگان بخت کو چھینٹے دے دے

کر جگا رہا ہے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا ہر طرف سے پیغام ہو لا رہی ہے۔ ہر جھونکے میں درود کی آواز آ رہی ہے۔ محمد رسول اللہ عرش بریں پر جانے والا۔ روحانیت کا شہنشاہ طالبان دید و دیدار کی تسکین کے لئے ...... وہ لاینام قلبی فرماتا ہوا، اب بھی اس مادی دنیا میں آرام فرما رہے ہیں۔ گوش شنوا میں بعد وفات زیارت زمانہ حیات کی ملاقات کی۔ آواز آ رہی ہے۔ عرب کا ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ معطی و انا القاسم کہہ کہہ کر عرب و عجم میں دولت رحمت تقسیم کر رہا ہے۔

بقعہ نور سے چھن چھن کر نکلنے والی نور کی کرنیں مشتاقان جمال کے دیدہ و دل کو پر نور کر رہی ہیں۔ جالی شریف کا ہر حلقہ صاحبان بصیرت کے حلقہ چشم سے ہم چشمی کر رہا ہے۔ جذبات کا حال کچھ یوں تھا۔

روضہ پاک کی تجلی ہے طور سینا ہے اپنے سینے میں
سفر حج کا ماحصل یہ ہے کعبہ والا ملا مدینے میں

میں اس کرم کے کہاں تھا قابل

اکبر علی گوندل

ہم مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ اسی راستے پر جا رہے ہیں جس راستے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور پیکر عشق و وفا صدیق اکبرؓ نے مکہ مکرمہ سے یثرب (مدینہ منورہ) ہجرت فرمائی۔ اس راستے کو "طریق الھجر ۃ" کہتے ہیں۔

حشر تک اوہ پاک راہواں سجدہ گاہواں ہوگیاں
جنہاں راہواں تو میرے آقا دا پھیرا ہوگیا

مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ساڑھے چار سو کلومیٹر بتایا جاتا ہے۔ طریق الھجر ۃ کے دونوں جانب پہاڑ ہیں۔ خوبصورت چمکدار رنگ کے پہاڑ۔ ریتیلے کھیت بھی ہیں۔

قبلہ و کعبہ حضرت صاحب راستے کے مناظر کو دیکھتے جاتے ہیں اور عشق و مستی میں بے ساختہ پڑھتے جاتے ہیں۔

ماہی میرے دا وطن عجیبہ واہ واہ زمیاں ریتڑیاں
سوہنے دیس پہاڑ ٹھکانے باغ کھجوراں کھیتڑیاں

راستے میں بس کسی خرابی کے باعث رکی تو آپ نیچے اتر کر ہواؤں، فضاؤں اور پہاڑوں پر قربان ہوتے جا رہے ہیں۔ ان راستوں کی خاک کا ذرہ ذرہ لائق زیارت ہے کیونکہ اس مٹی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کی خوشبو ہے۔

کف پا بہر زمینے چو رسد تو نازنیں را
بہ لب خیال بوسم ہمہ عمر آں زمیں را

(یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جس زمین پر آپؐ کے قدم مبارک لگے۔ میں ساری عمر اس زمیں کو خیال کے لبوں سے بوسے دیتا رہوں گا)

بس تھوڑی دیر کے بعد پھر جانب مدینہ چل پڑی اور دوپہر کے کھانے کیلئے دن ڈھلے ایک سفری ہوٹل پر رکی۔ کھانا بھی کھایا اور الحمد للہ نماز ظہر بھی ادا کی۔ نصف سے زیادہ فاصلہ

طے ہو گیا ہے۔ اب بس تیز رفتاری سے طیبہ کے قریب ہوتی جا رہی ہے۔ جیسے جیسے میرے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر قریب آتا جاتا ہے۔ محبت کی آگ تیز ہوتی جاتی ہے۔

منزل دوست چوں شود نزدیک
آتش شوق تیز تر گردد!!

یہ خوشگوار، معطر معطر ہوا بتا رہی ہے کہ مدینۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نزدیک ہے۔ لیجئے اب ہماری بس مدینہ منورہ میں داخل ہو چکی ہے۔ قبلہ حضور شمس الاولیاء کی نظر گنبد خضریٰ کی زیارت کیلئے بے قرار ہے۔ اب آپ بے ساختہ پکار اٹھے۔

طلع البدر علینا من ثنیت الوداع
وجب الشکر علینا ما دعا للہ داعی

اپنی نشست سے احتراماً کھڑے ہو ہو کر پڑھتے جاتے ہیں اور انگلی کے اشارے سے ہماری راہنمائی فرماتے جاتے ہیں کہ وہ دیکھو! گنبد خضریٰ ہے۔ گنبد خضریٰ کی زیارت سے آپ پر ایک وجد کی کیفیت طاری ہے۔ غلام حسین صاحب، شیخ عبدالرحمٰن صاحب، نور الٰہی اور یہ حقیر پر تقصیر۔ ہر ایک دیار گنبد خضریٰ سے مشرف ہو رہا ہے۔ یہ سعادت عظمیٰ رہبر کامل شمس الاولیاء حضرت محمد مطلوب الرسول صاحب (فنانی الرسول) مدظلہ العالی کے وسیلہ سے حاصل ہو رہی ہے۔ مجھ خطا کار کو قدمین شریفین میں حاضری سے نواز رہے ہیں۔

میں اس کرم کے کہاں تھا قابل حضورؐ کی بندہ پروری ہے

بحمد اللہ تعالیٰ بس مدینہ منورہ میں اپنے سٹاپ پر پہنچ گئی ہے۔ مسافر اتر رہے ہیں۔ سب باری باری اترتے گئے۔ یہ ناچیز پیچھے رہ گیا۔ مدینہ منورہ کی مقدس سرزمین پر قدم کیسے رکھوں۔ پاکیزہ ترین سرزمین پر یہ ناپاک قدم رکھنے سے ڈر لگتا ہے۔ اس نازک موقع پر اپنے شیخ کامل حضرت محمد مطلوب الرسول صاحب (فنانی الرسول) کی تربیت روحانی نے راہنمائی کی کہ

ادب سیتی بوسہ دے زمیں نوں

چنانچہ اللہ تعالیٰ عزوجل نے مدد فرمائی۔ بس کی کھڑکی سے اترتے ہوئے ہاتھوں کی ٹیک زمیں پر لگا کر گھٹنوں کے بل ہو کر شہر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک سرزمیں کو لبوں نے بوسہ دینا نصیب ہوا۔

حرم کی زمیں ہے قدم رکھ کے چلنا
ارے سر کا موقع ہے او جانے والے

(اعلیٰ حضرت احمد رضا خان)

ایک عربی نے دیکھا تو دوڑ کر آیا اور ہمدردی سے پوچھا۔ ''صدیق خیر؟''
جواب دیا۔ ''خیر''۔ وہ سمجھا تھا کہ شاید گر گیا ہے۔

کارواں کے سب ساتھی اپنا اپنا سامان اٹھائے قبلہ و کعبہ حضرت محمد مطلوب الرسول صاحب (فنائی الرسول) کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ ایک آدمی ہمارے ساتھ ہو لیا۔ کہنے لگا۔ '' کچھ سامان مجھے پکڑا دو۔ چلو میں تمہیں مکان دکھاتا ہوں۔ آؤ پسند کرو۔ بڑا سستا رہے گا۔'' آپ نے فرمایا ہمیں حرم نبویؐ کے قریب رہنا ہے لہٰذا اس سے معذرت کر لی اور حرم شریف کے قریب ''دارالمروہ'' میں دو کمرے پچاس ریال فی کمرہ روزانہ کے حساب سے کرائے پر لئے۔ ایک اپنے لئے اور دوسرا ہمارے لئے۔ پھر سامان رکھا، وضو کیا، شارع اباذرؓ پر واقع ہوٹل دارالمروہ سے نکل کر مسجد نبوی شریف کی طرف جا رہے ہیں۔ چار بج کر پینتیس منٹ ہو چکے ہیں۔ مسجد نبویؐ میں داخل ہونے سے پہلے حضرت صاحب نے ان ہدایات پر عمل کرنے کا حکم دیا۔

1- ادب و تعظیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے زیادہ خیال رکھیں۔ حد سے بڑھ کر ادب کریں۔ رحمۃ اللعالمین شفیع المذنبین خاتم النبیین نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس پر انتہائی ادب و احترام اور عجز و انکساری سے حاضری دیں۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ مے آید جنید و بایزید ایں جا

2- اپنی آوازوں کو پست رکھئے۔ یہ شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا در اقدس ہے۔ وقت حاضری کسی سے گفتگو مت کریں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہمہ تن متوجہ رہیے۔ آہستہ آواز میں صلوٰۃ و سلام پڑھئے۔

3- در رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دربانوں اور خادموں سے ہرگز نہ الجھئے۔ نہ جھگڑا کیجئے۔ نہ ضد کیجئے۔

4- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنا گناہوں اور جرموں کا جلدی سے اعتراف

بنئے اور معافی کے خواستگار بن جایئے۔ شفیع المذنبین ؐ کی نظر کرم سے معافی کی کوئی صورت پیدا ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جآؤک فلستغفر وا الله واستغفر لهم الرسول لوجد والله توابا رحيماo

حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز عصر ادا کرنے کے بعد کشتۂ عشق رسولؐ حضرت محمد مطلوب الرسول صاحب جن پہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا رنگ چڑھا کر شمس الاولیاء بنایا ہے، کارواں کو ساتھ لے کر روضۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب چل پڑے ہیں۔ ہر قدم پر وجود سمٹا جا رہا ہے، سہمے، پرنم اور جھکی آنکھوں کے ساتھ سراپا ادب بن کر خدمت اقدس میں حاضر ہونے کی سعادت حاصل کرنے والے ہیں۔

چو رسی بکوئے دلبر بسپار جان مضطر
کہ مباد بار دیگر نہ رسی بدیں تمنا

حاضری کے لمحوں کا منظر احاطہ تحریر میں لانا میرے بس کی بات نہیں۔

اس ایک لمحے کا احوال ہو سکے نہ بیاں
جب میرا مرشد جالیوں کے قریب ہوتا ہے

آج 7/دسمبر 1993ء اذان تہجد سن کر قبلہ حضرت محمد مطلوب الرسول صاحب (فنافی الرسول) اپنے مرید (راقم الحروف) کو ساتھ لئے قدمین شریفین میں حاضری کیلئے جا رہے ہیں۔ نماز تہجد اور نماز فجر قدمین شریفین کی طرف ادا کرنے کے بعد سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں آپ نے مراقبہ کیا ہے اور اس ناچیز کو بھی اپنے ساتھ بٹھایا ہوا ہے۔

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم صبح تیری مہربانی

مراقبہ سے اٹھنے کے بعد مواجہ شریف کے سامنے حاضری دی۔ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں دست بستہ صلوٰۃ وسلام پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ سیدنا صدیق اکبرؓ اور سیدنا فاروق اعظمؓ کے سامنے سلام پیش کیا۔

12/دسمبر تہجد کی نماز کے لئے اذان ہوئی تو آپ نے وضو کیا۔ مسجد نبوی شریف کی

طرف تشریف لے جا رہے ہیں۔ پیارے شہر مدینہ کی پیاری پیاری اور مہلی مہلی ہوا نے اس عاشق صادق کے دل کے تار چھیڑ دیئے ہیں۔ وارفتگی کے عالم میں پڑھتے جاتے ہیں اور روضہ اظہر کی طرف چلے جاتے ہیں۔

جب تجھے یاد کرلیا صبح مہک مہک اٹھی
جب تیرا نام لے لیا شام مچل مچل گئی

عاشقان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی **صبحیں** اور شامیں آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر پاک سے مہک پاتی ہیں۔

دارالمروہ اور مسجد نبوی شریف کے درمیان راستے میں قبلہ جان من شمس الاولیاء حضرت محمد مطلوب الرسول صاحب (فنائی الرسول) نے مجھ خطا کار کو فرمایا کہ یہ درود شریف پڑھا کر

صلی اللہ علی حبیبہ محمد و آلہ واصحابہ وسلم

اور یہ بھی

اللّٰھم صل علیٰ سیدنا محمد وعترتہ بعدد کل معلوم لک

صلوٰۃ التسبیح کی فضیلت بھی بیان فرمائی۔

قدمین شریفین میں حسب معمول حاضری نصیب ہوئی۔ دن 10 بجے سے نماز ظہر تک آپ ہر روز ریاض الجنۃ میں قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں۔ آج سہ پہر کے وقت سید عباس علی شاہ صاحب مسجد نبوی شریف کے گرد ونواح میں واقع مساجد کی زیارت کرا رہے ہیں۔ قبلہ و کعبہ حضرت صاحب نے اس پر تقصیر کو اپنی ہمراہی سے نوازا ہے۔ مسجد سیدنا علیؓ، مسجد سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور مسجد غمامہ کی زیارت کی۔ آپ نے فرمایا اس مقام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ..... پڑھائی اور جب دعا کے لئے دست اقدس اٹھائے تو اسی وقت بادل آگئے اور باران رحمت شروع ہوگئی تھی۔ سبحان اللہ العظیم! ان مساجد کی زیارت کے بعد پھر مسجد نبوی شریف میں آئے۔ نماز عصر کے بعد بادل گھر گھر کر گنبد خضرٰی کے مکیںؐ سے رحمت کی خیرات لینے کے لئے آ رہے ہیں۔ اس در سے کسی سوالی کو خالی اور محروم نہیں لوٹایا جاتا۔ کوئی سائل بن کر تو دیکھے۔ اللہ تعالیٰ عطا کرتا رہے گا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عطاؤں کو تقسیم کرتے رہیں گے۔

واللہ یعطی انما انا قاسم (الحدیث)

آقا صلی اللہ علیہ وسلم منگتوں کو عطا بھی فرماتے ہیں اور نگہداشت بھی فرماتے ہیں۔ جس پر نظر کرم فرمادیں پھر اس پر جود وسخا کے خزانے کھول دیتے ہیں اور اپنی کملی میں پناہ دیتے ہیں۔

یارسول اللہؐ! اپنی کالی کملی میں چھپا لیجئے۔

دیکھئے رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ادب سے جھک کر سلامی کرنے والے بادلوں کو رحمت کی خیرات عنایت فرمادی ہے۔ لیجئے باران رحمت شروع ہوگئی ہے۔ مدینۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں باران رحمت کا منظر کتنا قابل دید ہے! سبحان اللہ! اللہ کرے یہ منظر بار ہا نصیب ہو۔ آمین

خم اسی در پہ اپنی جبیں رہ گئی

حافظ افروغ حسن

جب ہماری گاڑی مدینہ منورہ سے باہر ایک چیکنگ پوسٹ پر رکی تو وہاں ہمارے پاسپورٹوں کی جانچ پڑتال ہوئی۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ ویگن اس شہر میں داخل ہو گئی جو میرے محبوب آقا و مولا کا شہر ہے۔ جہاں ہر وقت خدا کی رحمت نازل ہوتی رہتی ہے جہاں اہل ایمان کو سکون و اطمینان ملتا ہے جہاں کا ذرہ ذرہ اہل دل کے لئے جلوہ گاہ نور ہے۔ میں اپنی خوش بختی پر شاداں و فرحاں تھا۔

مدینے کا سفر ہے اور میں ہوں — نبیؐ کی رہگذر ہے اور میں ہوں
بہر سو جلوہ افروزی ہے ان کی — مری تشنہ نظر ہے اور میں ہوں
فرشتے بھی کھڑے ہیں دست بستہ — در خیر البشرؐ ہے اور میں ہوں
گناہوں کی سیاہی دھل رہی ہے — سر اشک چشم تر ہے اور میں ہوں

اسی خوش و فرحت کے روح پرور جذبات کے ساتھ شہر میں داخل ہوا۔ ادب، جو ایمان کی اصل روح ہے اس کی فرمانروائی میرے جسم اور روح پر مسلط ہو گئی۔ ہو بھی کیوں نہ یہ شہنشاہ کائنات کے لاڈلے اور پیارے کی بستی ہے۔ اس کا مسکن ہے۔ یہاں اونچی آواز سے بولنا اور بے توجہی سے قدم اٹھانا بھی بے ادبی ہے۔ ہماری ویگن جب مسجد نبویؐ کے قریب واقع اڈے پر پہنچی تو اس کے بلند میناروں سے عصر کی اذان کی آواز آ رہی تھی۔ یہ صدا قلب و روح میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے لطیف و حسین جذبات پیدا کر رہی تھی۔ یہ اذان زندگی میں ہر روز سنی تھی مگر آج اس صدا میں کچھ اور ہی سرور اور کچھ اور ہی نشاط کی کیفیت تھی۔ اس نورانی صدا کے مضراب نے روح کے ساز کے تاروں کو چھیڑ دیا تھا اور روح کے ساز سے نکلنے والا نغمہ اذان کی پرترنم صدا میں تحلیل ہو گیا تھا۔

ہم ویگن سے اتر کر اور اپنا سامان لے کر ٹیکسی کے ذریعے مسجد نبویؐ کے باب السلام

کے سامنے پہنچے۔ سامان ایک طرف رکھ کر تیزی سے مسجد میں داخل ہوئے۔ نماز عصر ادا کی۔ اس کے بعد روضہ نبویؐ پر حاضری دی۔ دھیمی آواز سے ادب کے تقاضوں کوملحوظ رکھتے ہوئے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام پیش کیا۔

السلام اے سرور کون و مکان　　السلام اے رحمت ہر دو جہاں
السلام اے رحمۃ للعالمین　　السلام اے صادق الوعد الامین
السلام اے دستگیر بیکساں　　السلام اے خاتم پیغمبراں
السلام اے غمگسار عاصیاں　　السلام اے مونس بے چارگاں
السلام اے شمع بزم کائنات　　السلام اے ساقی و آب حیات

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں سلام عقیدت پیش کر کے دل اور روح کو جو تسکین ملی، اس کے بیان کی انسان کے ایجاد کردہ الفاظ وفقرات میں نہ تاب ہے اور نہ ان میں اتنی وسعت روح محسوس کر رہی تھی کہ مجھ ناچیز کے سلام کا جواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ رحمت سے برابر آرہا ہے۔ کتنا کرم تھا ان کا اپنے گنہگار امتی پر! کتنی عنایت تھی ان کی اپنے خطار کار غلام پر! ان کی نظر محبت سے دل کو حوصلہ مل رہا ہے۔ نہایت ادب واحترام سے دل نے عرض کی۔

''حضور! آپ کا غلام آپؐ کے در پر حاضر ہے۔ نظر کرم کا متمنی وہ آپ کا نالائق مہمان ہے مگر بارگاہ ایزدی میں آپ کی شفاعت کا امیدوار ہے۔ آپؐ قاسم جودوعطا ہیں۔ اس لئے وہ بھی فیض ورحمت کا طلب گار ہے۔

کونین سے مستغنی سائل ہے ترے در کا
صدر شک شہنشاہی اس در کی گدائی ہے

نہ آئیں جا کے وہاں سے

ابو حمید انور

چند منٹ میں مسجد نبویؐ کی عظیم الشان اور نہایت خوبصورت عمارت سامنے تھی۔ دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ بسم اللہ کہہ کر قدم اندر رکھا تو وارفتگی سی طاری ہوئی۔ بادشاہوں کی داد و دہش سے کون واقف نہیں۔ یہاں تو شہنشاہ دو عالم کا دربار تھا۔ یہاں کے ادب و آداب تو انتہائی احتیاط کے متقاضی تھے۔ یہ ذمہ داری معلم نے سنبھالی اور عاشقان رسولؐ کو ساتھ لے کر حضور پر نورؐ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ وہ سلام پڑھانے لگا۔ کان اور زبان اس کی آواز پر لگے۔ نظر گوہر مقصود کی تلاش میں لگی۔ احساسات جو اب تک دل کی گہرائیوں میں دبے پڑے تھے۔ سسکیاں بن کر ابھر آئے لیکن اس ہیجان کے باوجود انہیں ضبط کرنا پڑا۔ مبادا آواز نکلے اور بے ادبی کا ارتکاب ہو جائے۔ معاملہ اس دربار میں حاضری کا تھا۔ جہاں شاہان ہفت اقلیم تک کے سر جھک جاتے ہیں۔

ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اس جا

جسم میں ایک کپکپی سی ہوئی۔ تھوڑی دیر کے لئے ذہن فکر سے اور دل جذبات سے خالی ہو گیا۔ شاید اسی لئے کہ در مصطفیٰ پر رسائی کی تمام دعائیں مستجاب ہو چکی تھیں اور عزیز ترین آرزو پوری ہو گئی تھی۔ پھر ایکا یک دل میں ایک اور لہر اٹھی۔ ایک بادل چھایا اور آنکھوں سے برسنے لگا۔ کہاں دربار محمدؐ کہاں یہ سراپا معصیت، سر شرم کے مارے جھک گیا مگر دوسرے ہی لمحے اس خیال سے سامان تسکین میسر آیا کہ

ہے جنس معاصی کا صلہ نقد شفاعت
زاہد سے رہا اچھا گنہگار محمدؐ

پھر اسی عالم کیف و انبساط میں آپؐ پر درود و سلام ختم کر کے سیدنا ابو بکرؓ و سیدنا عمرؓ پر سلام پڑھا۔ جو اسی مرکز تجلیات میں حضورؐ کے پہلو بہ پہلو آسودہ ہیں۔ ان کے بعد ملائکہ

المقربین سیدنا جبرئیل، سیدنا میکائیل، سیدنا اسرافیل اور سیدنا عزرائیل کو نذرانہ سلام پیش کر کے رکعتیں شکرانہ پڑھیں اور یوں پہلی حاضری کی تکمیل ہو جانے پر وہ سعادت نصیب ہوگئی۔ جس کے لئے لوگ عمر بھر ترستے رہتے ہیں۔ لیکن

یہ رتبہ عظم ملا جس کو مل گیا

رسم محبت کا تقاضا ہے کہ آخری لمحے تک محبوب سامنے رہے۔ دستور حرم بھی آخری دیدار کا موقع دیتا ہے۔ زائر کی کیفیت محتاج بیان نہیں۔ راقم گزشتہ ایام اس خوش یقینی پر نازاں رہا کہ اسی دنیا میں خدا اور رسول خدا کا تقرب حاصل ہو گیا۔ لیکن آخری عشرہ تو جنت میں بھی (بصورت ریاض الجنۃ) داخلہ ممکن ہو چکا تھا اور آج یہ خدشہ کہ خدا معلوم اگلی دنیا میں بھی ان نعمتوں کی نوازش ہوگی؟ زبان و دل اک دوسرے کا ساتھ دینے سے قاصر تھے۔ لبوں پر سلام وداع کے الفاظ دل میں آتش فراق شعلہ زن ضبط گریہ کا یارانہ ممکن نہیں رہا۔ آنکھوں سے جھڑی لگا دی...... اور اسی عالم میں ''الوداع یارسول اللہ، الفراق یا نبی اللہ'' کہتے ہوئے روضہ پرنور سے رخصت ہو جانا پڑا۔

خدا گواہ ہے کہ جتنا جی یہاں لگتا ہے مکہ میں بھی کم ہی لگتا ہے اور وطن کو واپسی کے قریب تو رہ رہ کر یہ دعا نکلتی ہے۔

مدینے جاؤں پھر آؤں دوبارہ پھر جاؤں
تمام عمر اسی میں تمام ہو جائے

افلاک کو جھکتے ہوئے دیکھا ہے نظر نے

ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی

نجم سحر آسمان پر چمک رہا تھا۔ ستاروں کی چمک، دل کا اجالا، افق پر صبح کے آثار۔ ان میں کوئی کشمکش نہ تھی...... یہ سب روشنیاں ایک ہوئی تھیں...... رات کی ظلمت سیماب پا چکی تھی اور آسماں سحر کے نور سے آئینہ پاش ہو چکا تھا۔ اس وقت گنبد خضریٰ نظر کے سامنے چمکا...... ہرے رنگ میں سارے رنگ اور سارے منظر جاگتے اور سوتے ہوئے۔ کتنے ہی ایسے منظر اور رنگ تخلیق مسلسل کے سانچے میں پگھلتے ہوئے جن کا کوئی نام دنیا کی کسی زبان میں نہیں۔ گنبد خضریٰ کی آغوش میں ایسا نور کہ قلب مسلماں جس کا ایک عکس ہے آسمان پر نجم سحر، مدینہ کی گلیوں میں وہ نسیم رقصاں کہ جس میں انفاس عشاق کی خوشبو، رنگ بن کر دکھائی دے رہی تھیں...... اور دل کی زمین میں آرزو کے پودے میں تمنا کے پھول کھلتے ہوئے...... میں اپنی ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے آسمان کو جھک کر گنبد خضریٰ کا بوسہ لیتے دیکھا۔ میں، جو عالم اصغر ہوں...... میں، جس کی نظر دل وجود کو چیر کر ماضی کو مستقبل کا ہمسایہ بنا دیتی ہے...... مگر میں، یہ سب کچھ ہوتے ہوئے اظہار پر قدرت نہیں رکھتا۔ خاص طور پر جب ان کا ذکر ہو جو میری پہچان ہیں...... میں لفظ بار کر دلوں اور ذہن کو فتح کرتا ہوں۔ میں نے الفاظ کی مسیحا نفسی دیکھی ہے جو گزرے ہوئے لمحوں کو بھی زندہ کر جاتے ہیں لیکن الفاظ اس منظر کی تاب نہیں لا سکتے۔ مگر میرا یہ گونگا سا شعر آپ سن ہی لیں۔ یہ مجھے صرف اس لئے عزیز ہے کہ جب دید کا غنچہ چٹکا تھا تو ہونٹوں پر اس کی مہک اس شعر کے قلب میں ڈھل گئی۔

افلاک کو جھکتے ہوئے دیکھا ہے نظر نے
ہے خواب کہ شاہ مدینہؐ میرے آگے

ہوٹل میں سامان رکھا اور وضو کر کے نیچے اترا تو اپنے آپ کو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو پایا۔ اب آئینے کے سامنے کھڑا تھا۔ اس آئینے میں میرے مقابل تمام داغ عیوب برہنہ تھے۔ اپنی زندگی کی ہر شکن میرے سامنے تھی۔ میری نگاہیں جھک گئیں۔ ہمت کر کے

پھر نگاہیں آئینے کی سمت اٹھائیں اس آئینے میں میرے سارے داغ موجود تھے اور داغوں کے درمیان میرا دل تھا...... سیاہ ...... ہوس لالہ رخاں سے داغ داغ..... مگر ان داغوں کے درمیان ایک روشن نقطہ تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ نقطہ بڑھتا گیا...... روشن تر ہوگیا۔ داغ مدہم پڑ گئے اور مجھے خود بخود معلوم ہوگیا کہ یہ عشق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ نقش ہے جو ہر مسلمان کی طرح میرے دل میں موجود ہے اور جسے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے آئینے نے مہر صفت بنا دیا...... اور آئینے میں ہر مہر صفت دل بلکہ مہر درخشاں کو اپنی آغوش میں لے لیا۔

اور پھر میں نے اپنے آپ کو مسجد نبویؐ کے صحن میں پایا...... میں جو آداب عشق سے ناواقف تھا اور جس نے یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نعرے لگائے تھے اور اس نام کے ساتھ جب بھی گریہ گلوگیر ہوا تھا تو میں نے ہمیشہ اپنی چیخیں ہی سنی تھیں۔ اس صبح اس بارگاہ میں جنید، بایزید کی روایات کا امین تھا۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ شاعری نہیں ہے بلکہ ایسی سچائی ہے جسے سب ہی مان لیں جیسے یہ سچائی کہ آدمی جنم جنم سے بہت پیاسا ہے جیسے دو اور دو چار ہوتے ہیں۔

نماز صبح سے فارغ ہوکر میں نے روضہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جانب قدم بڑھائے مگر میرے بیتے ہوئے شب و روز نے میرے قدم جکڑ لئے...... میں ''روضۃ من ریاض الجنۃ'' میں داخل ہوا اور میں نے تار نظر کو آنسوؤں کے موتیوں سے صاف کر کے تلاوت شروع کردی...... قرآن حکیم میں وہ مقام سامنے آیا جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رؤف و رحیم ہونے کا ذکر ہے ...... اور یوں صدیاں پل بھر میں سامنے سے گزر گئیں ...... اور ہر صدی اس کے رؤف و رحیم ہونے کی گواہی تھی یہ وہ ذات ہے جو کفار کے غم میں اپنے آپ کو ہلکان کرتی یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل ہے اور اس چاند کے گرد ستاروں کا حلقہ ہے اور کوئی اجنبی آتا ہے اور پوچھتا ہے کہ ''تم میں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں'' میں ریاض الجنۃ سے باہر نکلا اور اب میں روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خود نہیں بڑھ رہا تھا بلکہ میرے کاندھے پر ایک ہاتھ تھا ایک ہاتھ جو اس پوری کائنات پر آسمان کی طرح سایہ فگن ہے۔

پہلے دن نماز فجر کے بعد روضہ مبارک پر جو کچھ بیتی، وہ مجھے یاد نہیں اور اگر یاد بھی ہے تو

اس کا تعلق حرف و بیان کی دنیا سے نہیں۔ سامنا کس کا تھا؟ وہ جو قرآن کے حروف مقطعات کے نقاب میں چھپ کر بھی کس قدر نمایاں ہے؟ وہ جو اول ہے اور آخر بھی اور ازل سے ابد تک سارا مرحلہ اس کے لئے ایک سانس کی مسافت ہے۔

مصر کے بازار میں ایک بڑھیا سوت کی انٹی لے کر یوسف کی خریداری کے لئے نکلی تھی مگر میں نے تو ان لفظوں سے اپنے لئے طوق غلامی تیار کیا تھا۔ یہ لفظ نہیں بلکہ غلامی کا پٹا ہیں وہ پٹا جو کوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دربار کے گلے میں میثاق ازلی کی طرح چمک رہا ہے جس کا نام ابوالخیر ہے۔۔۔۔ مگر اس گھڑی میرا کوئی نام نہیں تھا۔۔۔۔ میں تو بس اس کوچے کی مٹی کا ایک ذرہ تھا۔۔۔۔ وہ ذرہ جو جوہر ہے۔۔۔ وہ جوہر جو اس آفاق کے پردوں سے گزر سکتا ہے۔

عصر کی نماز کا دامن نماز ظہر سے بندھ گیا۔ یہ پوری مدت حرم مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء میں گزری۔۔۔۔ گرمی کی وجہ سے درہ باز سپاہیوں کو نیند آئی تو میرے لب روضہ کی جالیوں پر تھے۔۔۔ میری آنکھیں بند تھیں اور ان بند آنکھوں پر آنسوؤں کی جھالروں کے پیچھے زمان و مکاں، یہ اور وہ سب دم بخود کھڑے تھے۔۔۔۔ صدیاں گزر گئیں حرم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاموشیوں کو، کوئی آواز مجروح کرنے کی جرات نہ کر سکی اور یہ خاموشی ایک مرکز تھی۔۔۔۔ اس مرکز کے گرد ایک دائرہ کھنچا ہوا تھا۔۔۔۔ یہ دائرہ آوازوں سے معمور تھا۔۔۔ درود و سلام کی آوازیں۔ جو صدیوں سے حرم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضاؤں میں طواف کر رہی ہیں۔۔۔۔ آوازیں تو ہماری طرح مجبور نہیں۔۔۔ آوازیں تو فضا کا حصہ بن کر جاودانیت کا لبادہ پہننے کے بعد تکلفات شرعیہ سے بلند تر ہو جاتی ہیں۔ وہ تو رقص عاشقانہ اور طواف مستانہ کر سکتی ہیں۔

حضورؐ! ''عاشقانہ'' اور ''مستانہ'' کے ٹکڑوں کے لئے مجھے معاف کر دیجئے۔ میں بے نوا ہوں۔۔ ہاں جانتا ہوں کہ آپؐ نے ابوبکرؓ کو دیکھا تو وہ صدیق ہو گئے۔ عمرؓ پر نظر پڑی تو وہ فاروقیت کے مرتبہ پر فائز ہو گئے۔ عثمانؓ آپؐ کی بزم میں آئے تو ہوا یہ کہ ہر دو جہاں سے بے نیاز اس کا دل غنی، علیؓ آپؐ کے سینے سے لگے تو ''باب العلم'' ہو گئے۔۔۔ سرکار! عاشقانہ اور مستانہ کے لفظوں پر اپنی۔۔۔ ل دیجئے تو یہ لفظ ستارے بن جائیں گے۔

میرے سینے سے بھی ایک نوا بلند ہوئی جو ان کی نسبت سے نوائے سینہ تاب بن گئی اور جاوداں آوازوں کے حلقہ میں شامل ہو گئی جو مرکز عشق کے گرد کھنچا ہے۔ صدیوں بعد کوئی آئے گا اور میری آواز اس کے ہونٹوں سے ابھرے گی اور اس کی آنکھوں سے ٹپکے گی۔

نہ آرزو میں سکت ہے نہ عشق میں دم ہے

بلقیس ریاض

کچھ روز مکہ معظمہ میں قیام کرنے کے بعد ہم لوگ مدینہ منورہ کیلئے روانہ ہوگئے۔ دل میں سچی لگن اور زبان پر درود شریف کا ورد تھا۔ گاڑی میں بیٹھے سبھی افراد عقیدت سے خاموش تھے۔

''بی بی جی ہم مدینہ منورہ پہنچ گئے ہیں۔'' ریاض نے اپنی ماں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''سبحان اللہ۔'' وہ سڑک کے دونوں طرف عمارات دیکھ کر بولیں..... میری بہن اور بہنوئی جو کہ پہلی مرتبہ آئے تھے، ان کا تجسس بڑھ رہا تھا...... پھر اچانک نہ جانے کیا ہوا کہ میری آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے...... اور بے یقینی سے میں نے چاروں طرف دیکھا تو واقعی ہم مدینہ شریف میں داخل ہو چکے تھے۔

جی کرنے لگا کہ کاش ہم ان کے دور میں پیدا ہوئے ہوتے تو روز ان کی زیارت کرتے یا...... اور ان کی باتیں سنتے...... اپنے بچوں کو ملواتے طرح طرح کی خواہشات دل سے اٹھ رہی تھیں...... چائے کی پیالی میرے ہاتھ میں ٹھنڈی ہو چکی تھی...... اور میری سوچوں کا دائرہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

''اگر رسول کریمؐ سامنے آجائیں تو......'' ایک دم سے میرا سارا وجود لرز گیا..... ٹھنڈے پسینے آنے شروع ہو گئے...... پھر نہ جانے آنکھوں کے گوشے کیوں بھیگنے لگے...... بچپناں ایک دم کود آیا اور جی مچلنے لگا...... کاش...... دیدار ہو جائے...... اس ضدی بچے کو تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

''تو بہت ہی گنہگار ہے...... اتنی بڑی بات کی تمنا کر بیٹھا ہے۔ پہلے اپنے اندر صلاحیت تو پیدا کر...... کاش خدا ہمیں بخش دے۔ ہماری توبہ منظور کرلے۔ میں سوچوں کے بھنور میں پھنسی، چاند کو چھونے کی کوشش کر رہی تھی۔ چاند مسکرا رہا تھا۔ اس کی روشنی سے سارا جگ

منور تھا۔"

ہم دونوں آہستہ آہستہ چلنے لگیں۔ جب ہم مسجد میں داخل ہوئیں تو لوگ نماز کے لئے نیت باندھ چکے تھے۔

ہم پچھلی صفوں میں نماز کے لئے کھڑی ہوگئیں۔ نماز کے دوران نور کی بارش مسلسل جاری تھی اور اس انوار کی بارش سے ذرہ ذرہ منور ہو رہا تھا۔ نماز ادا کرنے کے بعد میری ساس نے خواہش ظاہر کی کہ رسول کریمؐ کے روضہ مبارک کی زیارت کی جائے۔ میں ان کے ساتھ روضہ مبارک میں داخل ہوئی۔ لوگوں کا ہجوم اس قدر تھا کہ سانس لینا بھی دشوار ہو رہا تھا۔ چار و ناچار ایک ستون کے ساتھ ہمیں تھوڑی سی جگہ مل گئی اور ہم دونوں نے وہاں نفل پڑھنے کی نیت باندھ لی۔

نفل ادا کرنے کے بعد میں نے پیچھے گھوم کر اپنی ساس کو دیکھا جو روضہ شریف کے قریب کھڑے ہو کر دعا مانگ رہی تھیں۔ میں بھی دعا مانگنے لگی۔ میری آنکھوں سے آنسو جاری تھے...... اور سوچ رہی تھی کہ یہ وہی روضہ مبارک ہے جس کے لئے لوگ ترستے ہیں کہ کسی طرح وہاں پہنچ کر زیارت کی جائے اور میں اپنی خوش نصیبی پر آنسو بہا رہی تھی...... عجیب قسم کی کیفیت میرے دل میں موجزن تھی۔

بچے جذبات کا تلاطم برپا تھا...... پورا وجود لرز سا رہا تھا اور بہت رونے کو جی چاہ رہا تھا ...اشکوں کا طوفان کہیں سے امڈ آیا تھا۔

کیف حضوری! اللہ اکبر

بشریٰ اعجاز

سبز گنبد ابدیت سمیت اپنی عظمت سمیت، نظروں کے سامنے تھا۔ ہر طرف خاموشی، باادب نظریں، پانی پانی جسم، کانپتا لرزتا دل، بے حس و حرکت وجود، یہ زندگی کا کیسا روپ تھا جو زندگی ہی سے بے خبر کر گیا تھا۔ ہر طرف نور کا سیلاب تھا۔ روشنیوں کا اک جہاں تھا۔ میں کن روشنیوں اور نور کے مرکز پر پہنچ کر ٹھہر گئی تھی کہ دنیا کے تمام رنگ ماند پڑ گئے تھے۔ گنبد خضریٰ، نگاہوں میں، دل میں، زمینوں، آسمانوں میں، روح میں، بدن میں، احساس میں، دھڑکنوں میں، خیالوں اور سوچوں میں، تقدیر میں، تدبیر میں، آس میں، امید میں، ہر طرف ہر سمت، ہر جگہ، ایک ہی جلوہ، ایک ہی منزل، ایک ہی رنگ تمام رنگوں میں ڈھل گیا تھا۔ میں چکراتے سر کے ساتھ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی تھی۔ شاید اس وقت تقدیریں بھی اپنی سربلندی پر نازاں تھیں۔ دل آنکھوں کو چپکے سے کہہ رہا تھا۔ بہت بھٹک لیا۔ بہت خوار ہو لیا۔ اب اور سکت نہیں اور ہمت نہیں ہے۔ سنبھال لو۔ حفاظت سے احتیاط سے جلووں کے ان نازک آبگینوں کو۔ یہ بہت انمول ہیں، جان کے مول بھی سستے ہیں۔ بس ہمیں چھوڑ کر کب کی جا چکی تھی ہم سب اپنے اپنے جذبوں کی دنیا میں تیرتے ہلکورے لیتے، سکھ کے کس ساگر میں اتر گئے تھے کہ خبر نہ ہوئی۔ کتنا وقت گزر گیا۔ ہماری خود فراموشی کے سحر کو پاس سے گزرنے والے حجاج کے گروپ نے توڑا جو زور زور سے بولتے ہوئے قریب سے گزرا۔ انہیں دیکھ کر ہمیں بھی احساس ہوا کہ چلنا چاہیے اور اپنے سامان کو سنبھالتے ہم چل دیئے۔ سب پہلے وضو سے فارغ ہوئے اور پھر ہم مسجد نبویؐ کے سامنے جا پہنچے۔ ہجوم کے قریب پہنچ کر قدم رک گئے۔ گمان کے پھولوں بھرے راستوں پر چلتے چلتے حقیقتوں کے امتحان درپیش ہوئے تو جان کی کمزوری نے آن گھیرا۔ میں چپ چاپ وہاں شاید کسی معجزے کی آس میں کھڑی تھی کہ اچانک ایک ادھیڑ عمر آدمی عبا میں ملبوس سر پر سفید عمامہ ہاتھ میں تسبیح چہرے پر سیاہ و سفید ملی جلی داڑھی، میرے پاس آکر ٹھہر گیا۔ ''حج زیارت'' یہ دو لفظ

میرے پلے پڑے۔ میری آنکھیں چھلک پڑیں۔ لفظ خاموش ہو گئے مگر سر ہاں میں ہل گیا۔ آہ، وہ تھا تو عربی مگر اردو سے شاید واقف تھا۔ اس لمحے میں نے اللہ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی بھیجی ہوئی غیبی امداد کو تھام لیا جو اس لمحے میرے لئے خضر راہ تھی وہ سمندر کی بپھرتی مچلتی لہروں کی تندی کو اپنے بازوؤں سے کاٹتا، مجھے گھسیٹتا اندر داخل ہو گیا۔ اندر پہنچ کر وہ میرے آگے لگ گیا۔ میں نے اس کے کندھوں کو مضبوطی سے تھام لیا۔ اس اللہ کے بندے نے مجھے قدم قدم اس بے بہا بھیڑ سے اس طرح نکالا جیسے کوئی مشکل ہی نہ ہو۔ ہم بڑھتے رہے۔ ریاض الجنۃ۔ اس نے مجھے زمیں کے اس ٹکڑے کے بارے میں بتایا جسے جنت کے باغوں کی کیاری کہا جاتا ہے۔ "حج نفل" دو لفظ کتنے چھوٹے کتنے بامعنی۔ اشارے سے اس نے مجھے نفل پڑھنے کیلئے جگہ بتائی۔ نہیں، میرا ڈولتا سر ہل گیا۔ پتہ نہیں اس لمحے مجھے کیا ہو گیا تھا۔ نفل پڑھنے کو قطعاً دل نہ کر رہا تھا۔ اک آگ تھی، درد کی شدت تھی۔ ملن کی تڑپ تھی۔ محبوب کے قریب پہنچ کر اس سے لحہ بھر کی دوری بھی گراں گزر رہی تھی۔ میری ہمت ٹوٹ رہی تھی۔ اندر سے کوئی آواز مجھے بار بار تنبیہ کر رہی تھی۔ رکنا مت، ٹھہرنا مت، ٹھہرو گی تو منزل کو کبھی نہ پا سکو گی۔ ان لمحوں کے جھومر کو اپنے نصیبوں کے ماتھے پر سجا لو ہمیشہ کیلئے۔ اگر یہ ہاتھ سے نکل گئے تو تمام عمر ترستی رہ جاؤ گی اور خدا گواہ ہے میرا دل اس وقت ریاض الجنۃ میں نوافل ادا کرنے پر آمادہ ہی نہ تھا۔ ریاض الجنۃ میں نوافل ادا کرنا جیسا کہ ارشاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے، یوں ہے جیسے جنت میں نوافل پڑھنا اور جس نے وہاں نفل پڑھ لئے وہ جنت کا مستحق ہو گیا۔ ان سب ارشادات سے باخبر تھی میں مگر اس جنت کا یا اس کا تصور بھی میرے پاس کہیں نہ تھا کیونکہ ساری بات تو نسبت کی ہے۔ یہ تو اپنے اپنے ظرف، اپنے اپنے تعلق کی بات ہے۔ اس وقت وہ جنت جو بعد از مرگ ملنے والی شے ہے۔ فضول لگ رہی تھی میرے روگ شاید آسانی جنت کے دوا کے طلب گار نہ تھے۔ وہ تو اس حقیقی جنت کے متلاشی تھے جو روضے کی جالیوں میں پوشیدہ تھی۔ جو زمین پر محمدؐ کے نام کی صورت میرے پاس تھی۔ میں اتنی نزدیکی وحقیقی جنت کو چھوڑ کر بعد از مرگ ملنے والی جنت کی تمنا کیسے کرتی۔ مجھ پر اس لمحے قربتوں کی راہوں میں ملنے والی دوریوں کا ایک پل بھی گراں گزر رہا تھا۔ میری جنت اور میرے درمیان بہت کم فاصلہ رہ گیا تھا کہ درمیان میں اچانک رکاوٹوں کی ایک دیوار آن کھڑی ہوئی۔ ہمارے سامنے رکاوٹوں کی دیوار بنا روضہ

اقدس کا دربان کھڑا تھا اور ہمیں واپس جانے کا کہہ رہا تھا، اس کے جواب میں میرا راہنما بھی کچھ کہہ رہا تھا مگر وہ مسلسل انکار کر رہا تھا اور میرا راہنما اصرار، ان کی اس تکرار کے درمیان میرا حال اس خطا کار کا سا تھا جو بازیگری کی مقدرت رکھتا ہو نہ ساحری کی۔ بے عذر، بے زبان، خطا کار، اپنے عشق کا مارا، اپنے درد کا جلا، اپنی بدنصیبی پر مجھے خود ہی ترس آرہا تھا جس جنت حقیقی کے لئے آسمانی جنت ٹھکرائی۔ وہی ہنوز دور تھی۔ اپنا تو وہی حال تھا کہ نہ ادھر کی رہی نہ ادھر کی۔ کیا کروں عجب بے بسی کا عالم تھا۔ میں سر جھکائے گردن ڈالے کھڑی تھی کہ میرے راہبر نے اس روکنے والے کا ہاتھ جھٹک کر پرے کیا اور مجھے لے کر آگے بڑھ گیا۔ میں لرزتی کانپتی اندر داخل ہوگئی۔ اندر پہنچ کر میرے قدم جیسے جام ہوگئے۔ میرا راہبر مجھے آگے لے جانے کی کوشش کرتا اور میں رکنے کی سعی کرتی۔ وہ جگہ وہ مقام جہاں میرا غلط کار وجود آکر ٹھہر گیا تھا۔ میری امید، میرے ظرف کے جہانوں سے بڑھ کر تھا۔ میں جسے چراغ زیست لئے کھوجتی رہی، پل پل وہ سورج لحہ میری دسترس میں تھا۔ میں اپنے بے قرار ہاتھوں سے اپنے سوختہ تن کو ٹٹول کر خود کو یقین دلانے کی سعی کر رہی تھی کہ میں عالم خواب میں نہیں، عالم حقیقت میں ہوں۔ قریہ جاں میں وصل کی بہار مسکا رہی تھی۔ میں لمحات وصال میں اپنے موم موم جسم کے ساتھ پگھلتی جارہی تھی۔ وصل تو آگیا۔ بہاروں کا میلو تو چھا گیا مگر تن کی نگری میں سکتہ کیوں طاری ہوگیا۔ لب گونگے کیوں ہوگئے۔ قدم بھاری کیوں ہوگئے۔ چلنے کی ہمت کیوں ٹوٹ گئی۔ میری خاموشی اور ٹھہراؤ نے میرے راہبر کو پریشان کر ڈالا۔ ''حج زیارت'' چلو۔ تنگ آکر اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر چلانے کی کوشش کی، میں گھسٹ پڑی۔ اسلام علیکم یا رسول عربی یا محمد رسول اللہ اس کے لہجے کے سوز میں شاید میرے آنسوؤں کی نمی بھی شامل ہوگئی تھی۔ گھٹتی چیخوں کو دباتی۔ ملن کی شدتوں سے نبرد آزما ہوتی، میں ٹوٹ رہی تھی اپنے مسیحا کے پاس پہنچ کر گزرے ہوئے شب و روز کے صدمات اپنے دریدہ تن کے ساتھ جاگ اٹھے تھے۔ تار تار دامن ہستی جہاں کی ستم آرائیوں کے درد لئے حاضر تھا۔ ناامیدیوں کی داستانیں، ہجر کے فسانے، الم کی روداد یں، پل پل ہارنے کے قصے، پل پل جینے اور مرنے کی وارداتیں، لب گونگے تھے مگر جسم کا ہر ہر عضو وقت کی بے وفائیوں کی گواہی دے رہا تھا۔ وقت جو عمر بھر آنکھ مچولی کھیلنے کے بعد آخر ہار گیا تھا۔ مگر اس ہارنے وجود کے اندر بہت سے زخموں کے پھول کھلا دیئے تھے اور مسیحا کے

سائے پہنچ کر وہ سارے پھول بہار دکھا رہے تھے۔ سرخ سرخ خون دل کی لالی سے رنگے ہوئے پھول، محبوب کے وصل کی جوت سے مسکرا رہے تھے۔ وصل جو ہجر کی کالی راتوں اور پھیکے دنوں کے بعد نصیب ہوا تھا۔ وصل جس کی امید زندگی کی علامت تھی۔ وصل جس کی آس پر لمحوں کا عذاب کئے تھے۔ وصل جو تمنائے زیست بن گیا تھا۔ وہی وصل انعام وصل تن من نے پالیا تھا مگر وہ سارے ستم سارے عذاب اس لمحے بول رہے تھے۔ در محبوب پر پہنچ کر ساری ہمتیں ٹوٹ گئیں تھیں۔ اب اور طاقت نہیں ہے مجھ میں۔ میرے محبوب اور جدائیاں سہنے کی ہمت نہیں ہے۔ مجھے پناہ چاہئے۔ مجھے امان چاہئے۔ ہر طرف خاموشی ہر طرف سکوت طاری تھا۔ آقا کا دربار عالی تھا۔ فریادن فریاد پیش کر رہ تھی۔ دنیا کی جلتی دوزخ کے چھالے دکھا رہی تھی۔ روح کے زخم دکھا رہی تھی۔ اپنے ہی پانیوں میں غرق ہو رہی تھی۔ مجھے کچھ نہیں چاہئے اے مالک کون و مکاں فقط آپ کے در کی غلامی چاہئے۔ فقط مدینہ کی خاک چاہئے مہر کی نظر چاہئے۔ فقط آپؐ کے در کی گدائی چاہئے۔ مجھے ہجر کے اندھیرے نہیں چاہئیں۔ مجھے وصل کے سویرے بخش دیجئے۔ فقط کرم کی نظر چاہئے۔ آج ٹوٹے پھوٹے تن کے ساتھ حاضر ہوں مجھے پناہ دیجئے گونگے لبوں پر حرف تمنا تو خیر کیا ہوتے وہاں تو ہجر کے چھالوں کی دنیا آباد تھی۔ جنہیں وصل کا مرہم سکون سے آشنا کر رہا تھا۔ جدائیوں کی خراشیں ملن کی شفا سے مٹنے لگی تھیں۔ خوش ہوا ے دل کہ اندھیروں کی ردا چاک ہوئی۔ خوش ہوا ے دل کہ ملن کی راہ استوار ہوئی۔ دامن دل جو فراق کے صدمات سے پھٹنے کو تھا۔ اسے نوید ہو کہ وصل نے اسے سرفراز دیا۔ جھکی جھکی نظریں اٹھنے کی ہمت نہیں پاتی تھیں۔ سر در محبوب کو سلامی دے رہا تھا۔ وجود خود سے آشنا ہو چکا تھا۔ نجانے وہ کیا کیفیت تھی کہ اب تک اسے بیان کرنے کے لئے لفظ نہیں مل سکے۔ لفظوں کی دنیا میں جیسے کال پڑ گیا ہو۔ پھر سوچتی ہوں کہ الفاظ کی قسمت میں اتنی رسائی کہاں کہ وہ اس کیفیت تک پہنچ سکیں۔ وہ کیفیت جو شاید اظہار کا روپ دھار ہی نہیں سکتی تھی۔ وہ صرف اور صرف محسوس کرنے کی کیفیت۔ وہ ماضی و حال اور مستقبل کے زمانوں سے ہٹ کر لافانی زمانوں میں کھو جانے والی کیفیت۔ اس کیفیت کا کوئی نام نہیں۔ کوئی پہچان نہیں۔ مگر وہ زندگی کی سب سے بڑی سچائی ہے۔ اس کیفیت نے یوں جکڑا کہ میں آس پاس سے قطعی بے خبر ہو گئی۔ وصل کے رنگین لمحوں میں یوں رنگی کہ زیست کے تمام رنگ پھیکے پڑ گئے۔ زندگی، زندگی سے یوں

گلے ملی کہ تمام جسم و روح کی تھکن مٹنے لگی، تن کے سب آلام فنا ہونے لگے۔ اجالوں کی بارات اتر آئی تن من میں۔ ''حج زیارت'' کسی نے مجھے پکارا میں نے جھکی ہوئی آنکھیں اٹھائیں۔ میرا راہبر مجھے چلنے کو کہہ رہا تھا۔ زیارت سیدی ابوبکر صدیقؓ میں سحر زدہ سی اس کے ساتھ چل دی۔ السلام علیک یا سیدی ابوبکر صدیقؓ اس کے لفظوں کو دہراتی اس کے ساتھ اس کا ہاتھ تھامے اس چھوٹے سے بچے کی طرح چل رہی تھی جو بھیڑ میں گم ہو جانے کے خوف سے ماں کا دامن نہ چھوڑ رہا ہو۔ السلام علیک یا سیدی عمر بن الخطابؓ جھکی نظریں مزید جھک گئیں۔ وہ دربار عالی مقام اور اس کی شان معصیتوں کے غبار اور جلوہ آفتاب۔ ذہن سے تاریکیاں چھٹ رہی تھیں۔ جلوؤں کی سرچ لائٹ نے میرے اندر باہر چکا چوند روشنی پیدا کر دی تھی۔ میں چمک رہی تھی۔ روشنی میں نہا رہی تھی۔ اس بے پناہ روشنی نے آنکھوں میں پانی سا بھر دیا تھا۔ اندھیروں کی عادی نگاہیں بھلا اس چکا چوند سے پہلے کب واقف تھیں۔ اندھوں کی طرح اپنے راہبر کا ہاتھ تھامے چل رہی تھی۔ حاضری مکمل ہو گئی۔ درود و سلام [illegible] گئے۔ جسم و جان کے نذرانے پیش کرنے کی جسارت تو خیر کہاں سے آتی مگر جسم و جان کو فنا کر دینے والی خواہشوں کی تندی کچھ اور بڑھ گئی۔ میرا راہنما میرا ہاتھ پکڑے پکڑے مجھے چوکھٹ محبوب تک لایا۔ ''حج زیارت'' ختم جاؤ۔ اس نے دروازے کی جانب اشارہ کیا پھر جیسے مجھے ہوش آگیا۔ میں نے اس غیبی فرشتے کو غور سے دیکھا جو خضر راہ تھا۔ میرے اس طرح دیکھنے سے اک ہلکی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر آئی۔ زیارت ختم۔ اس فرشتے کے لئے میرے دل میں احترام و تشکر کے جذبے پیدا ہو رہے تھے۔

نسیما جانب بطحا گذر کن

بشریٰ رحمٰن

اس تمنا میں جی رہی ہوں وہ صبح آئے وہ شام آئے
بلائیں مجھ کو شہ دو عالمؐ میرا کنیزوں میں نام آئے

وہ خوبصورت دل نواز شام آگئی ہے یہ جہاز مدینہ منورہ کی طرف لے جاتا ہے۔ سفر طویل نہیں ہے مگر شوق نے آگ لگا رکھی ہے۔ افطاری جہاز میں ہی ہوگئی۔ روزہ کھولنے کا منظر بھی کتنا دلآویز ہوتا ہے۔

مسافر جہاز کی سیڑھیوں کو جلدی جلدی طے کر کے نیچے آئے تو انہیں مسجد نبویؐ میں جانے کی جلدی تھی۔ عشاء کی نماز سے پہلے پہنچنا چاہتے تھے مگر ٹیکسی لینے اور پھر سفری آداب طے کرنے میں دیر ہو ہی گئی۔ وہاں پہنچے تو جماعت کھڑی ہو چکی تھی۔

بھکارن کا دل تسبیح کے دانوں کی طرح ہل رہا ہے۔

دھیرے دھیرے روشنیوں کی زمین پر قدم رکھ رہی ہے۔ مسجد کے چمکیلے میناروں کو نظر اٹھا کر سلام کیا تو ان کا جلال اور جمال رگ و جاں میں اترتا چلا گیا۔ ایسا نورانی بسیرا، بولتی، مسکراتی مسجد، مسجدِ نبویؐ کے گنبد دیکھتے ہی کوئی دعا مانگنا تھی، کوئی آہ دل سے نکالنا تھی۔ لیکن اتنی خوبصورت رات کی جھولی میں سر رکھ کر بھکارن پھر ریزہ ریزہ ہونے لگی۔ گم صم ہوگئی۔ دعائیں تو یہاں بھی ساتھ لی تھی۔

ہوں سیاہ کار مرے عیب کھلے جاتے ہیں
کملی والے مجھے کملی میں چھپا لے آجا

جب کسی بڑی محترم اور عزیز ہستی سے ملنے جاتے ہیں تو کوئی تحفہ لے کے جاتے ہیں کوئی ہدیہ جذبات کا آئینہ بنا کے پیش کرتے ہیں۔

"کیا تیرے پاس اس گھڑی کچھ ہے؟ گزری عمر کی صندوقچی میں ذرا ہاتھ ڈال کے ٹٹول۔ کیا کوئی شے بچ گئی ہے جس پر گناہ کی گرد نہ پڑی ہو۔ آنکھ، کان، ناک، زبان، دل،

احساس سب داغ داغ۔ سب میلے کچیلے، میلے دامن میں تو عقیدت کے پھول بھی نہیں لگتے۔ یوں کر، آج اپنے تن کے ٹکڑے بنا، ان پر آنسوؤں کا عرق ڈال، صلی اللہ کا ورد کر اور پھر انہیں یہاں چوک میں، جہاں تو کھڑی ہے، بچھا دے۔"

یہ چمکیلی سڑک کہکشاں کی طرح بچھی ہے۔ ذرہ ذرہ اجالے میں نہایا ہے۔ گلیاں روشن ہیں۔ بازار ہنس رہے ہیں۔ مسجد نبویؐ کے بلند و بالا عظیم اور پرسکون ستون یوں نظر آرہے ہیں جیسے کسی عظیم المرتبت شہنشاہ کے آگے اس کے محافظ کھڑے ہوں۔ چوک میں کھڑے ہو کر بھکارن نے مکمل نظارہ کیا تو اس کی سانس گلے میں اٹکنے لگی۔ ایسے یاور نصیب ہیں کہ آج در حضورؐ پر آپہنچی اس کی نگاہ سامنے گنبد خضریٰ پر گئی تو پھر پلٹ کر نہیں آئی۔ اسی پر قربان ہوگئی۔

کیا مانگنا تھا؟ ہوش نہیں رہا...... اور جب عمر بھر بن مانگے ملا تو آج کیسے اظہار تشکر کیا جائے؟

اللہ اللہ! ایک تو اجالوں میں گندھی ہوئی مسجد، اس پر قمقموں اور فانوسوں کی بے تابیاں۔ بھکارن اپنی پلکوں سے سجدے کرتی باب نسواں سے مسجد میں داخل ہوئی۔ قطار اندر قطار ستون اور سجدہ ریز خلق۔ اس سمت عورتیں ہی عورتیں ہیں۔ ملفوف عورتیں، نقاب پوش عورتیں، ضعیف و ناتواں، جواں اور بچیاں۔

نماز تو شروع ہو چکی ہے۔ بھکارن ایک صف میں شامل ہوگئی یہ کچی صفیں ہیں ہر گنہگار کے لئے تھوڑی سی گنجائش نکالی لیتی ہیں جو آتا ہے سما جاتا ہے۔

"اللہ اکبر" امام کی آواز میں کتنا سوز ہے۔

بھکارن نے دھڑ دھڑاتے سینے پر ہاتھ رکھے۔

لحن ہے یا آگ ہے۔

نطق ہے یا راگ ہے۔

قلب و جاں میں چنگاریاں سی دہک اٹھتی ہیں۔

اللہ اکبر کی آواز کے ساتھ سر جھک جاتے ہیں سر اٹھ جاتے ہیں۔

یہ اللہ کے بندے کس عالم میں ہیں گھر بار، بال بچے چھوڑ کر سب یہاں آبیٹھے ہیں۔

سمیع اللہ لمن حمدہ

یہ کیسی آواز ہے۔ یہ کیسی تڑپ ہے۔ امام کے لہجہ میں کتنا سوز ہے کتنی شیریں زبان ہے۔ روشنی ہر بار تیز ہو جاتی ہے۔ قمقمے ہر بار بھڑک اٹھتے ہیں۔

یہاں نگاہ جھلکتی جارہی ہے، دل تھر تھر کانپ رہا ہے، در و دیوار سے جلال ٹپک رہا ہے۔

اتنے بے شمار چاند اس زمین پر اتر آئے ہیں۔

''آمین'' کی آواز کانوں میں کیسا رس گھولتی ہے۔ آمین کی آواز اللہ کو سجدہ کرنے والوں کی یک جہتی اور یگانگت کی گواہ ہے۔

یہ خود سپردگی ہے، وارفتگی ہے۔

ہم تیری عبادت کرتے ہیں، تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔ تیری پناہ میں آتے ہیں تیرے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں۔

یہاں سجدے میں گر کر اٹھنے کو جی نہیں چاہتا۔ ستون سے لپٹ جانے کو جی چاہتا ہے مگر کیا وجہ ہے کہ نظر اٹھتی نہیں، زمین میں گڑی جارہی ہے۔ وہاں اللہ کے گھر میں بھکارن تار تار چنری لئے بھاگتی پھر رہی تھی، سوال کر رہی تھی۔ کھوج رہی تھی، بول رہی تھی، چیخ رہی تھی۔ یہاں بھکارن کو کیا ہوا ہے۔

لوگو دیکھو! اس گم صم گٹھڑی کو کھولو۔

جان نذر کرنے کو لائی تھی۔ جھوٹی مکار کہیں جاں سے تو نہیں گزر گئی۔

او باؤلی بھکارن۔

یہ اللہ کے حبیب کا گھر ہے۔

یہ اللہ کے محبوب کی مسند ہے۔

یہ فرش عرش سے اونچا ہے۔

اس خاک میں نور کے ذرے ہیں۔

اسی زمین پر تو دوزانوں بیٹھی ہے۔

جس وقت حضور اقدس مسجد جمعہ میں خطبہ ادا کر کے مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہوئے تو ہر قبیلہ آپؐ کی اونٹنی پر ہاتھ رکھتا تھا اور اپنے غریب خانہ پر نزول کی درخواست کرتا تھا۔ آنحضورؐ دعائے خیر فرماتے ہوئے آگے بڑھ جاتے۔ آخر کار آپؐ اس مقام پر تشریف لائے جہاں مسجد نبوی کا سبز گنبد ہے۔ اونٹنی بے اختیار وہیں پر بیٹھ گئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کو اونٹنی پر ہی وہ حالت خاص طاری ہوگئی جو نزول وحی کے وقت ہوتی تھی پھر اونٹنی یکا یک اس مقام سے جہاں بیٹھ گئی تھی، اٹھی اور چند قدم آگے چل کر خود بخود واپس ہوئی اور اسی مقام اول پر واپس آکر بیٹھ گئی۔ یہ مقام اول مقام اولیٰ ہے۔ اسی لئے تو خلقت اسی مقام پر صدیوں سے سجدے لٹا رہی ہے۔ اب اس زمین پر آکر سجدہ ریز ہوئی ہے تو کبھی اپنے نصیب سے گلہ نہ کرنا۔

اگر ہوں یاور نصیب میرے لوں سبز گنبد کے گرد پھیرے
لبوں پہ میرے درود آئے زبان پہ میری سلام آئے

یہ تیرے حبیب کا گھر ہے
پیاروں کے گھر بھی پیارے ہوتے ہیں۔
یہاں خلقت ہے، خلقت انکسار سے سجدہ ریز ہے۔
یہاں تو شہنشاہ بھی گدا بن کے آتے ہیں۔ رات پر صبح کا گمان ہوتا ہے۔

یہ مقام فہم و ادراک کی ہر منزل سے اونچا ہوتا ہے!
حاضری لگوانی ہے اور تن کا پنجرا تھر تھر کانپ رہا ہے

نافرمانیوں کی فہرست لمبی ہے۔

اے عظیم میزبان! آپ کی میزبانی کے صدقے۔ دل کو تسلی سی کیوں ہے شرمساری کے جلو میں آس کا دیا جل رہا ہے اور اضطراب کے پس پردہ سکون کی ہوا چل رہی ہے۔

کسی عورت کا بچہ رو رہا ہے۔ آواز سناٹے کو چیر کر صاف سنائی دے رہی ہے مگر آج کی رات کسی ماں کو یہ آواز مضطرب نہیں کرے گی۔ آج کی رات صرف اپنے دل کے رونے کی آواز آئے گی۔

''یاد داری! کہ وقت زادن تو ہمہ خنداں بودند تو گریاں''
نیا جنم لینا ہے تو آج بھی رو، آج بھی بلک..........
یہ انوکھی نرالی رات کبھی دیکھی نہ سنی..........
آج ایک ایک سجدہ ایک ایک عمل پر بھاری ہے۔

آج رات بچے روتے رہیں گے۔ آج رات کسی ماں کی چھاتیوں میں دودھ دہائی نہیں دے گا۔

جبیں کے سارے داغ دھونے کا دن ہے آج رات۔

اتنا بڑا ہجوم ہے مگر ہجوم میں سکون ہے سب مودب اور مہذب ہاتھ باندھے کھڑے ہیں جیسے سالار کے پیچھے قافلے والے، سب پرامید ہیں۔

کیا یہاں اطمینان کا تبرک تقسیم ہوتا ہے؟

نماز ختم ہوگئی لیکن نور ختم نہیں ہوا۔ سوز فضاؤں کو بکھرا ہے چاند جیسی خیرات ہر دم تقسیم ہو رہی ہے۔

وتر کے دوران ہی امام صاحب نے دعا مانگ لی کتنا دل پذیر انداز ہے دعا مانگنے کا، نہ رسمیں نہ روایتیں۔ رواں رواں ''آمین، آمین'' کہہ رہا ہے۔ سیدھے سیدھے اپنے اللہ کو پکارا حاجت بیان کی اور چل دیئے۔

ہجوم بکھرنے لگا۔ جن کو جانا تھا چلے گئے۔ جن کو بیٹھنا تھا بیٹھ گئے۔ کسی نے بتایا کہ دربان دس بجے آکر دروازے بند کردیتے ہیں۔ سب گداگر بھکاری رات کے ان لمحوں میں باہر نکال دیئے جاتے ہیں۔

بھکارن نے اپنے دل ناصبور پر ہاتھ رکھا اور دور کونے میں نمازیوں کے جوتوں کے قریب جا کر بیٹھ گئی۔ وہ چاہتی تھی آخری نکلنے والے بلکہ نکالے جانے والے ہی کی فضیلت حاصل کرسکے پھر ایک خبر نے شوق کو بھڑکایا۔

آج شب قدر آج شب بھر یہ مسجد کھلی رہے گی۔ رحمت کے دروازے بند نہ ہوں گے۔ سوالی شب بھر سوال کرسکتے ہیں۔ گریباں چاک کرسکتے ہیں۔

نمازیوں کے جوتوں میں پڑی ہوئی گٹھڑی کو ہلاؤ جلاؤ آہ کی صورت جاے سے نکل تو نہیں گئی۔

مجھے خاک میں ملا دے　　　مری خاک ہوا میں اڑا دے
ترے نام پر مٹی ہوں　　　مجھے کیا غرض نشاں سے

رمضان المبارک میں مدینہ منورہ کے بازار اور دکانیں بھی تمام رات کھلی رہتی ہیں۔ مسجد نبویؐ کے اندر باہر...... اطراف میں روشنی ہی روشنی ہے ویسے بھی تو یہ اجالوں کا شہر ہے اور اجالوں کے اس شہر میں سیاہ کار روشنی کی بھیک لینے آتے ہیں۔

بازار میں اس وقت بھی ریل پیل ہے۔

لوگو! اس بازار میں کیا بکتا ہے۔

کیا یہاں گناہوں کی سیاہی دھونے والا کوئی محلول بکتا ہے؟ کیا یہاں عمر رفتہ کے زیاں کو پورا کرنے کا تیر بہدف نسخہ ملتا ہے؟ کیا یہاں ضمیر کی خلش ، دل کا قلق واپس لے لیتے ہیں؟ کیا کسی دکان پر احساس ندامت کا کھوٹا سکہ چل جاتا ہے؟ کیا کسی چوراہے پر تجسس کی سبیل لگی ہے؟ حشر میں سرخرو ہونے کیلئے کیا زاد راہ یہاں سے ملے گا؟ تو مجھے ساتھ لے چلو زبان کے سکے جھوٹ کی آلائش سے زنگ آلود ہو چکے ہیں اور پلو میں کوئی گرہ بھی نہیں۔

بے شمار خواتین اس وقت بھی بازاروں میں گھوم رہی ہیں۔ عبادات بھی کر رہی ہیں، ہاتھوں میں تسبیحیں بھی پکڑ رکھی ہیں، لب بھی ہل رہے ہیں اور خرید و فروخت بھی کر رہی ہیں۔ تقریباً ہر دکان پر اردو سمجھنے اور بولنے والے موجود ہیں۔ بہت سی دکانوں پر پاکستانی نوجوان ملازم ہیں۔

زیورات کی دکانوں پر بہت رش ہے۔ خواتین ہیرے موتی ڈھونڈتی پھر رہی ہیں، مول تول کر رہی ہیں۔

کیا مسجد نبویؐ سے باہر نکل کر بھی کچھ خریدنے کی حاجت رہ جاتی ہے؟

لیجئے ''سحور'' کا اعلان ہو گیا یہاں سحری کا اعلان توپ کے داغنے سے کیا جاتا ہے، لوگ دکانیں بند کر کے گھروں کو دوڑ رہے ہیں، کچھ شب زندہ دار تہجد پڑھنے مسجد کی طرف چلے آئے ہیں۔

عجیب سماں ہے۔

مسجد تمام شب جاگتی ہے اپنی کھلی آنکھوں سے اللہ کے بندوں کی اشک وزاری دیکھتی رہتی ہے۔

بس ایک رات۔

بس ایک رات۔

بھکارن مسجد کی گود میں سر رکھے رو رہی ہے۔

فرصت گناہ بھی اس کے اختیار میں، ثواب کی گھڑی بھی مختصر ہے۔

دیکھے ہیں ہم نے حوصلے پروردگار کے

سحور سے فارغ ہوئی تو مسجد نبویؐ کے بے مثال گنبدوں میں سے فجر کی اذان گونجی۔ کبھی

کسی نے شب کی ظلمتوں کو چیر کر سحر کے اجالوں کی نوید دینے والا یہ الوہی نغمہ سنا ہے؟ اگر نہیں تو وہ مسجد نبویؐ سے ابھرنے والی فجر کی اذان سنے۔

سرشاری تو اس ایک گھونٹ سے بھی ہو جاتی ہے۔

حضرت بلالؓ کی آتش نوائی پہ سو جان سے قربان۔ یہ اذان نہیں، نور کا ایک آبشار ہے جو آسمانوں سے براہ راست گنبد خضریٰ کے سبز پیالے میں گر رہا ہے اور انسانی لحن میں سما کر براہ راست انسانوں تک پہنچ رہا ہے اور مردہ جسموں میں حیات کی نئی روح پھونک رہا ہے۔

اتنی جاں سوز، اتنی نرم، آسمان کی طرح بلند، سورج کی طرح حرارت، نشہ کی طرح چڑھنے والی اور پانی کی طرح پیاس بجھانے والی، رواں رواں یہ اذان سن کر لبیک لبیک کہہ رہا ہے۔ یہ وہ اذان ہے جو سوئے ہوئے نفس کے لئے تازیانہ ہے۔ کاہلی کے پیراہن کو چاک کرتی ہے اور سستی کو مستی میں بدل دیتی ہے۔

حی علی الصلوٰۃ

حی علی الصلوٰۃ

"بھلائی کی طرف آؤ۔"

سامنے بھلائی کا دریا بہہ رہا ہے۔ نکلو، نکلو اپنے شبستانوں سے۔

الصلوٰۃ خیر من النوم

نیند کے قریب میں مت آجانا افلاک تلے جاگو کہ خاک تلے سوتے رہو گے۔ وہ جو راتوں کی آگ ناپتے ہیں زندہ چشموں کی صورت رواں رہتے ہیں۔

خاکیو آؤ...... اپنی خواہشوں کے صنم وہاں چوراہے پر توڑ دو۔ کسی بت پرست کو مسجد میں آنے کی اجازت نہیں۔ اگر سر میں صرف "ان" کا سودا نہیں تو اس زمین پر سر نہ جھکانا ورنہ مسجد کی ایک ایک سل پکار اٹھے گی۔

ترا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

"اندر جانے سے پہلے کعبہ دل کو دنیوی حرص و ہوا کے اقسام سے پاک کرو...... ٹھہرو!"

مسجد نبویؐ کے دروازے پر لرزتی کانپتی بھکارن ٹھہر گئی ہے۔

دل کہ بتوں کا گھر ہے۔

دل کہ وسوسوں کا شیطان ہے۔

دل کہ دنیاوی کیچڑ میں ات پت ہے۔

نمازیو! ہے کوئی پانی جو آج اس دل کو دھو کر پاک صاف کر دے۔ اے مسجد نبویؐ کے باوضو ستونو! اے شب کے پاسبانوں..... تہجد گزارو! عاشقان رسول کے پاسبانوں.....! لا اللہ کی ایسی ضرب لگاؤ کہ دنیا داری کے سارے بت پاش پاش ہو جائیں۔ جب یہاں سے جائیں تو دل کی طہارتیں لے کے جائیں۔

"آنسو..... صرف آنسو..... اور کوئی پانی نہیں..... دل کی کشید سے جو پانی نکلتا ہے وہی پاپ کے داغ بھی دھوتا ہے۔"

نماز فجر کے لئے دوسری صدا بلند ہوئی ہے۔

نمازیوں کا ذوق و شوق دیکھو ذرا۔ بے تابانہ مسجد نبویؐ کی طرف بھاگے چلے آ رہے ہیں۔ مسجد نبویؐ نمازیوں کی مقناطیس بن گئی ہے۔ دکانیں جلد جلد بند ہو گئیں۔ وضو کی سبیلیں لگی ہیں۔ بوڑھے، جوان، عورتیں، عربی، عجمی، خراسانی، تورانی، ایرانی، ترکی، پاکستانی، عراقی، طبرانی، حبشی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ مساوات کی صف بچھی ہے۔ اللہ کا حبیبؐ میزبان ہے۔ دونوں ہاتھوں سے خیرات مل رہی ہے۔

تکبیر کی صدا نے ان کو صف آرا کر دیا ہے۔

فرشتے یہ نظارہ دیکھ کر سبحان اللہ کا ورد کر رہے ہیں۔

مسلمان ایک ہیں۔

ان کا ایمان بھی ایک ہے۔

قرآن بھی ایک۔

دنیا کے مختلف خطوں سے آنے والے، مختلف زبانوں اور مختلف لباسوں والے باہر میں میں کی تکرار کرنے والے اندر ایک ہی صدا پر منظم اور مودب ہو گئے ہیں کون شاہ ہے کون گدا!

کس کو ہوش ہے؟

سر جھک رہے ہیں۔

سر اٹھ رہے ہیں

امام کے لہجے میں لحن داؤدی کا رچاؤ ہے۔

نہیں نہیں روئے ارض پر اس سے خوبصورت اور کوئی نظارہ نہیں...... جاؤ دنیا کی طاقتوں سے کہہ دو کہ مسلمان محمدؐ کے جھنڈے تلے اسی طرح منظم اور متحد نظر آئیں گے۔

رکوع میں تو......

قیام میں تو......

سجود میں تو......

نماز ختم ہوگئی۔ نمازیوں نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے۔ سب گڑگڑا رہے ہیں، رو رہے ہیں، مانگ رہے ہیں، تجھے تجھ سے چاہ رہے ہیں۔

یوں ٹوٹ ٹوٹ کر بکھرنا اور بکھر بکھر کر ٹوٹنا...... تجھے یہ منظر اچھا لگتا ہے نا؟

تو بھر دے ان سب کی جھولیاں............

نمازی نماز ادا کر کے باہر نکل گئے، کچھ تلاوت کلام پاک کر رہے ہیں۔ بعضوں کو حال دل زار سنانا ہے پھر اندر جانا ہے۔ روضہ عالی پر سلام عرض کرنا ہے، سبز جالیوں کو چومنا ہے، اجالوں کی راہ گزر سے گزرنا ہے، جنت کی حویلی دیکھنا ہے۔

ایک گھونٹ پینا ہے۔

ایک گھونٹ پینا ہے۔

بھکارن اپنے انزار دل کو دونوں ہاتھوں سے تھامے کھڑی ہے۔ شوق اندر کھینچ رہا ہے۔ بارعصیاں سے قدم لڑکھڑائے جاتے ہیں۔ ہاتھ بیتاب ہیں جالیوں کو چھونے کے لئے، نگاہ فرش بننے کو مچل رہی ہے۔

جس طفل نے سارا سال ایک لفظ نہ پڑھا ہو، وہ کمرہ امتحان میں جاتے ہوئے ڈرتا ہے، اگر نافرمانیوں کی فہرست طویل ہو تو مہربان آقا کے قدم کیسے چھوئیں؟

آنکھ موتی لٹا رہی ہے۔ دل بھی دھمکا رہا ہے کہ کیسے جائے گی؟ کیا منہ لے کے جائے گی؟ کس مان پر جائے گی؟ یہ میلا کچیلا دل، یہ جھکی جھکی نگاہ، یہ داغ داغ پیشانی، چنری میں اتنے پیوند! اپنا برتن دیکھ کس قدر گندہ ہے کیا اس میں دودھ ڈالے گی؟

شوق تسلی دیتا ہے۔

وہ گنہگاروں کے شافعی ہیں، وہ امت کے پاسبان ہیں۔ وہ منبع جود و سخا ہیں ان کے در سے کوئی خالی ہاتھ نہیں جاتا وہ ہر آنے والے کیلئے شفاعت کی دعا کرتے ہیں۔

چلو عاصیو! مغفرت ڈھونڈتی ہے

یہ حجرۂ بی بی فاطمہؓ ہے۔

ہاں، ہاں پہلے سیدۃ المومنین کے قدموں میں چلتے ہیں ان سے حوصلہ مانگتے ہیں۔ ردائے زہرا کا سایا ڈھونڈتے ہیں اور ان سے پوچھتے ہیں قدم چھونے کا طریقہ کیا ہے؟ یہ حضور خاتون جنت کا مصلےٰ ہے اس پر دو نفل ادا کرنے والیوں کا ہجوم ہے، آج کے دو نفل ساری عبادت کا مول ہیں۔

بھکارن نے جلدی سے نفل کی نیت باندھ لی۔

''تیری بکل دے وچ چور'' فرش کی ایک ایک اینٹ پکار اٹھی، ''تیری بکل دے وچ چور'' سارے قمقمے ایک دم اس کی ہنسی اڑانے لگے۔

''تیری بکل دے وچ چور'' ستونوں نے اپنے سر ہلا ہلا کر ہاں میں ہاں ملائی۔

''تیری بکل دے وچ چور''

''تیری بکل دے وچ چور''

مصلےٰ بھی بول اٹھا۔ اپنے بھرم کے یوں کھل جانے پر بھکارن پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

جہاز میں بیٹھتے ہی بھکارن نے چپ کی بکل اوڑھ لی۔ بھکارن کی یہ بری عادت ہے جب جنون اور خرد میں جنگ ہو رہی ہو تو وہ چپ کی وادیوں میں دور تک نکل جاتی ہے، آج کا دن خوبصورت بھی تھا اور قیامت خیز بھی۔

آج مدینہ منورہ کو الوداع کہنا تھا۔

آنے والوں کو تو جانا ہوتا ہے اتنی لمبی زندگی اور اتنا کم پڑاؤ......

فضا کتنی مانوس ہے ہر شے اپنی اپنی لگتی ہے یہاں یوں لگتا ہے جیسے بھکارن انہی گلی کوچوں میں اپنی پلکوں سے جھاڑو لگایا کرتی ہے۔ کوئی اور جگہ اس کا مسکن نہیں، اسی شہر کی پرانی خاکروب ہے۔ لوگو! مجھے معلوم ہو گیا کہ تم کیوں یہاں آکر اپنے بچے، اپنے عزیز و اقارب، اپنا وطن تک بھول جاتے ہو۔ اس زمین سے بڑی زمین اس آسمان تلے اور کوئی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر فضیلت اسی زمین کو عطا کی ہے۔

اس زمین سے جانے کا بڑا قلق ہے۔

خدا کے لئے کوئی بڑھ کر مجھ کو روک لو۔

اے مصفا سطح ستونو! میرے گرد زنجیر بنادو نا! اے نمازیوں، تہجد گزاروں کی جاگتی ہوئی صفو! مجھے اپنے اندر لپیٹ لونا؟ اے چھت کے خوش نما گل بوٹو! مجھے اپنا ہم رنگ کرلونا۔

سبز گنبد کے آس پاس چاند تارے کی طرح جگمگاتے فانوسوں! میرا تن من پھونک دونا۔

وہ دیکھو! وہ دل گرفتہ جارہی ہے اپنی جھولی کو زور سے پکڑے ہوئے یہ تو خالی دامن لائی تھی اب اس کی جھولی اتنی بوجھل کیوں ہے؟ دیکھو...... اس کی جھولی کا بھرم نہ کھولنا۔ ہر شخص کو اس کے ظرف کے مطابق خیرات ملتی ہے۔

پائلٹ نے خوش آمدید کہا ہے...... جہاز حرکت میں آگیا ہے۔

الوداع اے نوری قبا میں ملبوس میناروں۔

الوداع اے سبز پوش گنبد خضریٰ۔

الوداع اے کشادہ ظرف دروازو۔

الوداع اے مدینے کے خوشب نصیب لوگو۔

الوداع اے معطر ہواؤ، منور فضاؤ۔

چشم کرم سے دور اب ہم سے رہا نہ جائے گا۔

"اے نفس تو اللہ سے اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے حالانکہ تو اس کی نافرمانی بھی کرتا رہتا ہے۔

اس سے بڑھ کر بھی کوئی عجیب اور نادر بات ہو سکتی ہے۔

اگر تیری محبت صادق ہے۔

تو اپنے رب کی اطاعت کر۔

کیونکہ...... محبت کرنے والا جس سے محبت کرتا ہے...... اس کی اطاعت بھی کرتا ہے۔"

دہلیز پہ کھڑا ہوں رسالت مآب ﷺ کی

تنویر ظہور

سعودی عرب میں پانچواں روز تھا اور یہی روز دربار رسالتؐ میں حاضری کا تھا۔ میری اہلیہ کی پہلی حاضری تھی۔ اس کو جس قدر بے چین پایا، اس کا اظہار بعد میں اس نے مجھ سے کیا...... خواتین نماز فجر کے بعد ایک جگہ جمع ہو جاتی ہیں اور پھر دروازہ کھلتے ہی سب ایک دم اندر جانے کی کوشش کرتی ہیں...... میں نے یہ نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ دروازہ کھلتے ہی اتنی تیزی سے خواتین بھاگ کر رسالت مآبؐ کی چوکھٹ پر گئیں کہ ان میں کچھ گر بھی گئیں...... مگر اس وقت کسے ہوش ہوتا ہے کہ یہ وہ دربار ہے جس کے متعلق ناصر کاظمی نے کہا ہے۔

شجر حجر تجھے جھک کر سلام کرتے ہیں
یہ بے زبان تمہیں سے کلام کرتے ہیں
زمیں کو عرش معلی ہے تیرا گنبد سبز
تری گلی میں فرشتے قیام کرتے ہیں
یہیں سب اپنی مسافت تمام کرتے ہیں

ناصر کاظمی نے سچ کہا کہ یہیں پہ مسافر اپنی مسافت تمام کرتے ہیں۔ باب البقیع کے اوپر رقم ہے۔ ''بسم اللہ والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ یہی وہ دروازہ ہے جس سے گزر کر ہم دربار رسالت مآبؐ میں مواجہ شریف کی طرف حاضر ہوتے ہیں۔

میں اسی دروازے سے گزر کر مواجہ شریف کی جانب باادب کھڑا ہو گیا...... اس وقت کیفیت یہ تھی۔

اظہار تمنا کی سکت کس میں ہے ساقی
یہ وقت حضوری کا ہے اشکوں سے دعا ہو

اور پھر محمد علی ظہوری کے بقول:

کیہ حاضری دا کوئی حال کہوے اوتھے کجھ نہ ظہوری یاد رہوے
روضے دے اگے ہتھ بنھ کے چپ کھڑیاں قلم دواتاں نیں

مواجہ شریف پر حاضری کے بعد میں نے اپنی کیفیات کو منظوم کیا۔ ملاحظہ فرمائیں۔

کیتی عطاتوں مینوں سعادت مرے خدا
کرنا پیاداں ذکر مواجہ شریف دا
آآ کے ایتھے جھولیاں بھر دے نیں مرد زن
دھوندے نیں نور نال گناہگار تن تے من
دربار پاک اے اوہ رسالت مآبؐ دا
سبھ عاصیاں نوں مان اے جس دی جناب دا
تنویر دیکھیا اے نظارا حرا دا میں
بے اختیار چمیا اے در مصطفیٰ ﷺ دا میں
اس درتے میں کھلوتا رہیا کئی دیر تک
نھیرے، جھدنے اے جھد تے نور دی چمک
انسانیت دا جس نے مقدر سنواریا
جس نھیریاں دے دیس وچ چانن کھلاریا
مٹی دا میں ساں ذرہ بنادتا آفتاب
تعبیر بن کے ملیا جو تکیا نظر نے خواب
سینے وچ نور بھر کے لے آیا واں دوستو
اوتھوں میں خالی ہتھ تے نہیں آیاواں دوستو
روشن کیویں نہ ہووے ستارہ نصیب دا
ملیا اے قرب مینوں خدا دے حبیبؐ دا
کس طرح کراں گا شکر میں پروردگار دا
دیدار بخشیا اے نبیؐ دے دیار دا

پھر حضور ساقی کوثر چلے

حافظ لدھیانوی

بات حرم نبویؐ کی حاضری کی تھی۔ سڑک پر گنبد خضریٰ کو دیکھتے ہی زبان سے درود و سلام کے نغمے پھوٹے۔ ہر قدم پر بحضور ختمی مرتبتؐ درود و سلام کے نذرانے پیش کئے۔ جسم لرزاں تھا۔ نگاہوں سے بوجھ اور ندامت و شرمندگی کے احساس سے قدم اٹھتا نہ تھا۔ افتاں و خیزاں باب عمرؓ سے مسجد نبویؐ میں داخل ہوا...... دو نفل تحیۃ المسجد کے ادا کیے۔ دھڑکنوں نے شکر و سپاس کی صورت اختیار کرلی۔ آنسوؤں نے محبت و احترام کے انداز سیکھے۔ باب عمرؓ سے آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا جب باب سعود کے پاس پہنچا تو گنبد خضریٰ تمام آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہوا۔ قدم رک گئے۔ نظر جمال گنبد خضریٰ پر نثار ہو رہی تھی۔ سر جھکا کر انتہائی ادب و احترام سے ہاتھ باندھ کر غلامانہ ادا کے ساتھ بحضور سرور کائناتؐ درود و سلام پیش کیا۔ کچھ دیر کے لئے یہیں رک گیا کہ گنبد خضریٰ کے جمال سے دل کے تاریک گوشے روشن کرلوں۔ آنکھوں کو دربار میں حاضری کا سلیقہ آجائے۔ دیر تک اس جلوے سے نگاہ و دل کو سیراب کرتا رہا۔ آخر دھڑکتے دل کے ساتھ جانب روضۂ المبارک، مرکز قلب و نظر، محور ذوق و شوق، مصدر جود و سخا، چلا آنکھوں سے بیساختہ آنسو جاری ہوگئے۔ یہ مسرت کے گہرہائے تابدار تھے۔ یہ کامرانی کے موتی تھے۔ یہ مسجد نبویؐ میں داخل ہوتے ہی باران کرم تھی۔ یہ دیدہ و دل کی تطہیر کا سامان تھا۔ کیونکہ اس بار مکہ مکرمہ کی حاضری کے بغیر سیدھا دربار محبوب رب العالمینؐ میں حاضری تھی۔ اس لئے تزکیہ قلب و نظر ضروری تھا۔

مقامات مقدسہ کی زیارت سے نگاہوں کو پاک کیا۔ صفہ پر نظر پڑی۔ زائرین انتہائی محویت کے عالم میں تلاوت کلام پاک میں مصروف تھے۔ سامنے محراب تہجد تھا۔ محراب تہجد سیدۃ فاطمۃ الزہراؓ بنت رسول اللہؐ کا حجرہ مبارک تھا۔ اس کے بالکل سامنے باب الجبرائیلؑ تھا۔ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا قدمین شریف تک پہنچا۔ شکرانے کے دو نفل ادا کئے۔ اس سعادت کے حاصل ہونے پر بارگاہ خداوندی میں سجدہ ریز ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ کا اس خاطی و

عاصی پر بہت بڑا کرم تھا کہ بارگاہ نبویؐ، دربار رسالتؐ کی حاضری سے مشرف ہوا۔ اس دربار کی حاضری کی تڑپ سینکڑوں آنکھوں سے اشکوں کی صورت نظر آتی ہے۔ کتنے دل اس بارگاہ قدس کی زیارت کے لئے بے تاب رہتے ہیں۔ اگر ایک آنسو بھی رب العزت کو پسند آجائے تو انعامات کا لامتناہی سلسلہ شروع کر دیا جاتا ہے۔ اگر کریم نوازنا چاہے تو سینکڑوں بہانوں سے نوازتا ہے اور وہ سجدوں، ہماری ریاضتوں اور عبادتوں سے بے نیاز ہے۔ وہ تو دل کے اندر کے جذبے کو دیکھتا ہے۔ یہ عبادتیں یہ ریاضتیں تو ہم اپنی ذات کی اصلاح کے لئے، اپنے قلب ونظر کو پاک کرنے کے لئے کرتے ہیں ورنہ اس مالک الملک، قادر مطلق، خالق کائنات کو کیا پرواہ؟ بیدم وارثی کا شعر یاد آ گیا ہے۔

کیا کیا ہمیں بھی اپنی عبادت پہ ناز تھا
بس دم نکل گیا جو سنا بے نیاز ہے

اس حاضری سے اس بات کا تو یقین ہو گیا کہ یہ سعادت اس لئے نصیب ہوئی کہ خداوند کریم نے کوئی فعل، کوئی جذبہ، کوئی آنسو اپنی خاص شان کریمی سے پسند فرمایا۔

کیا ہے شان کریمی نے منتخب اس کو
کشش عجیب میرے نامہ سیاہ میں ہے

دو نفل شکرانے کے ادا کر کے بارگاہ رسالتؐ چشمہ فیوض و برکات، مصدر لطف عمیم، مخزن جود و سخا، منبع لطف و عطا دربار گہربار کی طرف چلا، روضہء اقدس کے کونے پر خاموش باادب کھڑا ہو کر اس غلام نے اجازت طلب کی۔ پھر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا، اشک آلود آنکھوں اور دھڑکتے دل کے ساتھ حضور اکرم سرور کائنات، خاتم الانبیاء حضرت محمدؐ کی بارگاہ عالیہ میں پہنچ گیا، ندامت گناہ اور احساس خطا نے زبان گنگ کر دی۔ اشک بہہ رہے تھے، نظریں جھکی ہوئی تھیں...... مجھ سا خاطی و عاصی اور یہ کرم کی معراج، مجھ سا گناہگار اور یہ باران کرم، مجھ سا بے بضاعت، بے سروسامان اور یہ معراج کی منزل...... اللہ اللہ حضور اکرمؐ کیسے نوازتے ہیں۔ مولانا ماہر القادری مرحوم کا شعر یاد آ گیا۔

سلام اس پر کہ جس نے فضل کے موتی بکھیرے ہیں
سلام اس پر بروں کو جس نے فرمایا! یہ میرے ہیں

سرور کائناتؐ ہی غم زدوں، بے کسوں، گناہگاروں اور خطا کاروں کا آخری سہارا ہیں۔

یہی ذات گرامی ہماری شفاعت کا وسیلہ ہے۔ یہی ذات مقدس ہے جس کے سائے میں انسان تسکین محسوس کرتا ہے۔ یہیں تشنہ نگاہوں کو سیرابی نصیب ہوتی ہے۔ کائنات کا مرجع و مصدر یہی دربار ہے۔ یہاں ہر ایک کو نوازا جاتا ہے۔ یہاں امیر وغریب کی تفریق نہیں۔ یہاں عابد وزاہد کی قید نہیں۔ یہاں تو گناہگار کو رحمت ڈھانپ لیتی ہے۔ خداوند تعالیٰ نے ہم جیسے گناہگاروں کے لئے اپنے محبوبؐ کی ذات گرامی کو مقبولیت توبہ اور معافی طلبی کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ''اگر تم اپنی جانوں پر ظلم کرو تو میرے حبیبؐ کے پاس آجایا کرو۔ وہ تمہیں بارگاہ خداوندی سے معافی دلوادیں گے۔ تم خدا کو توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا پاؤ گے۔''

یہاں ہر لحہ توبہ کے دروازے کھلے رہتے ہیں۔ یہاں جو بھی آتا ہے، ندامت کے آنسو لے کر آتا ہے۔ یہاں جو بھی حاضر ہوتا ہے۔ اپنی خطاؤں پر شرمندہ، اپنے اعمال پر نادم، اپنی گناہگار زندگی سے پشیمان...... خداوند تعالیٰ تو ندامت کے ایک ایک آنسو کو میزان رحمت میں تولتا ہے اور اس کے عمر بھر کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔ علامہ اقبالؒ کا شعر ہے:

موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لئے
قطرے جو تھے مرے عرق انفعال کے

کون سی آنکھ ہے جس سے آنسو نہیں بہتے؟ کون سا دل ہے جو بارگاہ رسالتؐ میں دھڑکنوں کے نذرانے پیش نہیں کرتا، یہاں سرکش سر جھکائے رہتا ہے، یہاں تمکنت عجز کا رنگ اختیار کر لیتی ہے۔ یہاں تکبر انکساری کا لبادہ اوڑھ لیتا ہے۔ محبوب کائناتؐ کو اپنی امت کا ہر فرد پیارا ہے۔ وہ ذات گرامیؐ تو مسکینوں کو محبوب رکھتی ہے۔ کوئی مسکین بن کر مسکینوں کی سی صورت بنا کر بھی اگر آجاتا ہے تو سحاب کرم اس پر سایہ کر دیتا ہے۔ حضور اکرمؐ صفہ پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہ اجمعین میں دعا فرمایا کرتے تھے کہ اے خداوند کریم! مجھے مسکینوں میں زندہ رکھیو، مسکینوں میں ماریو، مسکینوں کے زمرے سے قیامت کے روز اٹھائیو، مسکین تو محبوب کائنات کی دعا کے وارث ہیں۔ ان جیسا خوش نصیب کون ہوسکتا ہے جن کی معیت کی حضورؐ دعا فرمائیں۔

مواجہ شریف پر چند ساعتیں ٹھہرا، زندگی بھر کے گناہوں سے حضورؐ کے وسیلے سے بارگاہ رب العزت میں معافی طلب کی۔ اس کرم بے پناہ پر شکر کے آنسو پیش کئے۔ اس احساس

نے ہم میں لرزہ طاری کر دیا کہ محبوب رب العالمینؐ سلام کا جواب دے رہے ہیں...... یہ خوش نصیبی کی معراج ہے جس خوش نصیب کو حضور اکرمؐ سلامتی کی دعا دیں اس جیسا خوش قسمت کون ہو سکتا ہے؟ اس کی نگاہوں میں کائنات کے تمام خزانے، دنیا کے تمام اعزازات ہیچ ہیں کیونکہ حضورؐ کی سلامتی کی دعا کا بدل ممکن ہی نہیں بلکہ یہ سلامتی کی دعا تو آخرت میں نجات کا وسیلہ ہے...... دربار میں زیادہ دیر ٹھہرنا سوئے ادب ہے۔ یہاں تو انسان اپنی معروضات پیش کر کے درود و سلام کے بعد انتہائی احترام کے ساتھ اجازت طلب کرے۔ یہاں تو ایک لمحہ صدیوں کی عبادت سے زیادہ محترم اور باعث سعادت ہے کیونکہ سرور کونینؐ کا ارشاد گرامی ہے۔ "جس نے میری قبر مبارک کی زیارت کی، اس پر میری شفاعت واجب ہو گئی۔"

تمام عمر اسی میں تمام ہو جائے

سیدہ حمیدہ فاطمہ

ہوٹل سے باہر نکلے، تو کچھ دور چلنے کے بعد گنبد مبارک سے رنگین روشنیوں کی پھوار دکھائی دی۔ شہر مکرم پر اللہ کے نور کا نزول ہو رہا تھا۔ بلند و بالا مینار دکھائی دے رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد روضہ رسولؐ کے سامنے تھی۔ صبح کا وقت تھا اور نورانی، پاکیزہ اور روحانی فضا۔ ایسی صبحیں بار بار کب آتی ہیں۔ نماز فجر مسجد نبویؐ میں ادا کی اور پھر یوں ہوا کہ میرا ذہن تیرہ سو سال پیچھے کی طرف چلا گیا اور مجھے وہ سفر یاد آیا، جو غار ثور سے شروع ہو کر قبا اور پھر مدینہ منورہ پر آ کر ختم ہو گیا۔ جب حضور رسالت مآبؐ مدینہ تشریف لائے تھے۔ مدینہ میں یہ خبر عام ہو چکی تھی کہ حضورؐ تشریف لا رہے ہیں۔ اہل مدینہ آپ کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔ چشم فلک نے بہت سے شہنشاہوں، حاکموں اور بڑے بڑے سرداروں کا خیر مقدم دیکھا ہوگا، لیکن یہ خیر مقدم اپنی نوعیت کے اعتبار سے نرالا اور تقدیس کے اعتبار سے بہت ممتاز اور ارفع تھا۔ حضور جناب رسالت مآبؐ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ ایک ہی ناقہ پر سوار تھے۔ ہر ایک آگے بڑھتا تھا، چہرۂ رسالت کو بڑی عقیدت سے دیکھتا تھا اور ہر ایک کے لب پر ایک ہی درخواست تھی۔ ''حضورؐ! میرے گھر کو شرف میزبانی سے سرفراز فرمائیں۔'' اور پھر یہ سعادت، یہ تاریخی میزبانی حضرت ابو ایوبؓ کے حصہ میں آئی اور حضرت ابو ایوبؓ انصاری اپنی قسمت پر ناز کرتے نہیں تھکتے تھے۔ رسالتؐ کے جلوؤں نے ان کے مکان کو بقعۂ نور بنا دیا تھا اور پھر میں نے سوچا، میں اسی مقدس اور عظیم شہر میں کھڑی ہوں، جسے یثرب کے بعد مدینۃ النبی کہا جانے لگا اور اسی مسجد کے بلند میناروں اور محرابوں کو دیکھ رہی ہوں، جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعمیر کرنے کا ارادہ فرمایا تھا اور خاندان نجار کی زمین کا ایک ٹکڑا جس میں کھجوروں کے درخت تھے، آپؐ نے مسجد کی تعمیر کے لئے تجویز فرمایا تھا۔ اس مسجد کی تعمیر میں آپؐ نے بھی صحابہ کرامؓ کا ہاتھ بٹایا اور یہی وہ مقدس سرزمین تھی جہاں ہجرت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی تھی۔

مسجد نبویؐ بے حد کشادہ، وسیع اور شفاف ہے۔ صحن مسجد میں قیمتی اور گراں قالین بچھے ہیں۔ حضورؐ کے روضہء اطہر کا گنبد بھی سبز اور جالیاں بھی سبز ہیں۔ سبز رنگ کے قمقمے مسجد کے حسن میں چار چاند لگا دیتے ہیں۔ ایک جگہ سفید رنگ کا قالین بچھا ہے۔ اس جگہ کو جنت کا ٹکڑا کہتے ہیں۔ روایت ہے کہ حضورؐ یہاں پر نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ مسجد نبویؐ میں بڑے بڑے فانوس نصب ہیں۔ صحن مسجد کے عین درمیان ہزاروں کبوتر دانہ چگتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جب یہ کبوتر اڑتے ہیں تو ان کی اڑان مسجد نبویؐ کے میناروں سے اونچی نہیں ہوتی۔ میں نے دیکھا کہ فرزندان توحید دیوانہ وار جالیوں اور محرابوں کو چوم رہے ہیں۔ ایک عجیب سماں ہے، راز و نیاز کی باتیں ہو رہی ہیں۔ دعا مانگی جاتی ہے اور حضورؐ پر کثرت سے درود و سلام بھیجا جاتا ہے۔ مسجد نبویؐ میں نماز ادا کرنے کی سعادت مجھے بھی ملی اور جب نماز کے بعد دعا مانگنے کا وقت آیا تو مجھ پر رقت طاری ہوگئی۔ جذبات و احساسات آنسوؤں میں ڈھل گئے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ سرکار دو عالمؐ اور سرور انبیاءؑ کے روضہء اقدس کے سامنے کھڑے ہو کر کیا مانگا جائے۔ یہاں آ کر تو دنیا کی ہر چیز حقیر نظر آنے لگتی ہے۔ مال و دولت کی ہوس نہیں رہتی۔ بس ایک ہی آرزو تمام خواہشات پر محیط ہو جاتی ہے اور دل سے دعا نکلتی ہے کہ خدا کرے آج کی صبح کی کبھی شام نہ ہو اور آج کی رات کی کبھی صبح نہ ہو، اسی کیفیت، اسی ذوق حضوری اور اسی راز و نیاز میں عمر بیت جائے، زندگی کٹ جائے اور یہیں موت آ جائے۔ میرے دل سے بھی یہی دعا ایک شعر بن کر ادا ہوئی۔

دینے والے ترے ہاتھوں میں سبھی کچھ ہے مگر
خاک طیبہ مجھے دیدے کہ یہ نعمت ہے بڑی

نگاہے یا رسول اللہ ﷺ نگاہے

خواجہ حسن نظامی

چھٹے دن فجر کی نماز کے بعد سے مسافروں میں خوشیاں ہیں کہ وہ قریب ہے جس کے لئے آئے ہیں۔ ذرا اور دن چڑھا تو کالے پہاڑوں کے بیچ میں سبز گنبد کی کچھ یونہی سی چمک نظر آئی۔ جیسے اندھیری رات میں کہیں دور آسمان کے کنارے بجلی کوندا کرتی ہے۔ اس سبز کی جھلک نے جو کہرام گاڑی میں مچایا وہ دیکھنے کے قابل تھا۔ کلیجے پھٹے جاتے تھے۔ ہاتھ گریبانوں پر تھے۔ شاید دل تھامتے تھے یا کرتے چاک کرتے تھے۔ گردنیں کھڑکیوں سے باہر تھیں۔ آنکھیں ٹکٹکیاں باندھ رہی تھیں۔ ریل لہراتی ہوئی دوڑ رہی تھی۔ ایلو۔ وہ سامنے۔ اب تو خوب صاف۔ اچھی طرح نظر آتا ہے۔ ہاں سبز گنبد ہے اونچے مینار ہیں۔ مدینہ آیا۔ ذرا میں بھی دیکھوں کہاں ہے۔ کیا ہے۔ کیوں ہے۔ کیا کہتا ہے۔ کچھ سنا آسمان والے نغمہ سرائی کر رہے ہیں۔ انجن کو روکو پہلے وہ کیوں جائے مادی روح، مادی جسم کا پتلا ہم کو بڑھنے دو۔ اشرف المخلوقات ہیں۔ اشرف الانبیاء کی اشرف امت ہیں۔ بصارت و بصیرت رکھتے ہیں۔ لو وہ رک گیا۔ ذرا دیکھنا کیسی سہانی لمبی لمبی قباؤں والے نورانی چہرے استقبال کو آئے ہیں۔ آنکھیں سامنے سے ہٹیں تو میں بھی دیکھوں۔ کہتے ہیں اترو۔ پہلے کون سا قدم اتاروں۔ سر کے بل کیونکر چلا کرتے ہیں۔ یونہی چلوں دل دھڑکتا ہے۔ اسے سنبھالوں۔ ہاتھ پاؤں میں رعشہ ہے۔ جسم کی توانائی نے جواب دے دیا۔ کیا کروں۔ لوگو میرا ہاتھ لینا۔ میں چلا۔ سہارا دو کہ میں گرا۔

پلیٹ فارم کے سنگریزوں نے پاؤں سے مصافحہ کیا اور حسن عبدالجواد افندی مزور نے ہاتھ سے مصافحہ کیا۔ پھر دیکھا تو حرم کے سامنے ایک مکان کی تلاش تھی، جو مل گیا۔ باب رحمت کے سامنے تین گنی کرایا پر ٹھہرا۔ اسباب رکھا۔ غسل کیا۔ کپڑے بدلے اور حاضری دربار کی تیاریاں ہونے لگیں۔

مرادمندی کا پہلا دن:

مزور صاحب باب السلام سے اندر لے کر گئے۔ وہ کچھ کہتے جاتے تھے اور کہلواتے

جاتے تھے۔ پہلا دن تھا۔ قہر درویش بر جان درویش۔ طوطے کی طرح سبق پڑھتا تھا۔ لیکن لطف خاک نہ آیا۔ زبان کہنا چاہتی فریاد۔ مزور کہتے تھے السلام۔ جگہ جگہ نذر نیاز کی طلبی۔ بھائی سب کچھ تمہارے لئے ہے۔ مجھے ذرا بابا جان کی چوکھٹ چوم لینے دو۔

مزور صاحب نے ارشاد فرمایا ہر نماز کے بعد ہم سلام پڑھوا دیا کریں گے۔ میں نے عرض کیا۔ نہیں جناب مجھ کو میرے حال پر چھوڑ دیجئے۔ آپ کے جو حقوق ہیں پیش کر دیئے جائیں گے۔ واہ کیا اخلاق ہے۔ میرے دیوانہ پن سے کبیدہ نہیں ہوئے۔ بخندہ پیشانی فرمایا کچھ مضائقہ نہیں۔ آزاد ہو جس طرح چاہو کرو۔ اسی مبارک دن کی عصر نماز پڑھی اور بے تابانہ ان سبز جالیوں کی طرف بڑھا جو مسجد میں بائیں طرف نظر آتی ہیں۔ معمولی جالیاں ہیں۔ سبز رنگ پھیر دیا ہے اندر خبر نہیں کیا ہے۔ جھانک کر دیکھو سبز غلاف پڑا ہوا ہے جس پر کچھ لکھا ہے۔

لیکن بجلی معمولی تانبے کے تار میں رہتی ہے۔ تلوار کی کاٹنے والی دھار لوہے کی ہوتی ہے۔ ابر رحمت کی بوند بھی کیسی چھوٹی مگر شیریں اور سیراب کنندہ۔ یہی حال اس حجرے کا ہے۔ دیکھنے میں معمولی جگہ حقیقت میں خدا کے بعد ہر چیز سے اعلیٰ و بزرگ۔ جھانک رہا تھا اور دل سے یہ بے ادبانہ باتیں کر رہا تھا۔ یکا یک کلیجہ میں ایک ہوک سی اٹھی۔ ہاتھ پاؤں کانپنے لگے۔ کسی نے سر کو جالی سے لگا دیا۔ آنکھوں نے برسنا شروع کیا۔ ہونٹ اسی ٹھنڈی جالی کو چومتے تھے۔ انگلیاں گڑی جاتی تھیں۔

ادب اے گستاخ تخیل۔ ادب اے ناپاک غور۔ یہ مکان فلسفیانہ سوچ و بچار کا نہیں ہے۔ یہاں شاہ اپنا پالیٹکس بھول جاتے ہیں۔ عقلاء عقل سے دست بردار ہو کر آتے ہیں۔ یہ محبوب خدا کی خواب گاہ ہے۔ یہ وہ خوش نصیب خطہ ہے جس کی قسمت پر آسمان و زمین، عرش کرسی رشک کرتے ہیں۔ بابا جان! مجھے اپنا بنا لو اور اس کو جسے میں اپنا بنانا چاہتا ہوں اور اسے جو میرا بننا چاہتا ہے اور کیا کہوں سب بھول گیا۔ خبر نہیں کیا کیا کہنا تھا۔ ہزاروں سلام ہیں، ہزاروں پیام ہیں۔ دعائیں، شکوے، احوال دل۔ اس وقت ایک یاد نہیں۔ یہاں یاد آیا حلقہ۔ اس کے ممبر، خادم، رکن، معاون، عورت، مرد سب۔

گرمی کا یہ عالم ہے کہ کسی پہلو چین نہیں۔ مگر حرم کے اندر قدم رکھا گویا سرد خانے میں چلے گئے۔ ہر چند غور کیا اس کی عقلی وجہ سمجھ میں نہ آئی۔ دوسری عجیب بات یہ ہے کہ پانی

برف کی مثل۔ مٹی کی بے شمار چھوٹی صراحیاں حرم میں جگہ جگہ رکھی ہیں۔ لوگ گھر میں کھانا کھاتے اور یہاں آکر پیتے ہیں۔ وہی مثل صادق ہے کہ میاں ایسی جلدی آنا کہ کھانا وہاں کھاؤ تو پانی یہاں پیو۔

نیک اور فیاض لوگوں نے آدمی مقرر کر رکھے ہیں جو صراحیاں بھر بھر کر رکھتے اور لوگوں کو پلاتے ہیں۔ ان کو زمزمی کہتے ہیں۔ اس میں دو فائدے ہیں۔ جو بچارے کچھ آمدنی نہیں رکھتے اور مدینے شریف میں رہنا چاہتے ہیں۔ ان کی معاشیں اس طرح نکل آتی ہیں اور زائرین رسول کو ہر وقت ٹھنڈا برف سا پانی ملتا رہتا ہے۔ تصویروں میں حرم رسول کی اصلی شان معلوم نہیں ہوتی۔ صرف صحن، باہر کے ستون، روضہء منورہ نظر آتا ہے۔ لیکن اندر داخل ہو کر دیکھو۔ حرم بڑی وسیع اور گنجائش دار جگہ ہے۔ پچیس تیس ہزار آدمی ایک وقت میں نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اس کی مختلف لوگوں نے تعمیر کی ہے۔ یہ التزام تعریف کے قابل ہے کہ حضرت محمدؐ کے زمانہ جس قدر حصہ مسجد کا تھا اس کا نشان بنا دیا گیا ہے۔ اس کے بعد جوں جوں بالتدریج ترقی ہوئی۔ سب کے جداگانہ کتبے اور نشان لگا دیئے ہیں جس سے محقق کو بہت آسانی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ فلاں شخص نے فلاں زمانہ میں بنایا۔ میں نے چاہا کہ ان کتبوں کو لکھ دوں۔ ستون، جھاڑ، ہانڈیاں بھی شمار کروں مگر خدام نے منع کیا اور کہا کہ مسلمان شک کریں گے اور کہیں گے یہ مسلمان نہیں کوئی نصرانی ہے۔ مصر کے مسلمان زیارت کو آتے ہیں تو کتبہ لکھنے کی بہت کوشش کرتے ہیں مگر کامیاب نہیں ہوئے۔

اس عجیب و غریب تو ہم سے افسوس ہوا۔ مسلمان اب ایسے وہمی اور بودے خیال کے ہو گئے ہیں لیکن خدا کا شکر کہ ایک کتاب ہاتھ آگئی جو مدینہ شریف کے ایک بزرگ نے لکھی ہے۔ اس میں ابتداء سے لے کر آج تک کی سب تاریخ مرقوم ہے۔

ہا! ۔ بے چارے سلطان عبدالمجید کی یادگاریں جگہ جگہ نظر آتی ہیں۔ بیت المقدس میں، بیروت میں، دمشق میں، دمشق سے مدینہ منورہ تک راستہ میں جہاں کوئی ممتاز چیز دیکھی۔ سلطان عبدالمجید کی کوئی نہ کوئی نشانی ضرور پائی۔ کیسا باخبر اور نیک خلیفہ تھا۔ موجودہ حکومت نے ہر جگہ سے اس کا نام مٹا دیا ہے مگر عرب کے بچہ بچہ کے دل پر عبدالمجید کندہ ہے اس کو کیونکر محو کر سکتے ہیں۔

حرم کے اندر کے ستونوں کے پائے ذرا کمزور ہو گئے تھے۔ سلطان عبدالمجید نے معقول

لاگت سے پیتل کے موٹے موٹے مگر خوشنما حلقے پایوں پر چڑھوا دیے۔ یہ غریب کی آخری خدمت تھی۔ جس کے بعد اس کی خلافت کا پاؤں پھسلا اور گر پڑا۔ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ چشم پر آب ہو کر ٹھنڈا سانس بھرتے ہیں اور عبدالمجید کو یاد کرتے ہیں۔

یہ ہندوستان والے بھی کیسے حضرت ہیں جہاں دیکھو انہیں کا قبضہ۔ حرم رسول کے سب دروازوں کے دربان ہندی ہیں اور اندر حرم میں پانی وغیرہ کی خدمت پر ہندی ہیں اور سنا کہ مکہ مکرمہ میں بھی دربانی کی خدمت اہل ہند کے ہاتھ میں ہے۔ مجھ کو تو صاحب اس حالت کے دیکھنے سے بڑی خوشی ہوئی۔ الٰہی تیرا لاکھ لاکھ شکر۔ ہمارا ہند تیرے دروازے پر مقبول ہے۔

اور ان کو بھی دیکھا۔ روضہء پاک کے قریب چبوترے پر خواجہ سرا بیٹھے ہیں۔ سفید براق لباس، سفید عمامہ، شالی رومالوں سے کمر باندھے چوب ہاتھ میں لئے انتظام کرتے پھرتے ہیں۔ روضہء منورہ کے اندر ان کے سوا اور کوئی نہیں جا سکتا۔ ان کو حکومت معقول تنخواہیں دیتی ہے۔ زائرین کے نذرانے اس کے علاوہ بیت المقدس میں عیسائیوں کے جتنے بڑے بڑے گرجا دیکھے سب اس قدر تاریک اور دہشتناک ہیں کہ خدا کی پناہ! وہ گرجا جہاں عیسائی عقیدہ کے موافق حضرت مسیح کو صلیب ہوئی اور جو آج کل عیسائیوں کا قبلہ و کعبہ ہے وہاں دن کے وقت ایسا اندھیرا ہوتا ہے کہ بغیر ٹھوکر کھائے کوئی شخص رستہ نہیں چل سکتا۔ گو سارا دن روشنی رہتی ہے یعنی دن کو چراغ جلتے رہتے ہیں۔ اس پر ظلمت کا یہ عالم ہوتا ہے مگر مدینہ منورہ کے حرم میں کچھ قدرتی نورانیت ہے۔ روضہء مبارک چاروں طرف سے عمارتوں میں گھرا ہوا ہے لیکن تاریکی نام کو نہیں۔ میں مسلمان ہوں ایک غیر مسلم کہہ سکتا ہے کہ یہ دعویٰ حسن عقیدت کے سبب ہے مگر نہیں اس کو عقیدت سے کچھ تعلق نہیں۔ اگر غیر مسلم وہاں جا سکتے تو میرے اس بیان کی انصافاً تصدیق کرتے۔ گرجاؤں میں آج تک بجلی کی روشنی نہیں ہوتی۔ بیت المقدس کے بڑے پادری سے میں نے سوال کیا کہ آپ کے ہاں برقی روشنی کیوں نہیں گئی تو جواب دیا کہ ہم لوگ نئی روشنی کو قدیمی گرجاؤں میں نہیں لے سکتے اور زیتون کے مقدس تیل پر اکتفا کرتے ہیں۔ یہ تو ان قوموں کے قبلہ کا حال ہے جو دنیا میں نئی روشنی پھیلانے کیلئے انسانوں کے خواہ مخواہ خون بہاتی ہیں۔ اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کے مقام مقدس کو دیکھو تو وہاں بجلی کی روشنی موجود ہے۔

یہ برقی روشنی سلطان عبدالمجید کی یادگار ہے۔ مغرب سے پہلے زیتون کے تیل کی ہانڈیاں روشن ہونی شروع ہوتی ہیں اور جہاں اذان اور مومنین نماز کیلئے صفیں باندھ کر کھڑے ہوئے۔ موذن نے تکبیر شروع کی کہ ایکا ایکی بجلی کی زور سے چمک ہوئی اور سارے حرم میں برقی ہنڈی جگمگانے لگے۔ منبر رسولؐ اللہ پر نیلگوں برقی قمقمے عجیب بہار دیتے ہیں۔

الغرض مسلمانوں نے اپنے معتدل مذہب کے موافق روشنی کا انتظام بھی درمیانی رکھا ہے۔ نئی روشنی بھی ہے اور پرانی بھی۔ حرم کے اندر ہزار جھاڑ ہانڈیاں پرانی روشنی کی بھی ہیں جن میں موی شمعیں اور زیتون کا تیل جلتا ہے اور بجلی کے لیمپ بھی ہیں لیکن خاص روضہء پاک کے اندر صرف موی اور کافوری شمعیں روشن ہوتی ہیں۔ جن کی روشنی اور پرانی دونوں روشنیوں سے نرالی ہے۔ آفتاب و ماہتاب بھی اس مرکز انوار قبہ کی نورانیت کے آگے منہ سے نہیں بول سکتے۔

نماز کی اصلی بہار دنیا کے پردے پر سوائے حرم رسولؐ کے اور کہیں میسر نہیں آتی۔ مکہ معظمہ میں گو بیت اللہ موجود ہے لیکن یہ کشش وہاں بھی نہیں اور کیونکر ہو۔ جس ذات کے طفیل کعبہ کی عظمت کا علم ہوا وہ تو مدینہ ہے۔

قاعدہ ہے کہ جب حرم رسولؐ میں نماز ہو چکتی ہے تو موذن میناروں پر چڑھ جاتے ہیں اور بلند آواز سے درود اور سلام پڑھتے ہیں۔ قرآن مجید کی تلاوت بھی کرتے ہیں۔ یہ نہایت باثر اور عمدہ دستور ہے۔ پچھلی رات کو یہ صدائیں وہ کیفیت پیدا کرتی ہیں اور سامعین کو ان تجلیات تک پہنچاتی ہیں جن کا اظہار الفاظ میں محال ہے۔ تہجد کے وقت بھی میناروں پر درود خوانی اور قرآن خوانی ہوتی ہے۔ یہ صرف مدینہ منورہ کی نرالی رسم ہے۔ دمشق و بیت المقدس میں بھی اس کا رواج ہے۔ اگلے زمانہ میں اہل ہند کے ہاں بھی یہ قاعدہ جاری تھا۔ میرے آقا حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی کے حالات میں لکھا ہے کہ ابتدائی عمر میں سب سے پہلا واقعہ جس نے آپ کے قلب پر الٰہیت کی پر عظمت کیفیت ڈالی، اسی تلاوت نیم شبی سے تعلق رکھتا ہے۔

ہندوستان کی مساجد میں بھی موذن پچھلی رات کو میناروں پر چڑھ کر موزوں و مناسب آیات کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ پانچ وقت میں صرف صبح کی نماز [illegible] کے پیچھے پہلے

ہوتی ہے۔ ورنہ چار وقت اول حنفی امام نماز پڑھاتا ہے۔ اس کے بعد شافعی حنفی امام کے پیچھے حنبلی، شافعی بھی صدہا ہوتے ہیں۔ تاہم یہ جدا جدا نمازیں اچھی معلوم نہیں ہوتیں۔ حرم نبویؐ میں مسلمانوں کو ہر اعتبار سے یک جان ہو جانا چاہئے۔

جمعہ کے روز بڑی بہار ہوتی ہے۔ مجھ کو دو جمعے میسر آئے جس وقت امام خطبہ میں قبر رسولؐ کی طرف ہذا رسول اللہ کہہ کر اشارہ کرتا ہے تو مسافران دیار پاک بے قرار ہو جاتے ہیں اور دل میں عجیب کیفیت طاری ہوتی ہے۔ ایک دن میں نے یہ رسم نہایت دلچسپی سے دیکھی کہ شام کے وقت شیر خوار بچے قبہ پاک کے اندر سے گزارے گئے۔ معلوم ہوا کہ جمعرات کا دن اس کے لئے مقرر ہے۔ بیسیوں آدمی بچوں کو عمدہ صاف کپڑے پہنا کر گود میں لاتے ہیں۔ ان بچوں کے ساتھ تھوڑی سی روٹی یا مٹھائی بھی ہوتی ہے۔ جب روشنی کے وقت قبہ پاک کھلتا ہے تو خواجہ سرا ان بچوں کو گود میں لے کر گود میں اٹھا قبہ پاک کے اندر مزار شریف کا طواف کرا کے لے آتے جس وقت یہ بچے باہر نکلتے ہیں تو خلقت دیوانہ بچوں پر پر گرتی ہے اور ان کو ہاتھ لگا لگا کر چومنا اور آنکھوں سے لگانا چاہتی ہے۔

بچوں کے لئے یہ بڑے خطرے کا وقت ہے۔ اگر خلقت کو بزور نہ روکا جائے تو بیچارے بچے پس کر چورہ ہو جائیں۔ روٹی اور مٹھائی جو بچوں کے ساتھ ہوتی ہے کنبے رشتہ میں تقسیم کی جاتی ہے اور بچہ والی عورتوں کو سب عورتیں مبارکباد دیتی ہیں کہ بوا تمہاری خوش نصیبی مبارک ہو۔ خدا نے یہ دن دکھایا کہ بچہ رسول خداؐ کے دربار سے فیض یاب ہوا۔

جالی پکڑ کے روضہء اقدس کی اک بار
سب حال دل رسول خدا کو سنائیں ہم

السلام علیکم! یا سید الکونین۔ السلام علیکم یا جدی۔ السلام علیکم یا وسیلتی فی الدین والدین۔

خوش نصیب ہیں یہ آنکھیں جو آپ کے روضہء اطہر کو دیکھ رہی ہیں۔ نصیب والا ہے یہ ہاتھ جو اس نورانی جالی کو تھامے ہوئے ہیں اور زبان کی عزت پر تو جس قدر رشک کیا جائے کم ہے کہ وہ اس زندہ اور زندہ کرنے والے وجود سے کلام کر رہی ہے جس کے آگے سارے جہان کی زبانیں گنگ ہیں۔

یارسول اللہ! آپ کا یہ ناکارہ خلف فرزند حسن نظامی حال دل عرض کرنا چاہتا ہے۔ اس کا ایمان ہے کہ حی قیوم کی عنایت سے اس وقت آپ جامہء حیات میں موجود ہیں۔ دیکھ سکتے

اور کر سکتے ہیں وہ جو نہیں کر سکتا کوئی۔

اسلام۔ آپ کا پیارا اسلام۔ آپ کے خدا کا مقبول اسلام۔ آپ کے جد امجد سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا پسندیدہ اسلام نرغہ میں ہے۔ اعدا نے گھیر لیا۔ اکیلا رہ گیا۔ اس کا کوئی یار و ناصر نظر نہیں آتا۔ عرب دریائے اسلام کا سر چشمہ دن بدن پست ہو رہا ہے۔ دشمن اس کو زیر نگین کرنے کی فکر میں ہیں۔ وہ عرب جس نے ساری دنیا کو زیر نگین کر لیا تھا۔

عرب کی محافظ سیف عثمانی اس کو بھی زنگ لگ گیا۔ صاحب السیف نے حریت کی صیقل سے اس کو صاف کرنا چاہا تھا مگر اس صیقل میں اجانب کے تیز آبی عناصر کی آمیزش سے اندیشہ ہے کہ وہ اس تیز اور دھار دار تلوار کی کاٹ کو بے کار کر دیں گے۔

میں پاک مدینے میں غیروں کے سکے چلتے دیکھتا ہوں۔ غیروں کی تجارت کو پھیلا ہوا پاتا ہوں۔ تو میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور بدن میں سنسنی پیدا ہو جاتی ہے۔

حضور! ایک حکومت کا نقرئی سکہ یہاں پورے دام میں چلتا ہے اور طلائی کے دام اصل سے کچھ زیادہ آتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں ترکی سکہ کو دیکھیں تو تعجب ہوتا ہے کہ باوجود اس کی حکومت کے اس میں بٹہ لگتا ہے۔

سرکار! سکہ حکمرانی کی نشانی ہے تو کیا غیروں نے مدینہ کی حکمرانی میں دخل نہیں پا لیا؟ آہ غیروں کے بنائے ہوئے کپڑے کو یہاں تک فروغ ہے کہ اس میں لپٹ کر بقیع جیسے برگزیدہ مقام میں مردے دفن ہوتے ہیں یعنی آپ کی امت کفن کے لئے بھی غیروں کی محتاج ہے۔

حکومت ہمارے ہاتھ سے نکلی چلی جا رہی ہے۔ چین میں ہم محکوم۔ جاوا میں ہم محکوم۔ مصر میں محکوم۔ تاتار و بخارا میں ہم محکوم۔ ہندوستان میں بھی ہماری حیثیت محکومیت کی ہے۔ گو خدا کا شکر ہے کہ ہندوستان کا بادشاہ ہمارے مذہب میں سروکار نہیں رکھتا اور اس نے ہم کو ہر طرح کی آزادی و آسائش دے رکھی ہے۔ ایران کی کشتی طوفان میں ڈگمگا رہی ہے۔ مراکو کا گلا کٹ چکا۔ خون بہہ رہا ہے۔ آخر وہ بھی تھم جائے گا۔ مصر کو ابھی آنکھ سے دیکھ کر آیا ہوں۔ مسلمان سر بازار شراب نوشی کرتے ہیں اور دین کی کسی بات میں جی نہیں لگاتے۔ افغانستان میں دین و دنیا کی آس نظر آتی ہے مگر وہ بے چارہ دو انجنوں کے بیچ میں ہے ادھر بھی ٹکر ادھر بھی ٹکر۔

اب ہر پھر کے ہم سب کی نگاہیں آپ کے پراسرار دروازہ پر اٹھتی ہیں اور انکشاف غیب پر اپنی ہستی کا قرار تصور کرتے ہیں۔ یارسولؐ اللہ! کاسہ لبریز ہو چکا۔ جلدی ظہور فرمایئے اور بے کس و بے بس امت کی دستگیری کیجئے۔ حضرت مسیحؑ کی امت صرف حکومت ہی کی مالک نہیں ہوئی۔ تمدن و شائستگی اور حسن اخلاق بھی اس نے ہم سے چھین لیا۔ ان ممالک میں مسلمان و نصاریٰ پہلو بہ پہلو آباد ہیں۔ حکمرانی مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے مگر خوشحالی کا اثر مسلمانوں میں نہیں پایا جاتا۔ صورتیں بھی نصاریٰ کی بشاش لباس بھی نصاریٰ کے نفیس۔ گھر بھی نصاریٰ کے آراستہ۔ اخلاق بھی نصاریٰ کے اچھے۔ وہ جھوٹ نہیں بولتے۔ وہ کام سے جی نہیں چراتے۔ تحمل شناسی میں ان کا پلا ہم سے بہت بھاری ہے۔ مصر بیت المقدس، بیروت، دمشق وغیرہ مقامات میں آپ کے غلام نے مسلمان و عیسائی زندگی کو خوب غور کر کے دیکھا۔ زمین و آسمان کا فرق ہے۔

عیسائی طعنہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مذہب اسلام اس زبونی کا ذمہ دار ہے تو ہمارا سینہ پاش پاش ہوتا ہے۔ اسلام کا قصور ہوتا تو ابتداء میں قوم مسیحی سے ہم لوگ کیوں کر برتر ہوتے۔ حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ ہم نے ہی دنیا کو شائستگی اور تمدن کی تعلیم دی تھی اور ہم ہی وہ مسلمان ہیں جو نصاریٰ کی موجودہ خوبیوں سے زیادہ محاسن رکھتے تھے۔ اس زمانہ میں نصاریٰ کا ہم سے بھی گیا گزرا احوال تھا۔ مذہب کا دخل ہوتا تو کہہ سکتے تھے کہ دین مسیحی برا اور دین اسلام اچھا ہے۔

جہاں پناہ! اس عالم افسردگی کے عرض حال کے بعد دو جملے خوشی کے بھی سماعت فرما لیجئے۔ ہم مرے نہیں ہیں۔ ہماری تعداد دنیا میں ریل کی سڑک کی طرح بڑھ رہی ہے۔ ہر سال ہم زمین کے کناروں پر لاکھوں کی شمار میں بڑھ جاتے ہیں۔ دوسرا ثبوت ہماری حیات جاودانی کا یہ ہے۔ حضورؐ کے نام نامی پر ہم سب فدا ہیں۔ ہمارے دل آپ کی محبت میں یکساں شریک و گرفتار ہیں۔ اس مرکز یزدانی کے دائرے سے ہم میں سے کسی کا قدم باہر نہیں نکلا۔ اس لئے ہم کو یقین ہے کہ موجودہ خرابیاں حضورؐ کے ادنیٰ اشارہ لدنی سے دور ہو سکتی ہیں۔

میرا وطن اقامت ہندوستان جاگا ہے۔ اٹھنا چاہتا ہے بلکہ اٹھ رہا ہے۔ ہماری سب افراد میں حرکت پیدا ہوئی ہے۔ تعلیمی جامعہ اسلامی (مسلم یونیورسٹی) کا ستارہ افق امید پر

طلوع ہو گیا ہے۔ ہم اس کو چاند بنائیں گے اور آگے بڑھائیں گے۔ ٹھنڈی روشنی میں حرارت پیدا کریں گے اور تارے کو سورج بنادیں گے۔ اس کوشش میں ہمارے مال، اوقات یہاں تک کہ نفوس قربان ہوں گے اور آپ کے طفیل ہم سب کچھ کریں گے۔

ہم دیکھ رہے ہیں کہ ترقی کی یہ شاہ راہ ہم کو صاف کر کے دی جائے گی۔ یا توڑ پھوڑ کر۔ اگر بیچ میں رکاوٹ ڈالی گئی تو ہم ہر ممکن جدوجہد سے اس رکاوٹ کو دور کریں گے۔ بھلا ہو آغا خان اور امیر علی کا۔ بھلا ہو وقار الملک اور ان کے مددگاروں کا۔ ان کے دل خلوص اور استقلال سے معمور ہیں۔ ان کے حوصلے بڑھیں اور استقامت دین کا قلعہ فتح ہو۔ خیر ہو ہمارے دینی بزرگوں کی۔ سلامت رہیں پیشوایان دین۔ نازل ہو برکت و رحمت حضرت مولانا پیر مہر علی شاہ گولڑوی و حضرت مولانا شاہ بدر الدین پھلواروی و حضرت دیوان سید امام الدین اجمیری و حضرت دیوان سید محمد پاک پٹنی و مشائخ تونسوی و صاحبزادہ گان حضرت محبوب الٰہی و کلیری و حضرت مولانا شاہ سلیمان پھلواروی و میاں وعبدالصمد فخری و صاحبزادہ گان مہاروی و مشائخ نیازی و مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی و سید جماعت علی شاہ علی پوری و استاذی مولوی محمد یحیٰ گنگوہی اور مولوی اشرف علی تھانوی جمیع علمائے دہلی و دیوبند وندوہ و فرنگی محل پر۔

مقبول ہوں خدمتیں خادمان قوم آفتاب احمد خان و نواب مزمل اللہ خان و مولوی شبلی و مولوی حبیب الرحمٰن خان و حاذق الملک و میاں محمد شفیع و مولوی رفیع الدین و سید حسین بلگرامی و خواجہ کمال الدین و شیخ محمد اقبال کی اور فائدہ مند ہوں مسلمان ان کی اور سب خادمان قوم کی خدمت گزاریوں سے ترقی ہو۔ اخبارات قوم، وکیل، وطن، پیسہ اخبار، کامریڈ، آبزرور، البشیر، علی گڑھ گزٹ، دبدبہ سکندری، نیر اعظم، مخزن، تمدن، صوفی، نظام المشائخ، پنجاب ریویو، مشرق، زمیندار، نیر آصفی وغیرہ کی۔ پیدا ہو یکجہتی قوم کے ان سب اخباروں میں۔

فائز المرام ہوں آپ کی محبت میں، کامیاب ہوں دین و دنیا کے مقاصد میں۔ میرے احباب ذوالاخلاص ساکنان دہلی، لاہور، بمبئی، حیدرآباد، جالندھر، ~~لدھیانہ، کوٹہ~~، دیوان، الٰہ آباد، کلکتہ، پٹنہ، امرتسر، جاورا، الور، راجکوٹ، مانگرول، مانا ودر، میرٹھ، کان پور، مدراس، عدن، آگرہ، سیوہارہ، پانی پت، انبالہ، لکھنو، گوالیار، رام پور، سہارنپور، بریلی وغیرہ کے اے

سرور دو جہاں، دہلی کے برباد شاہزادوں کا نالہ و بکا پیش ہے۔ یہ تاج و تخت کو نہیں روتے۔ ان کو روکھی روٹی کا ٹکڑا اور تن ڈھکنے کو چھوٹا موٹا کپڑا درکار ہے۔ ان کی ذلت و رسوائی کی حد ہو چکی۔ بداعمالیوں کا کافی بدلہ مل گیا۔ اب خطا پوش پروردگار سے ان کو معافی دلوائیے۔

امت کے یتیموں پر بھی ایک نظر لطف۔ ان کا مفلسی کے وقت کوئی پرسان حال نہیں۔ در بدر بھٹکتے پھرتے ہیں اور دشمنان اسلام کی کمند کفر میں باندھے جاتے ہیں اور ان لاوارث بیواؤں کی جانب بھی ایک اشارہ نوازش جو گھر کے سرتاج کو روتی ہیں اور مایوس ہو کر آپ کی پناہ میں آتی ہیں۔

اے آمنہ کے جگر کی کور! امت میں بے شمار روحیں دل کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے والی اولاد کے لئے پھڑک رہی ہیں۔ اپنی والدہ ماجدہ کی بھری پوری گود کا صدقہ۔ ان نامرادوں کی بے کلی دور ہو اور قوت غیب کے دربار سے ان کی گودیں فرزندان سعادتمند سے بھر جائیں۔ خصوصاً حیدر آباد کی امیرا بیگم جنہوں نے اس فقیر کو پیام رسانی کی خدمت خاص طور پر سپرد کی ہے۔ یہاں سے کوئی خالی ہاتھ محروم نہیں جاتا۔ امیرا بیگم کو بھی معجزانہ مراد عطا فرمائی جائے۔ امت کے بیماروں کی طرف سے طبیب الکل کی کنڈی کھٹکھٹاتا ہوں۔ جسم و روح کی شفا و تندرستی مانگتا ہوں۔ افلاس زدہ ملک کے بیچارے بیکار افراد کی فارغ البالی و تونگری طلب کرتا ہوں۔ غنی و وہاب خدا سے دلوائیے۔ گناہگاروں کی شرمساری و ندامت خدمت میں لایا ہوں۔ ان کو توفیق نکوکاری مرحمت فرمائیے۔

سوختہ دل عشاق دل کا قرار چاہتے ہیں۔ لیلیٰ صفت محبوب ان محبوبوں سے رستگاری کے خواستگار ہیں۔ جو فرضی قیس بن کر جنونانہ حرکات کرتے اور دامن وقار و عزت کو بدنامی کا داغ لگاتے ہیں۔ میں خود سکوت کا طالب ہوں۔ محویت کامل کا خواستگار ہوں۔ راحت دل، آب چشم، وقت خوش مانگتا ہوں۔ گوشہ عافیت دلوائیے۔ حجرۂ فنا در بقا در فنا تک پہنچائیے تاکہ یہ جالیاں یہ درمیانی حجابات سدراہ نہ ہوں اور منزل ابد قرار ہاتھ آجائے۔ آمین۔

اللّٰھم افتح لنا بالخیر وافتح لنا بالخیر واجعل عواقب امورنا بالخیر بیدک الخیر انک علی کل شئی قدیر۔

کعبہ تو دیکھ چکے، کعبہ کا کعبہ دیکھو

الحاج مولانا خدابخش اظہر شجاع آبادی

کہاں مدینہ طیبہ اور کہاں یہ غلام بے نوا، بس گناہگار پر ان کا بے حد کرم اور ان کی نظر عنایت ہے کہ دور سے ہی گنبد خضریٰ یعنی کعبے کا کعبہ نظر آیا۔ جیسے کہ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی نے بوقت حاضری فرمایا تھا۔

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو

نظر پڑتے ہی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ جوتا اتار دیا۔ گلے میں کپڑا ڈال کر دست بستہ سر جھکا کر مدینہ پاک کے در و دیوار کو چومتے ہوئے اور الصلوٰۃ والسلام علیک یا سیدی یارسول اللہ یا نبی اللہ یا حبیب اللہ ﷺ کا ورد کرتے ہوئے آہستہ آہستہ یہ مجرم اپنے آقا و مولا کی عدالت میں باب السلام سے حاضر ہوا لیکن شرم و ندامت کے دریا میں ڈوبا ہوا، لرزتا اور کانپتا ہوا اور روتا ہوا کہ کس منہ سے اپنے آقا کے سامنے حاضر ہوں۔

اللہ اکبر اپنے قدم اور یہ خاک پاک
حسرت ملٰئکہ کو جہاں وضع سر کی ہے
ہاں ہاں رہ مدینہ ہے غافل ذرا تو جاگ
او پاؤں رکھنے والے یہ جا چشم و سر کی ہے

(اعلیٰ حضرت بریلویؒ)

پھر رحمت للعالمین کی رحمت کاملہ کے طفیل کچھ سنبھل کر مسجد نبوی شریف میں دوگانہ نفل تحیۃ المسجد اور نفل شکرانہ ادا کئے۔ پھر خیال آیا۔ میں جیسا بھی ہوں لیکن پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو کریم، رؤف، رحیم اور شفیع المذنبین ہیں۔ آخر اس در کے سوا اور کون سا در ہے۔ جہاں جا کر وسیلہ تلاش کروں۔ اسی امید پر سر جھکا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے

روضہء انور کی سنہری جالی کے سامنے حاضر ہوا۔ اعضاء سن ہو گئے۔ زبان بند تھی۔ پر دل کا خدا بھلا کرے وہ سر بسجود تھا اور دل ہی محبوب کی بارگاہ میں معروضات پیش کر رہا تھا اور محبوب بھی مسکرا کر فرما رہے تھے کہ الصالحون للہ و الطالغون لی۔ (نیک اللہ کے لئے اور برے میرے لئے ہیں) کافی دیر تک دست بستہ آنسو بہاتا ہوا کھڑا رہا جیسے فقہا فرماتے ہیں کہ یقف کما تقف فی الصلوٰۃ (بارگاہ نبوی میں اس طرح کھڑا ہونا چاہئے جیسے نماز کی حالت میں کھڑے ہوتے ہیں۔) بس اس وقت جو روحانی سرور اور کیف حاصل ہوا۔ اسے قلم لکھ نہیں سکتی اور زبان بیان کرنے سے قاصر ہے۔ عارف کامل حضرت مولانا عبدالرحمن جامی علیہ الرحمتہ کا یہی شعر پڑھتا رہا۔

مشرف گرچہ شد جامی زلطفش
خدایا این کرم بار دگر کن

سرکار دو جہاں کے بعد آپ کے عظیم ساتھی یار غار اور جاں نثار صحابی خلیفہ اول حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ اور حضرت سیدنا عمر فاروق اعظمؓ کے حضور سلام عرض کئے اور ان سے بھی سفارش طلب کی اور پھر روضہء پاک اور منبر نبوی کے درمیان ریاض الجنۃ میں نفل شکرانہ ادا کئے۔ آج میں اپنے بلند نصیب پر ناز کر رہا تھا۔ کہ مجھے میری قبر و حشر کا سامان مل گیا تھا کہ اللہ کے پیارے حبیب کا در اقدس نصیب ہوا بعد ازیں حضور کے عاشق ستون حنانہ کو بار بار چوما جو عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں رویا تھا اور حضور نے اس پر خاص کرم فرمایا تھا۔ خداوند کریم ہمیں بھی یہ دولت عطا فرمائے۔ اگر کھجور کے تنے پر کرم ہو سکتا ہے تو ہم پر بھی ضرور ہوگا جس در سے ابوسفیان، وحشی ہندہ اور عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم محروم نہیں گئے۔ ہم خطاکار کیسے محروم جائیں گے۔ پھر ستون ابولبابہ کے پاس نفل ادا کئے۔ یہ وہی ستون ہے جس سے حضرت ابولبابہؓ نے غزوہ تبوک میں شریک نہ ہونے کے غم میں اپنے آپ کو باندھ دیا تھا۔ پھر حضورؐ نے توبہ قبول فرماتے ہوئے انہیں خود چھوڑا تھا۔ (سبحان اللہ) اس لئے اس ستون کو ستون توبہ بھی کہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اسی ستون کے قریب اعتکاف بیٹھا کرتے تھے۔ الحمدللہ تعالیٰ! بندہ نے بھی مسجد نبوی کے تمام ستونوں کے پاس نماز ادا کی اور بار بار چوم کر گلے سے لگایا۔ خداوند کریم بار بار یہ شرف عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

اتنا کرم ہوا کہ مقدر بدل گئے

سید خالد جاوید مشہدی

جب بیت اللہ میں حاضری کا معاملہ تھا تو میری خواہش تھی کہ میں اکیلا جاؤں۔ اللہ سے اکیلا ہی راز و نیاز کروں، سارے گلے شکوے اور سارے جھگڑے اکیلا ہی کروں لیکن جب دربار نبویؐ میں حاضری درپیش ہوئی تو اکیلے جانے کا حوصلہ نہیں ہو رہا تھا۔

دل چاہ رہا تھا کہ اباجی کے پیچھے چھپ کر چلا جاؤں۔ شاید یہ اپنی کوتاہیوں اور خطاؤں کا شدید احساس تھا جو زنجیر پا بن رہا تھا۔ مجھے متذبذب دیکھ کر اباجی اٹھ کھڑے ہوگئے تو میں بھی اٹھ کر ان کے پیچھے چلنے لگا۔ قدم بقدم چلتے ہم چھتریوں والے صحن میں داخل ہوگئے جہاں سے روضہ انور کا سبز گنبد صاف اور سامنے نظر آتا ہے۔ سبز گنبد کو دیکھتے ہی قدم رک گئے۔ اس گنبد کو تصاویر میں اور ٹیلی ویژن پر تو ہزاروں بار دیکھا تھا لیکن آج میں اپنی کھلی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ میں کتنا خوش نصیب ہوں جس کی زیارت کروڑ پتیوں اور ارب پتیوں کو نصیب نہیں ہوتی۔ آج اس کی زیارت سے مجھ جیسے ناچیز گناہ گار کی آنکھیں ٹھنڈی ہو رہی تھیں۔ احساس تشکر اور ممنونیت سے میری آنکھیں چھلک پڑیں۔

اچانک کہیں قریب سے ہی سسکیوں کی آواز کانوں میں پڑی۔ دیکھا تو ایک دبلا پتلا شخص کندھے جھکائے ہاتھ پھیلائے کھڑا تھا۔ آنسوؤں سے اس کے رخسار بھیگے ہوئے تھے چہرے پر چھایا ہوا گہرا کرب ظاہر کر رہا تھا کہ اس نے رونے کی آواز کو جبر اً دبا رکھا ہے۔ یہ عجیب سلسلہ ہے کہ بیت اللہ میں لوگ دھاڑیں مار مار کر روتے ہیں۔ کعبہ سے چمٹ جاتے ہیں لیکن مسجد نبویؐ میں داخل ہوتے ہی آوازیں خود بخود پست ہو جاتی ہیں۔ کوئی اونچی آواز میں بات نہیں کرتا۔ رونا آتا ہے لیکن گھٹ کر روتے ہیں شائد لاشعوری طور پر ہر ایک کے ذہن میں یہ خیال جاگزین ہوتا ہے کہ آواز اونچی ہوئی تو آپؐ کے آرام میں خلل پڑے گا۔

کوشش یہی تھی کہ آقائے دو جہاںؐ کے حضور پیش ہونے سے قبل کی آلودگی جتنی دھل سکے، دھل جائے۔ ندامت کے آنسو، روح کی آلودگی کے صاف کرنے کا سب سے بڑا

ذریعہ ہیں اور ہمارے پاس ندامت کے آنسوؤں کے سوا اللہ اور اس کے حبیبؐ کے حضور پیش کرنے کے لئے تھا بھی کچھ نہیں۔ آقاؐ کے حضور پیش ہونے سے قبل میں ریاض الجنتہ میں بھی اللہ کے حضور سجدہ شکر ادا کرنا چاہتا تھا۔ یوں تو اللہ کے احسانوں کا شمار ہی نہیں لیکن میرے اللہ کا مجھ پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ میری تمام تر لغزشوں، کوتاہیوں، خطاؤں اور نافرمانیوں کے باوجود اپنے حبیبؐ کے حضور شفاعت کی درخواست پیش کرنے کا موقع مرحمت فرمایا۔ رب کائنات کے رحم و کرم کی بارش بلا امتیاز برستی ہے۔ کسی کو ممانعت نہیں جو چاہے اس آبِ رحمت کے چند چھینٹے اپنے اوپر ڈال لے اور چاہے تو شرابور ہو جائے۔ کم نصیب ہیں جو برستی بارش میں بھی "خشک" رہنے پر اصرار کرتے ہیں۔ اپنے اللہ کے فضل و کرم کی بارش میں بھیگتا ہوا میں ریاض الجنتہ میں داخل ہوا۔

ریاض الجنتہ میں نوافل ادا کرنے کی سعادت حاصل ہوگئی۔ اب دربار رسالت مآبؐ میں حاضری کا مرحلہ تھا۔ آقاؐ کے حضور پیش ہونے کے تصور نے آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگادی۔ یہ نبی پاکؐ کا ہی ظرف تھا کہ شرمندگی کا باعث بننے والے ہمارے جیسے امتیوں کو بھی اپنے گھر بلا لیا تھا۔

آخر کار کندھوں پر بار ندامت، چہرے پر عمر بھر کے پچھتاوے اور آنکھوں میں التجائیں لئے، میں ابا جی کے پیچھے پیچھے دبے دبے قدموں سے چلنے لگا۔ آپؐ کے منبر و محراب کو نظروں سے چومتا ہوا میں روضہء انور کی جالیوں کے سامنے پہنچ گیا۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنیدؒ بایزیدؒ ایں جا

(آسمان کے نیچے ادب و احترام کا حامل یہ مقام عرش سے بھی نازک ہے اس جگہ جنیدؒ و بایزیدؒ جیسے باکمال اولیاء بھی آتے ہیں تو دم سادھ کر بیٹھتے ہیں)

روضہء انور کی جالیوں کے سامنے سے ایک قطار نماز باجماعت کے سوا چوبیس گھنٹے گزرتی رہتی ہے۔ جس میں آقائے دو جہاںؐ کے غلام آپؐ پر درود و سلام پڑھتے ہوئے گزرتے ہیں۔ مجھے اندازہ ہوا کہ میرے پاس تو سلاموں کی وہ طویل فہرست ہے جو اس مختصر وقت میں پڑھی نہ جاسکے گی تو میں قطار سے الگ ہو کر جالیوں کے سامنے والی دیوار کے قریب کھڑا ہوگیا۔

آپ اس کیفیت کا تصور کریں کہ آپ روضہ اقدس کی جالیوں کے سامنے کھڑے ہیں۔ اس ایمان اور یقین کے ساتھ کہ چند قدم کے فاصلے پر سرور کائنات آپؐ کے درود و سلام سن رہے ہیں۔ پوری کائنات کے خالق کے بعد سب سے بزرگ و برتر کے روبرو آپ موجود ہیں جو کہ آپ کی موجودگی سے باخبر بھی ہیں تو آپ کی دل کی کیفیت کیا ہوگی؟ بے تابی دل تقاضا کر رہی تھی کہ جالیوں کے ساتھ ہی دہلیز پر ڈھیر ہو جاؤں اور نکل جائے دم صلی علیٰ کہتے کہتے۔

اگر جالیوں کو چھونے، چومنے اور آقا کی چوکھٹ پر پلکیں بچھانے کی اجازت ہوتی تو پرواتوں کا ہجوم کہیں نہ آتے جاتے۔ وہیں پڑے رہتے۔ بے تابی دل کی یہ کیفیت اقبالؒ پر بھی طاری ہوئی اور اپنی بے بسی اور دکھ کا اظہار انہوں نے اس طرح کیا۔

سجودے نیست اے عبدالعزیز ایں
بروبم از مژہ خاک در دوست

(اے سلطان ابن سعود جسے تو سجدہ سمجھ رہا ہے (اور اس کی ممانعت کر دی ہے) وہ سجدہ نہیں ہے بلکہ میں تو اپنے حبیبؐ کے دروازے کی مٹی اپنی پلکوں سے صاف کرنے کے لئے جھکتا ہوں)

اللہ کی شان کریمی دیکھئے کہ وہ ہم جیسے خطا کاروں کو اپنے اور اپنے حبیبؐ کے حضور حاضری کی سعادت بھی بخشتا ہے اور بخشش کا طریقہ بھی خود ہی بتا دیتا ہے۔

"اگر انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہوتا کہ جب یہ اپنے نفس پر ظلم کر بیٹھے تھے تو تمہارے پاس آجاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسولؐ بھی ان کے لئے معافی کی درخواست کرتا تو یقیناً اللہ کو بخشنے والا اور رحم کرنے والا پاتے۔" (سورہ النساء ۶۴)

اللہ تعالیٰ کے انہی فرامین سے حوصلہ پا کر اس کی رحمت اور شفقت کو آواز دینے کیلئے ہم نے اس کے حبیبؐ کے آستانے پر حاضر ہونے کی جسارت کی تھی تاکہ آپؐ سے اپنے لئے شفاعت کا پروانہ حاصل کر سکیں۔

آں خنک شہرے کہ آنجا دلبر است

صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی

نماز عصر سے کچھ پہلے جب مضافات مدینہ پہنچے اور دور سے گنبد خضرا نظر آیا۔ تو دل کی دھڑکن دفعتہً تیز ہوگئی۔ پتلیاں جم گئیں اور لبوں پر نغمہ درود جاری ہوگیا۔ صدیوں کے ذہنی روحانی سفر کا حاصل آنکھوں کے سامنے تھا۔

پاکستان ہاؤس میں سامان رکھا اور مغرب کے وقت دربار نبوت میں حاضری دی۔ سرزمین مدینہ پر قدم رکھتے ہی پہلا احساس یہ ہوا کہ یہ محض خطہ زمین نہیں سجدہ گاہ عشاق ہے۔ یہی وہ شہر ہے جس کے ذرے ذرے میں عشق و مستی کے خزینے مستور ہیں۔ اس شہر کو مکہ معظمہ کے بعد دنیا کے تمام شہروں پر فضیلت حاصل ہے۔ اس شہر کا اصل مکین وہ جس کی پابوسی کا شرف عرش بریں بھی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ یہ شہر اپنے مقدر پر جتنا بھی ناز کرے اتنا کم ہے کہ اس کی آغوش میں تا قیامت رسول خداؐ آرام فرمارہیں گے۔

یہ شہر اس سے پہلے "یثرب" تھا۔ بیماریوں اور وباؤں کا مرکز لیکن پیغمبر امن و سلامتی اور نبی رحمتؐ نے اسے مدینہ طیبہ بنادیا اور اسی شہر کا ایک گوشہ جہاں درگاہ نبیؐ ہے جہاں قبۃ الخضراء ہے اور جہاں روضہ رسولؐ ہے اس دربار میں کتنے کجکلاہ حاضر ہوئے مگر گدا بن کر اور کتنے صلحا آئے مگر خاک پا ہوکر یہاں تعظیم کی خاطر آنکھیں بے اختیار جھک اور گردنیں بے ساختہ خم ہوجاتی ہیں۔ یہی وہ دربار ہے جس کے حاضر باشوں میں کبھی ابوبکرؓ، عثمان بن مظعونؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ شامل ہوتے ہوں گے۔

جب دربار مصطفیٰ (ﷺ) میں حاضر ہوا تو یقین جانئے سانس گھٹ کر اور دل کی دھڑکن بے نام ہوکر رہ گئی۔

میں نے ایوان صدر بھی دیکھا ہے، وزیراعظم ہاؤس بھی گیا ہوں، گورنر ہاؤس میں چائے بھی پی، وزیراعلیٰ ہاؤس میں بیٹھ کر گپ شپ بھی کی ہے۔ رضا شاہ پہلوی کے قصر سعد آباد میں بھی گھوما پھرا ہوں۔ لنکن کا بکنگھم پیلس بھی وزٹ کیا ہے۔ مجھے ظاہر شاہ (افغانستان) کا محل

دیکھنے کا موقع بھی ملا ہے مگر ان تمام جگہوں کو حیرت سے تو دیکھا ہے عقیدت سے نہیں۔ حسرت سے تو دیکھا ہے محبت سے نہیں۔ یہ بہت عالیشان سہی لیکن ان کی عظمت اس جگہ جتنی بھی نہیں جہاں حضورؐ اپنے مبارک نعلین اتارا کرتے تھے۔ ان محلات کے بیش قیمت قالین اس بوسیدہ چٹائی کے ایک تنکے کے برابر بھی نہیں جس پر والیٔ کونین تشریف رکھتے تھے۔ ان شاہی بنگلوں میں آویزاں فانوسوں میں وہ چمک کہاں جو جاروب کشی کے دوران جمع ہونے والے صحن حرم نبویؐ کے ذرات خاک میں دکھائی دیتی ہے، سلاطین کی ان حویلیوں کی نظافت و نفاست اپنی جگہ لیکن ان میں وہ پاکیزگی کہاں جو نعلین نبیؐ کے تلووں میں لگی ہوئی خاک میں تھی۔ مواجہ شریف میں حاضری کے وقت میری آنکھوں کے سامنے امام مالکؒ گھوم رہے تھے۔ جنہوں نے بیس برس روضہء اقدس کی چھاؤں تلے بیٹھ کر درس حدیث دیا مگر کتاب کا ورق اس آہستگی سے پلٹتے تھے کہ آواز نہ آتی۔ مبادا کہ حضورؐ کے آرام میں خلل آجائے۔ میں جتنی بار مواجہ شریف میں حاضر ہوا اس وقت بھی اور آج تک یہی احساس ہے کہ ایک سہانا خواب تھا جو میں نے دیکھا۔ مجھے اپنے آپ پر، اپنے وجود پر، اپنی حاضری پر اعتبار نہیں آرہا تھا کہ فی الواقع میں اس وقت موجودگی پر یقین نہیں کرسکا۔ کہاں میں اور کہاں در نبوتؐ؟ یہی تو وہ جگہ ہے جو عرش سے نازک تر ہے اور جہاں جنیدؒ و بایزیدؒ دم کشیدہ حاضر ہوتے ہیں۔ میں جتنی دیر وہاں رہا گم رہا۔ نہ اپنی خبر نہ گردو پیش کی خبر۔ ایک سکتے کا عالم تھا جو طاری رہا۔ رویا اس لئے نہیں مبادا سسکی نکل جائے اور آواز اٹھ جائے اور کیا دھرا اکارت چلا جائے۔ جھولی بھی نہیں پھیلائی کہ یہاں بن مانگے سب کچھ مل جاتا ہے۔ صدا بھی نہیں لگائی اس لئے کہ دل حضورؐ پر پلکوں سے دستک دے رہا تھا۔ یہ کیفیت کتنی دیر رہی؟ لمحوں کا حساب تو نہیں رکھا۔ البتہ زندگانی کا حاصل ضرور سمجھا ہے۔

منظر ہو بیاں کیسے الفاظ نہیں ملتے

ذکیہ ارشد حمید

حرم سے باہر آئے۔ مدینہ کی گلیوں میں گھومنے کا شوق ہر طرف لئے پھرا۔ ہواؤں میں آپؐ کے سانسوں کی مہک ضرور ہوگی۔ اس لئے لمبے لمبے سانس لئے کہ وہ ہوا میرے وجود میں بھی چلی جائے۔

تہجد کی اذان کے ساتھ حرم کے دروازے کھل گئے۔ بے تاب لوگ دیوانہ وار اندر بھاگے۔ میری خوش نصیبی کہ جگہ ریاض الجنۃ میں نفل پڑھنے کو ملی۔ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ میں ہوں۔ سر سجدہ سے اٹھانے کی کس میں ہمت ہو سکتی تھی وہ تو خادم میری عبادت میں مخل ہوا اور اذان فجر سے پہلے پیچھے عورتوں والے حصے میں بھیج دیا۔ دالان تو مسجد نبوی کا ہی حصہ ہے۔ میرے لئے یہ بات ہی قابل فخر ہے۔

نماز اشراق کے بعد خواتین کو روضہء اطہر پر حاضری کی اجازت ملی۔ آپ کو خواتین کا بے پردہ ہونا پسند نہیں ہے۔ آپؐ کے در پر جاتے ہوئے میں نے اپنا سراپا اچھی طرح چہرہ سمیت ڈھانپ لیا۔ پاؤں لڑکھڑا رہے تھے۔ مبادا کوئی غلطی نہ ہو جائے۔ کوئی بے ادبی نہ ہو۔ یہاں آ کر بہت ہی سکون ملا۔ ایسا سکون جس پر ہزاروں زندگیاں قربان کی جا سکتی ہوں۔ مجھے یوں لگا جیسے میں بہت ہی مہربان اور شفقت کرنے والے باپ کے سائے میں آ گئی ہوں۔ اس کی چوکھٹ پر اپنے دکھ درد بیان کر سکتی ہوں۔ دل بلک بلک کر رو رہا تھا۔

تقدس بھری خاموشی، درود و سلام کی ہر طرف سے گنگناہٹ، ایک مسحور کن خوشبو ہر طرف پھیلی تھی۔ یہ وہ مقام ہے جہاں بندے کا تعلق دنیا سے ٹوٹ کر رشتہ صرف اللہ اور رسولؐ سے رہ جاتا ہے۔ ابلیس کے پر یہاں آنے سے پہلے ہی جل جاتے ہیں۔ وہ باہر بازار میں منتظر بیٹھا ہے کہ کمزور دل کے لوگ آئیں اور وہ انہیں دبوچ لے۔

روضہ اطہر کے سامنے عقیدت سے سر جھکائے پروانے درود و سلام پڑھ رہے ہیں۔ اپنے گناہوں کا خیال آتے ہی آنسو بہنے لگتے ہیں۔ بخشش کے لئے ہاتھ اللہ کے حضور پھیلے ہوئے ہیں۔

معراج کی سی حاصل سجدوں میں ہے کیفیت

محمد ذاکر علی خان

علی الصبح مکہ معظمہ سے روانہ ہو کر عصر سے قبل دار القرار شہر پر بہار پہنچا۔ سامان کا بیگ پٹکا اور حرم نبویؐ میں داخل ہوا۔ موذن نے لحن داؤدی میں اللہ کی عظمت و وحدانیت اور اس کے رسول کی اعلانیہ شہادت دینا شروع کر دی۔ برسوں کی خشک زمین پر نزول باراں سے جو طراوت پیدا ہوتی ہے سالوں کے فراق زدہ دل کی باراں رحمت نے اس سے کہیں زیادہ آبیاری کی گناہوں کے سیم اور تھور سے بنجر ہو جانے والا دل خانہ خراب ریاض الجنتہ کی کیاری کی طرح لہلہا اٹھا اور دوران نماز بلند و بالا نمازیوں کی موجودگی کا احساس ہوا تو روح مضطر نے قفس کی تیلیوں سے سر پھوڑنا شروع کر دیا۔

معراج کی سی حاصل سجدوں میں ہے کیفیت
اک فاسق و فاجر میں اور ایسی کراماتیں!

نماز ختم ہوئی اور اب دعاؤں کی قبولیت کی باری آئی۔ انتہائے شوق کا تقاضا تھا کہ قدم بڑھاتے ہوئے حد ادب کا حکم تھا کہ پاؤں دبائے ہوئے نگاہ جھکائے ہوئے بار عصیاں پوچھتا تھا کہ کدھر جا رہا ہے مجھ کو اٹھائے ہوئے تو احساس ندامت سے قدم رک جاتے تھے۔ بوجھ کی گرانی محسوس ہونے لگتی۔ وزن کا ایسا بار معلوم ہوتا تھا جو زمین میں گاڑے دے رہا تھا۔ لیکن جب معاً یہ خیال آیا "وما ارسلناک الا رحمتہ للعالمین" تو سارے خوف و ہراس نے دم توڑ دیا۔ حزن و ملال نے پیچھا چھوڑ دیا، امید کی کرنوں میں صاف نظر آیا کہ رحمت کے کنارے آ پہنچا جہاں شفق کی لہریں موجزن ہیں، تشنہ کام دیرینہ ساقی کوثر کے در پر کھڑا ہے جہاں جام لطف و کرم گردش میں ہے۔ مدتوں کے صحرا نورد کو منزل مراد مل گئی تو از سر نو ہمت بندھ گئی۔ مردہ دل میں جان پڑ گئی اور مجھ جیسا بیکس و مجبور، مبتلائے فسق و فجور اپنی فرد عصیاں کھولے، بے بسوں کے والی، بے یاروں کے مددگار، بنی نوع انسان کے سب سے بڑے محسن و غمخوار نبیوں کے سردار شہہ ابرار کی بارگاہ پر عظمت و وقار میں پیش

گیا۔ اس مجرم کی حیثیت سے جسے عفو تقصیر کی بشارت مل گئی ہو۔ جوں جوں سلام پڑھتا! دل کا بوجھ چھٹتا رہا۔ گناہوں کی گٹھڑی بے وزن معلوم ہونے لگی۔ فرد عصیاں کے مسترد اور قبول توبہ کے آثار خورشید صبح کی طرح نمودار ہو رہے تھے، دعاؤں کا حسن نکھرنے لگا، سوچا اس عالم اور اس طفیل میں بہت کچھ مانگوں، سب کچھ مانگوں، مانگتے ہی جاؤں، یہاں تک کہ سب دیکھ لیں کہ منگتا کیسا ہوتا ہے۔ دربانوں کو مجھ سے ہمدردی پیدا ہو جائے، ہر گزرنے والا اپنے ساتھ میرے لئے بھی مانگے آخر کسی طرح تو آقائے نامدار کی نظر کرم کا سزاوار بن سکوں۔ پھر یکدم یہ خیال آیا کہ کہاں ایک ادنیٰ نافرمان اور کہاں وہ ہمیشہ کے مہربان تو مزید ڈھارس بندھ گئی، اس عالم وارفتگی میں اپنے آپ سے زیادہ اپنے عزیز یاد آئے۔ دوست یاد آئے وہ جو ایسے مبارک اور باسعادت موقعوں پر شریک رہے، وہ تمام محسنین جنہوں نے اس در پر سلام پہنچائے اور رسائی کی راہ ہموار کی اور وہ دور افتادگان جن کی جھولیوں کو ابھی یہ دولت میسر نہیں آئی ہے، خدا ان کو بھی اس نعمت عظمٰی سے بہرمند ہونے کا موقع دے۔

سلام کا توشہ نذر سرکار کرنے کے بعد جب باہر نکلا تو مجھے اپنی ندامت پر پر بہت پیار آیا۔ یہی نہیں اپنی گناہگاری کی ادا بھی دل کو بھائی چونکہ شرمساری اور احساس گناہ کی شدت نے اس مقام تک پہنچا دیا جو خواب و خیال میں بھی نہ تھا۔ خداوند کریم ہر معصیت سے دور مگر دولت شرمساری کو بحال رکھے، گناہوں سے ہمیشہ بچائے رکھے لیکن احساس گناہ کبھی کم نہ ہو۔ (آمین)

بڑے لطف کا پہلو یہ ہے کہ اتنا کچھ مانگنے کے بعد جب باہر نکلو تو معلوم ہوتا ہے ابھی مانگا ہی کیا ہے۔ اس طلب آفرینی کا سبب دست سوال دراز کرنے والے کی ضروریات اور مجبوریاں نہیں بلکہ یہ تو سرتاسر تقاضائے رحمت ہے۔ شیوہ رحمت للعالمین کی بہت خفی سی جھلک ہے۔

بیت اللہ کی طرح حرم نبویؐ شریف میں بھی پذیرائی کے ایسے مواقع فراہم تھے کہ جدائی کی پیاس بجھ سکے، رسائی کی ہوس کی شدت کم ہو جائے۔ منبر نبویؐ شریف استوانہ مبارک بلکہ ریاض الجنتہ کی ہر کیاری سجدہ ریزی کے اشارے کر رہی تھی۔ اپنی حالت کچھ ایسی تھی جیسے مہینوں کے فاقوں کے مارے ایسے دسترخوان پر بٹھا دیا جہاں ہر قسم کے لذیز کھانے، فواکہات اور مشروبات چنے ہوں۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ غذا کے چند لقمے حلق سے

اترتے ہی پیٹ بھرنے لگتا ہے۔ بھوک گرنے لگتی ہے۔ اس کے برعکس طلب روحانی رکھنے والے کو جب مطلوبہ نعمتیں دستیاب ہوتی ہیں تو پھر اشتہا کم نہیں ہوتی بلکہ خواہش تیز تر ہوتی جاتی ہے۔ جتنی عبادت کرو جتنے نوافل پڑھو جتنی دفعہ ستونوں کو گلے لگاؤ جالیوں کی زیارت سے آنکھیں سجاؤ، دل یہی چاہتا ہے کہ مشاغل واذکار میں ترقی ہی ہوتی رہے، قدرت قیام بڑھتی رہے اور حضوری کے لمحات کبھی ختم نہ ہوں۔ بے یارومددگار کو محض سہارے کا احساس ہی نہیں ہوتا بلکہ وفور اشتیاق میں بہت کچھ نظر آنے لگتا ہے۔ دل کی آنکھوں میں بینائی پیدا ہونے لگتی ہے۔ کرم نوازیوں کے ظہور سے ادنیٰ غلام نشہ کیف وسرور میں اس ق · سرشار ہوجاتا ہے کہ حرم سے باہر نکلنے کو آمادہ ہی نہیں ہوتا اور جب باہر آتا ہے تب بھی انوار کی فراوانی محسوس ہوتی رہتی ہے۔ اسی وجہ سے حاضری کے بعد واپسی پر بے قراری میں اضافہ لئے لوٹتا ہے۔ دیرینہ ارمان اور التجائیں پوری ہونے کے بعد نئی آرزوئیں نئی امنگیں بڑی آب وتاب سے نمودار ہوجاتی ہیں۔ جو فراق کو کیف آفرین بنادیتی ہیں۔ پھر وہ دن بھی آتا ہے جب یہ تمنائیں رنگ لاتی ہیں۔ دعاؤں کے پھول کھلنے لگتے ہیں۔ گرمی فراق باران رحمت کا موجب بنتی ہے اور یہی بے تابی اور بے قراری رسائی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

اک شہرِ نور تھا مری آنکھوں کے سامنے

رباب عائشہ

جب ہم نے مدینہ کی فضاؤں پر قدم رکھا اس وقت مغرب کا وقت ہونے والا تھا۔ ہمارے لبوں پر درود شریف جاری تھا۔ جب میں مغرب کی نماز سے چند لمحے قبل مسجد نبویؐ میں داخل ہوئی تو دل کی دنیا میں ایک طوفان بپا تھا۔ جذبات کا ایک ریلا تھا جو آنکھوں کے ذریعے باہر نکلنے پر زور لگا رہا تھا۔ میں جلد از جلد روضہء مبارک پر حاضر ہو کر رسول پاکؐ کی خدمت میں سلام عرض کرنا چاہتی تھی۔ مگر نماز کے بعد مجھے بتایا گیا کہ اپنی اس آرزو کی تکمیل کیلئے مجھے مزید بارہ چودہ گھنٹے انتظار کرنا پڑے گا کیونکہ خواتین کے لئے روضہء رسولؐ پر جانے کے اوقات صبح سات بجے سے گیارہ بجے تک اور دوپہر ڈیڑھ بجے سے تین بجے تک ہیں۔ مسجد نبویؐ میں خواتین کے جس حصے میں، میں نے نماز ادا کی اس کی تزئین و آرائش اور اس کی سج دھج کو الفاظ میں ادا کرنا میرے بس کی بات نہیں ہے۔ مسجد نبویؐ کے وسیع و عریض دروازوں، اس کے ستونوں اور اس کی دیواروں پر جو کام کیا گیا ہے۔ وہ ہنر مندوں کے فن کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ جگہ جگہ آویزاں جگمگاتے سنہرے پیتل پر بنے نقش و نگار، سنگ مرمر کے چمکتے ہوئے فرش، ان پر بچھے صاف ستھرے قالین، جگہ جگہ سنہری الماریوں میں رکھے کلام پاک کے نسخے، ہزاروں کی تعداد میں آب زم زم سے بھرے کولر، اتنے وسیع اور عریض ہال کہ ان میں بیک وقت کئی کئی ہزار نمازی نماز ادا کرلیں۔ جب تک ان سب انتظامات کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھا جائے، انسان ان کا تصور بھی نہیں کرسکتا..... اور سب سے بڑھ کر اس فضا میں پھیلا سکون اور طمانیت کا وہ احساس جو رگ رگ میں اترا جارہا تھا۔ میں حیران، ششدر سوچ رہی تھی کیا یہ زمین کا کوئی خطہ ہے یا جنت کا کوئی ٹکڑا زمین پر اتر آیا ہے..... سچی بات یہ ہے کہ اس سرزمین کو یہ عزت، یہ مقام، یہ افتخار میرے محبوب سرکار دو جہاں رسول پاکؐ کے صدقے میں ہی تو ملا ہے۔ وہ یہاں ہیں تو یہاں کی فضا میں ان کی خوشبوؤں سے معطر ہے۔ ان کے قدموں نے اس سرزمین کو چھوا ہے۔ اس ہی لئے تو اللہ کی نعمتیں، اس کی

عنایتیں اس زمین پر برس رہی ہیں۔

صبح سات بجے سے قبل میں اس بڑے گیٹ کے سامنے ان بے شمار عورتوں کے درمیان کھڑی تھی جو دروازہ کھلنے کا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہی تھیں کہ کب یہ دروازہ کھلے اور کب وہ اس سے گزر کر روضہ رسول تک پہنچ سکیں۔ آخر دروازہ کھلا تو میں بھی کئی سو عورتوں کے ریلے میں بہتی آگے بڑھنے لگی۔ عورتیں بہت زیادہ تھیں۔ ہر ایک کو روضہ پاکؐ کی جالیوں تک پہنچنے اور ''ریاض الجنتہ'' میں نماز پڑھنے کی جلدی تھی۔ میرے ذہن میں بار بار خیال آ رہا تھا کہ میرے حبیب شہنشاہ دو جہاں محبوب خداؐ نے کسی کو تکلیف دینے سے منع فرمایا ہے۔ وہؐ تو مجسم عطا تھے۔ زندگی کے ہر لمحے میں لوگوں کو کچھ نہ کچھ عطا کرتے رہے۔ میں کیسے عورتوں کے اس ہجوم کو دھکا دے کر کہنی مار کر یا لوگوں کے ہجوم کو چیر کر آگے جا سکتی تھی۔ میں ایک ستون سے ٹیک لگائے خاموش کھڑی تھی۔ میرے سامنے دور روضہ رسول پاکؐ کی سبز جالیاں تھیں مگر میرے قدم من من بھر کے ہو گئے تھے۔ میں زندگی بھر اس لمحہ کا انتظار کرتی رہی تھی کیا اب میں چند لمحے اور بھیڑ کے چھٹ جانے اور اپنی باری آنے کا انتظار نہیں کر سکتی تھی؟ یہاں مردوں اور عورتوں کے حصوں کو الگ الگ کرنے کے لئے پارٹیشن لگایا گیا ہے۔ عورتیں اس سرے سے لے کر دوسرے رنگ کے خاکستری قالین پر دو رکعت نماز ادا کر رہی تھیں۔ روضہ اقدسؐ سے منبر مبارک، وہاں سے موذن کے چبوترے اور چبوترے سے روضہ مبارک تک 22 میٹر 15X میٹر مستطیل حصہ ''ریاض الجنتہ'' کہلاتا ہے۔ اس حصے کے بارے میں ارشاد نبویؐ ہے۔ ''میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان کی جگہ بہشت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔'' یہاں نمازیں پڑھنے کا بہت ثواب ہے۔ میں نے دوسرے رنگ کے قالین کے پچھلے حصے میں دو نفل ادا کئے اور پیچھے ہٹ کر ایک جگہ بیٹھ کر درود شریف پڑھنے لگی۔ اچانک ایک خاتون نے میرا کندھا ہلا کر کہا آپ نے پارٹیشن کے پاس جا کر اگلی صفوں میں نماز پڑھی ہے یا نہیں؟ میں نے کہا مجھے اچھا نہیں لگا کہ میں عورتوں کو دھکے دیتی ہوئی آگے بڑھوں اور لوگوں کو اذیت پہنچاؤں۔ اس اجنبی خاتون نے کہا کہ آپ کا جذبہ قابل تحسین ہے۔ تھوڑی دیر میں رش کم ہو جائے گا۔

آپ آگے جا کر دو نفل ضرور ادا کریں۔ کیونکہ رسولؐ نے ریاض الجنتہ کی جو نشاندہی کی تھی اس کا بیشتر حصہ مردوں کی طرف ہے۔ عورتوں کی طرف صرف اتنا حصہ آیا ہے جو مشکل سے دو

صفوں کا بنتا ہے۔ یہ کہہ کر وہ عورت بھیڑ میں گم ہوگئی اور میں ششدر سی سوچتی رہ گئی۔ وہ یقیناً کوئی فرشتہ تھا جو میری رہنمائی کرنے آیا تھا۔ آخر وہ وقت آگیا جب مجھے آگے جا کر پہلی صف میں نفل ادا کرنے کا موقع مل گیا۔ روضہ رسولؐ کی جالیوں کے پاس جا کر میں نے حضورؐ کی خدمت میں جب سلام عرض کیا تو دل کی حالت غیر تھی، آنکھیں برس رہی تھیں۔ حضور اکرمؐ کے روضہ اقدس کے سامنے آنکھوں سے عقیدتوں کی ایسی جھڑی لگی کہ روح تک اس میں نہا گئی۔ آنکھیں برس رہی تھیں اور میں اپنے لئے اپنے عزیزوں کے لئے اپنے ابو مرحوم اور اپنی امی مرحومہ کے لئے شفاعت کی دعائیں مانگ رہی تھی۔ یہ وہ لمحہ تھا جب لاتعداد لوگ تھے جن کی شکلیں میری نگاہوں کے سامنے آتی جا رہی تھیں اور دل سے دعائیں نکلے جا رہی تھیں۔ میرے دادا، دادی، نانا، نانی، ماموں، خالہ، پھوپھی، وہ تمام عزیز جو اس فانی دنیا سے جا چکے ہیں۔ ان کیلئے رسول پاکؐ کی شفاعت طلب کر رہی تھی۔ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ اور سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں سلام کرنے کے بعد جب میں حجرہ فاطمہؓ پہنچی کہ جہاں خاتون جنت پیارے رسولؐ کی لاڈلی بیٹی نے اپنی زندگی کے دن گزارے تھے۔ تو ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے۔ مجھے نہیں معلوم کتنا وقت گزرا اور میں وہاں کتنا روئی۔ بس یہ احساس ہے کہ آنسوؤں کا ایک دریا تھا جو آنکھوں سے رواں تھا اور میری چادر کو بھگوئے جا رہا تھا۔

شوق و نیاز و عجز کے سانچے میں ڈھل کے آ

حکیم راحت نسیم سوہدروی

بس سے اترے تو سامنے گنبد خضراء اور مسجد نبویؐ پر نظر پڑی۔ روح میں جیسے تازگی آ گئی۔ اپنی خوش بختی پر ناز تھا۔ طبیعت کو سکون و قرار مل رہا تھا۔ اقامت گاہ میں گئے۔ سامان رکھا، غسل کیا اور باوضو ہو کر مسجد نبویؐ میں جانے کے لئے تیاری کرنے لگے۔ شام کے ساڑھے چھ بج رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد اذان کی مسحور کن آواز آئی۔ ہم تیزی سے مسجد نبویؐ پہنچے۔ کوئی تین چار منٹ کا فاصلہ ہوگا۔ مرکزی دروازہ باب السلام سے داخل ہوئے۔ خواتین کے لئے الگ حصہ بنایا گیا ہے۔ مسجد الحرام کی طرح یہاں مرد و زن کو مل جل کر نماز پڑھنے کی اجازت نہیں۔ خواتین کے روضہء رسولؐ پر حاضری کے اوقات مقرر ہیں۔ ان اوقات میں مردوں کو ادھر جانے سے روک دیا جاتا ہے۔ مسجد پوری طرح نمازیوں سے بھر چکی تھی۔ سکون و سلامتی اور ادب و احترام کا ملا جلا ماحول تھا۔ نہ شور و غل نہ دھکم پیل۔ مکمل خاموشی، سکون اور طبیعتوں میں قرار تھا۔ یہ وہی مسجد نبویؐ ہے جس کی بنیاد حضورؐ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے رکھی تھی جہاں بیٹھ کر آپؐ نے جزیرۃ العرب کو اسلام کے نور سے منور کیا تھا۔ یہاں پر ہی عرب متحارب قبائل کو متحد کر کے دنیا کی ناقابل تسخیر اور منظم قوم کا روپ دیا تھا۔ اللہ کے بندوں کا اللہ سے تعلق جوڑا اور انسان کو انسان کی غلامی سے نجات دلائی۔ نماز ادا کرنے کے بعد درود شریف کا ورد کرتے ہوئے سیدھے ہاتھ چل دیئے۔ نظر روضہء اطہر پر پڑی تو آنکھوں سے اشکوں کا سیلاب بہنے لگا۔ بارگاہ رسالت میں حاضری اک خواب سی لگ رہی تھی۔ حد ادب سے جسم پر لرزہ اور دل پر ہیبت طاری ہوگئی۔ درود و سلام پڑھ رہا تھا اور زبان پر یہ کلمات جاری تھے۔

السلام اے سرور کون و مکاں — السلام اے رحمت ہر دو جہاں
السلام اے رحمت اللعالمین — السلام اے صادق الوعد الامین

آواز بڑی دھیمی تھی کہ یہ مقام ادب تھا۔ اس کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے۔ خاصے لوگ موجود تھے۔ جو سلام پیش کر رہے تھے کئی پاکستانی بھائیوں کی حرکات و سکنات اور دین سے نابلد ہونے کے متعدد مناظر دیکھے۔ سعودی عرب میں روضہء رسولؐ کی جالیوں کو چومنے اور

ہاتھ لگانے کو شرک سمجھا جاتا ہے جس کے تدارک کے لئے سعودی حکام نے سخت انتظامات کر رکھے ہیں۔ بدعت کا یہ تصور دنیا کے کسی ملک میں نہیں پایا جاتا سوائے پاکستان اور بھارت کے۔

میں روضہ مبارکؐ کے سامنے مودب کھڑا تھا۔ کچھ دیر بعد ہوش آیا تو جالیوں سے جھانکا غلاف مزار کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ یہ میرے آقاؐ کا روضہ تھا۔ جی چاہا کہ اس سے لپٹ جاؤں لیکن ادب و احترام ملحوظ رکھنا شرط اولین تھی۔ ایسے میں فرط جذبات وعقیدت میں حد سے آگے بڑھ جانا شرک کا خطرہ تھا۔ شرک تو خدا اور محبوب خداؐ دونوں کو منظور نہیں۔ یہ ظلم عظیم اور ناقابل معافی گناہ ہے۔ مشرک جہنم میں جلتا، سڑتا رہے گا اسکو معافی نہ ہوگی۔ مشرک کا حج نہیں ہوتا۔ اللہ کا شریک ٹھہرانا کفر عظیم ہے اللہ اور بندے کے درمیان واسطہ شرک ہے۔ جذبات عقائد پر غالب آرہے تھے یہ بڑا سخت مقام تھا۔ مجھ میں وہاں کھڑا ہونے کی سکت نہ رہی اور ہجوم عشاق میں سے نکل کر روضہ اطہر کے پہلو میں اصحاب صفہ کے چبوترے پر چلا آیا۔ نظریں روضہ رسولؐ پر تھیں۔ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو ہوش وحواس میں شرک پرستی کا ارتکاب کر رہے تھے۔ حبیب خداؐ سے مانگ کر انہیں کاروبار خدائی میں شریک خیال کر رہے تھے۔ کچھ روضہ کی جالیوں کو چومنے یا کپڑے لگانے کے چکر میں تھے۔ جب برصغیر کے لوگ ایسی حرکات کرتے ہیں تو سعودی حکام کے متعین آدمی ایسے لوگوں کو اشاروں سے تاکید کرتے ہیں کہ اللہ سے مانگو۔ پوری مسجد روشنیوں سے بقعہ نور بنی ہوئی کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ پاکستان اور ملائشیا کے افراد کی اکثریت تھی۔ یہاں طبیعت کو عجیب سرور وسکون مل رہا تھا۔ نماز میں جو لذت اور کیف وسرور یہاں ملا وہ حرم کعبہ کے علاوہ آج تک کہیں نہ مل سکا۔ حرم میں صرف اللہ کا جلال تھا۔ یہاں اللہ کے حبیبؐ کے روضہ کا جمال تھا۔ خانہ کعبہ کی طرح یہاں ہر طرف خوشنما برقی فانوس جگمگا رہے تھے۔ یہ نظارہ جنت نگاہ تھا۔ خوش قسمتی تھی کہ اصحاب صفہ کے چبوترے پر آسانی سے جگہ مل گئی۔

صفہ سایہ دار جگہ کو کہتے ہیں۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں وہ مسلمان رہتے تھے جن کا کوئی گھر بار تھا نہ بیوی بچے۔ یہ اہل صفہ کہلاتے تھے۔ یہ برگزیدہ حضورؐ سے علم وحکمت کی تعلیم حاصل کرتے اور دعوت دین کے لئے مختلف مقامات پر جاتے۔ مدینہ میں اس جگہ کی فضیلت اور اہمیت تھی جو مکہ میں حضرت ارقمؓ کی رہائش گاہ کو حاصل تھی۔ یہاں تعلیم وتربیت ہوتی۔ درس وتدریس ہوتی۔ میں حیرت واستعجاب میں گم تھا۔ خود کو مقام اصحاب صفہ پر پا کر مسرت سے آنکھوں میں آنسو چھلک پڑے۔ روح مسحور ہوگئی۔

لبیک یا رسول اللہ ﷺ لبیک

ریاض حسین چوہدری

مسجد نبویؐ کے جوار میں واقع ایک ہوٹل میں، میں نے غسل کیا۔ نئے کپڑے زیب تن کئے۔ میری ہمشیرہ نے مجھے خوشبوؤں میں بسا دیا۔ اس لئے کہ اس کا بھائی حضورؐ کا ایک ادنیٰ سا شاعر اپنے آقا کی بارگاہ میں حاضری دینے جا رہا تھا۔ تمناؤں، آرزوؤں اور خواہشوں کا ایک لشکر اس کے ہمراہ تھا۔ آنسوؤں، ہچکیوں اور سسکیوں کا سیل بے پناہ اس کے ساتھ روانہ ہوا تھا۔ میرا چھوٹا بھائی اظہر مجھے اشتیاق سے دیکھ رہا تھا۔ آخر اس سے رہا نہ گیا اور کہنے لگا۔ بھائی جان میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ جب آپ اپنے آقا کی بارگاہ میں پیش ہوتے ہیں تو آپ پر کیا گزرتی ہے۔ یہ سن کر میں کانپ اٹھا۔ اب میں اسے کیا بتاتا کہ ایک مجرم اپنے آقا کی عدالت میں حاضر ہو رہا ہے۔ رسوائیوں اور ندامتوں کے سوا اس کے دامن میں کچھ بھی نہیں کیا۔ تم میری رسوائیوں کا تماشا دیکھنا چاہتے ہو؟ نہیں اظہر نہیں اور اقبالؒ کی یہ رباعی میرے ہونٹوں پر مچلنے لگی۔

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر ۔۔۔ روز محشر عذر ہائے من پذیر
گر حسابم را تو بینی ناگزیر ۔۔۔ از نگاہ مصطفیٰ پنہاں بگیر

اے میرے پروردگار تو غنی ہے اور میں ایک فقیر بے نوا۔ حشر کے روز میرے عذر کو پذیرائی بخش کر میری خطاؤں سے درگزر کرنا۔ اگر میرا حساب لینا ناگزیر ہو جائے تو مجھے میرے حضورؐ کے سامنے رسوا نہ کرنا۔ میں حضورؐ کی شفیق نگاہوں کی تاب نہ لا سکوں گا۔ میں نے جلدی سے اظہر اور زاہد غنی (اپنے بہنوئی) سے ہاتھ ملایا اور تیز قدموں سے سیڑھیوں کے ذریعہ نیچے اترنے لگا۔ الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ پڑھتے ہوئے بدن پکار اٹھا۔ ہوٹل مسجد نبویؐ کا درمیانی فاصلہ چند قدموں پر محیط تھا لیکن مجھے یوں لگا جیسے یہ فاصلہ صدیوں پر پھیل گیا ہو۔ مجھے یوں لگا جیسے میں صدیوں سے اس سفر پر رواں ہوں، رستے گزر رہے ہیں لیکن منزل قریب نہیں آ رہی۔

وہ دن ان گنت تمناؤں، آرزوؤں، مسرتوں کی خلعت فاخرہ میں لپٹا ہوا ایک روشن اور منور دن، کلیوں کی نرماہٹ کا تابندہ احساس لئے ہوئے ایک جھلملاتا ہوا دن میری حیات کیفیات میں ڈوبا ہوا ایک شگفتہ اور گداز دن ایک عجیب سا سرور اور ایک عجیب سا نشہ رگ و پے میں سرایت کر رہا تھا۔ حد نظر تک پھیلا ہوا ایک دلنواز اور دل آویز منظر جس پر نئے دن کا مسکراتا ہوا سورج اپنی روپہلی کرنیں بکھیر رہا تھا، میرے سامنے تھا۔ یہ دلنواز اور دل آویز منظر مجھے میرے ہونے کا احساس دلا رہا تھا۔ چاروں طرف انوار سرمدی کی بارش ہو رہی تھی۔ نور کا باڑا بٹ رہا تھا۔ عمرہ کی ادائیگی اور حرم کی سرزمین پر سجدۂ بندگی ادا کرنے کے بعد میں مدینۃ النبیؐ کی خاک شفا کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنانے کی سعادت حاصل کر رہا تھا۔ ایک دیوانہ اپنے سرہانے غلامی کی زنجیر رکھ کر سونے والا دیوانہ اپنی آنکھوں میں حیرتوں کے سمندر چھپائے ہونٹوں پر درود و سلام کے گجرے سجائے اور اپنی دونوں ہتھیلیوں پر عشق مصطفیٰ علیہ السلام کے چراغ جلائے دیوانہ وار شہر حضورؐ کی معطر معنبر اور مقدس گلیوں میں آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کے ڈگمگاتے ہوئے قدم آہستہ آہستہ مسجد نبویؐ کی جانب بڑھ رہے تھے۔ احساس ندامت قدم قدم پر دامن گیر تھا۔ ماتھے پر عرق انفعال کے چمکتے ہوئے قطرے خطاؤں اور گناہوں کی ایک طویل داستاں بیان کر رہے تھے۔ یہ روز روز عید تھا۔ پلکوں کا میلہ سا لگا ہوا تھا۔ پس مژگاں رتجگے کا سا سماں تھا۔ یہ عید میرے لئے اربوں کروڑوں عیدوں سے بڑھ کر ایک ایسی عید تھی جس کے دامن میں روز اول سے میرے سلگتے ہوئے آنسو جذب ہو رہے تھے اور میں نے وادی خیال میں پیدا ہونے والی جلال و جمال کی تمام تر رعنائیاں جس عید کے انتظار میں پلکوں کی دہلیز پر نثار کر دی تھیں۔ آنکھوں نے پلکوں پر آنسوؤں کی کناری سی لگا دی تھی۔ حریم دیدہ دل میں چراغاں ہو رہا تھا۔ سارا منظر اپنی دائمی رعنائیوں کے باوجود دھندلا دھندلا سا لگ رہا تھا۔ میں کبھی اپنے آپ کو دیکھتا، من کے اندر تاریکیوں کے سوا کچھ نظر نہ آتا اور کبھی نگاہیں شہر پیغمبرؐ کے در و دیوار کو چومتیں جہاں اجالے ہی اجالے بکھرے ہوئے تھے جہاں دھنک کے ساتوں رنگ ادب و احترام کی قندیل تھامے آہستہ آہستہ اتر رہے تھے، اندر کا موسم خوشگوار سے خوشگوار تر ہوتا چلا جا رہا تھا۔ کشت آرزو میں باد بہاری چل رہی تھی۔ شمیم خلد مدینہ چاروں طرف محو خرام تھی۔ قریۂ جاں کے کسی دور دراز گوشے سے ایک کمزور سی آواز ابھری۔ اس کمزور سی آواز نے میرے پورے وجود کو

ہلا کر رکھ دیا۔ مجھے میری اوقات یاد دلا دی۔ اندر کی ساری ندامت پیشانی پر اُمڈ آئی۔ ریاض! تمہارے نامہ اعمال میں رسوائیوں اور بداعمالیوں کے سوا کچھ بھی نہیں، تیری فرد جرم بڑی طویل ہے، تیری دونوں ہتھیلیوں پر اس فرد جرم کے اوراق دھرے ہوئے ہیں۔ ان اوراق پر تیرے ایک ایک جرم کی تفصیل درج ہے۔ تیرا سینہ منافق ساعتوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔ تیرے من میں نفرتوں کا لاوا کھول رہا ہے۔ تیرے ظاہر و باطن میں ہر طرف کثافت اور غلاظت کے ڈھیر سے لگے ہوئے ہیں، تمہاری یہ جرات کہ والی کون و مکاںؐ کے دربار گہر بار میں چلے آئے ہو، کیا منہ لے کر حضورؐ کی بارگاہ بے کس پناہ میں جا رہے ہو؟ بندہء گستاخ رک جا! خبردار ایک بھی قدم آگے نہ بڑھانا، ضمیر کی عدالت سے فیصلہ صادر ہو رہا تھا، میں سہم گیا، قدم رک گئے، کم مائیگی اور تہی دامنی کی زنجیریں بن گئی۔ جسم شرمساری کے پسینے میں ڈوب گیا، میں عالم تحیر میں لم جوار مسجد نبویؐ میں کھڑا تھا، قدم تھے کہ اٹھائے نہ اٹھتے، نظریں تھیں کہ زمیں میں گڑی جا رہی تھیں۔ اس عالم بے بسی میں میرے سرکارؐ کی رحمت دستگیری کے لئے آگے بڑھی، میرے ہاتھوں میں بیاض نعت تھی۔ میرے رتجگوں کا حاصل حصار ہجر نوائے بردہ میری دعائے نیم شبی کا ارمغان میرے آنسوؤں، ہچکیوں اور سسکیوں کا آئینہ میرے عقیدوں، محبتوں اور خود سپردگیوں کا سرنامہ، دل کو قدرے دلاسہ ہوا، عالم وجد میں قریہ جان و دل میں جود و عطا کی سبز سبز بوندیں اترنے لگیں۔ ایک عجیب سا احساس جاگ اٹھا۔ چلو سوت کی انٹی ہی سہی شاید میرا نام بھی یوسفؑ کے خریداروں میں شامل ہو جائے۔ روح اور دل پشیماں ہو کر سلگ اٹھے۔

کیا عجب سگانِ کوئے مدینہ کی رضا کے جویا ہونے کے صلے میں مجھ گناہگار کو بھی شرف باریابی سے سرفراز کیا جائے، کیا عجب ثناء خواں مصطفیٰ علیہ السلام اور غلامان رسول کی کشف برادری کے بدلے دربار مصطفیٰ علیہ السلام کے کسی کونے کھدرے میں مجھے بھی جگہ مل جائے۔ اس احساس غلامی کے بیدار ہوتے ہی میری ذرا سی ڈھارس بندھی، ایک نیا حوصلہ ملا، ایک پرکیف بانکپن اور ایک عجیب سرشاری کا شعور عطا ہوا۔ تھوڑا سا اعتماد بحال ہوا تو سنبھل کر کھڑا ہو گیا۔ ذہن میں یہ خیال بجلی کی طرح کوند گیا کہ میں لاکھ برا سہی، لاکھ خطا کار سہی، چہرہ زمانے بھر کی سیاہی سے آلودہ سہی لیکن پھر بھی اپنے شفیق اور مہربان نبی کا امتی تو ہوں۔ دعویٰ لاکھ جھوٹا سہی لیکن ان کی محبت کا دم تو بھرتا ہوں۔ میرے آقا پیکر عفو و کرم ہیں، ان کی

رحمت کی کوئی حد نہیں، ان کے در سے کوئی سوالی خالی ہاتھ نہیں لوٹا، سب کا بھرم رکھنے والے آقا مجھ روسیاہ کا بھرم بھی رکھیں گے۔ سب کے زخموں پر مرہم رکھنے والے رسول آخرؐ مجھے بھی رحمت کی شال عطا کریں گے۔ وہ کہاں کسی کا نام ونسب اور کب کسی کا ہنر دیکھتے ہیں، مجھ بے ہنر کے برہنہ سر پر بھی دست شفقت رکھیں گے۔ وہ تو کرم ہی کرم ہیں، رحمت ہی رحمت ہیں، عطا ہی عطا ہیں کیا عجب مجھ سے روسیاہ کو بھی اپنی کملی کے اجالوں میں چھپالیں، کیا عجب ایک اچٹتی سی نگاہ مجھ جیسے پرتقصیر پر بھی ڈال لیں اور میرے مقدر کا ستارہ چمک اٹھے کیا عجب...... کیا عجب...... کیا عجب...... اور میری آواز رندھ گئی ہچکی بندھ گئی...... یا رسول اللہؐ ایک دیوانہ اذن بازیابی کا منتظر ہے یا حبیب اللہؐ اپنے خادم کو حاضری کی اجازت مرحمت فرمایئے۔ یا رسول اللہؐ اس بھری دنیا میں کوئی پرسان حال نہیں، کوئی اس کے آنسو پونچھنے والا نہیں، کوئی اس پر نگاہ التفات ڈالنے والا نہیں، کوئی اس کے زخموں پر مرہم رکھنے والا نہیں۔ آقا یہ پریشان بھی ہے اور پشیمان بھی۔ یہ آرزوؤں اور تمناؤں کا ایک طوفان دل میں چھپائے کرم کا منتظر ہے، حضورؐ چشمان مبارک اٹھایئے، آقا نگاہ کرم کیجئے۔

ضبط کا بندھن بار بار ٹوٹ رہا تھا۔ تمام آرزوئیں اور تمنائیں سیل اشک میں خس و خاشاک کی طرح بہنے لگیں۔ یا رسول اللہؐ انظر حالنا، یا رسول اللہؐ انظر حالنا، دل نے ایک بار پھر ٹوکا، ریاض! ذرا سنبھل کر قدم رکھ، یہ سرزمین محبوبؐ خدا ہے یہاں کے ذرے ذرے میں مشاق مصطفیٰ علیہ السلام کے دل دھڑک رہے ہیں۔ یہ خطہ دلنواز آج بھی میرے حضورؐ کے نقش کف پا سے پھوٹنے والی شعاعوں سے جگمگا رہا ہے۔ دیار دل کا ہر منظر کشور روح کا ہر پیکر کیف حضوری میں ڈوب گیا۔ ہر موئے بدن حرف سپاس بن گیا۔ نظریں آسمان کی طرف اٹھ گئیں اور ہاتھ دعا کیلئے پھیل گئے۔ اے قادر مطلق! اے بنجر زمینوں کی طرف کالی گھٹاؤں کا حکم سفر دینے والے رب! میری پلکوں پر جھلملانے والے لشکر کے آنسو قبول فرما۔ باری تعالیٰ! تو نے اپنے گناہگار بندے کو اس کی تمام تر رسوائیوں کے باوجود شہر حبیبؐ کی زیارت کا شرف بخشا ہے تو اب اپنے محبوبؐ کے ادنیٰ سے خادم کی حاضری کو لمحات حضوری میں بدل دے! اے میری سانسوں کے مالک رحیم و کریم رب! میں تیرے محبوبؐ کے دربار میں حاضری کے آداب سے واقف نہیں ہوں۔ میرے ذوق اور میرے شوق کو حد ادب میں رکھ، میرے اضطراب کو حرف تحمل عطا کر۔ دل نے آہستہ سے سرگوشی کی یہاں سانس بھی آہستہ

لے یہ شہر نبیؐ ہے دیکھ حضورؐ انہی فضاؤں میں سانس لیا کرتے تھے۔ ان کی مقدس سانسوں کی خوشبو آج بھی ان فضاؤں میں رچی بسی ہے۔ چشم تصور انگلی پکڑ کر مجھے میرے بچپن میں لے جاتی ہے۔ سردیوں کے دن ہیں، نماز عشاء کے بعد ہم سب بچے اپنے دادا جی کے بستر میں گھس جاتے ہیں ایک ساتھ تقاضا ہوتا ہے کہ لالہ جی! کوئی کہانی سنائیں۔ وہ چند لمحے توقف فرماتے ہیں اور مدینے کی گلیوں کا ذکر چھیڑ دیتے ہیں۔ حضورؐ کی کہانی سناتے ہیں وہ ہمیں اپنے ساتھ طائف کے بازاروں میں لے جاتے ہیں۔ پہاڑوں کا فرشتہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتا ہے۔ یا رسول اللہؐ! اگر حکم ہو تو اس بستی کو ان دو پہاڑوں کے درمیان میں پیس دوں لیکن حضور اکرمؐ سراپا رحمت میں پہاڑوں کے فرشتے کو ایسا کرنے سے روک دیتے ہیں۔ حضورؐ کے مقدس ٹخنوں سے خون بہہ رہا ہے۔ آپؐ ایک باغ میں تشریف لاتے ہیں۔ دادا جان ہمیں حضورؐ کے بچپن کے واقعات سنایا کرتے۔ دائی حلیمہؓ کی قسمت پر رشک کرتے۔ دائی حلیمہ سعدیہؓ جب حضور اکرم کو لے کر چلی تو اس کی مریل سواری تیز رفتار سواریوں سے آگے نکل گئی۔ جب وہ حضور پرنور کو اپنی گود میں لئے اپنی کٹیا میں داخل ہوئی تو کٹیا میں ہر طرف روشنی پھیل گئی۔ حضورؐ پالنے میں ہوتے تو چاند حضورؐ کی انگلی کے اشارے پر کبھی دائیں طرف جھک جاتا اور کبھی بائیں جانب، وہ ہمیں بتاتے کہ خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔ عرب اپنے ہاتھ سے تراشے ہوئے بتوں کو پوجا کرتے تھے۔ کبھی دادا جان ہمیں بتاتے کہ حضورؐ مہمان عرش بن کر آسمانوں کی سیر کو گئے تھے۔

حضرت بلالؓ کا ذکر کرتے کہ اسلام قبول کرنے پر انہیں ریت پر گھسیٹا جاتا۔ غار حرا کا ذکر آتا، حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا واقعہ سناتے۔ دادا جان کی آواز بھرا جاتی۔ آنکھیں چھلک پڑتیں۔ ہم بچے حیران ہوتے کہ یہ کہانی سناتے سناتے حضورؐ کا نام زبان پر آتے ہی ان آنکھیں کیوں چھلک پڑتی ہیں اور یہ حضور کون ہیں ان کے نام پر لہو کی گردش تیز ہو جاتی ہے۔ یہ مدینہ کس بستی کا نام ہے۔ یہاں کے ذرے ذرے کو آنکھوں کا سرمہ بنانے کی تمنا کیوں دلوں کو بے تاب رکھتی ہے۔ جب شعور ذرا پختہ ہوا اور معلوم ہوا کہ ہمارا سب کچھ ہمارے حضورؐ ہیں۔ حضورؐ اللہ کے آخری نبی ہیں۔ اللہ کے سب سے برگزیدہ پیغمبر ہیں۔ یہ کائنات ارض و سماوات آپؐ کے قدموں کا تصدق ہے۔ حضورؐ ہمارے آقا ہیں، ہمارے

سردار ہیں، ہمارے ماویٰ و ملجا ہیں اور کائنات کی سب سے محترم شخصیت ہیں اور اس وقت تک ایمان مکمل نہیں ہوتا جب تک حضورؐ ہمیں ہماری جان، مال، اولاد غرض ہر شے سے عزیز تر نہ ہو جائیں تو میری آنکھیں بھی حضورؐ کا نام سنتے ہی بھیگنے لگتیں۔ حضورؐ کی محبت رگ و پے میں اترتی محسوس ہوتی۔ اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی کا سلام سنتا تو حالت غیر ہو جاتی۔ میں آنکھیں بند کر لیتا۔ درود شریف پڑھتا اور چشم تصور میں گنبد خضراء کی چھاؤں میں پہنچ جاتا۔ بارگاہ نبویؐ میں پہنچ کر سلام عرض کرتا۔ اپنی گذارشات بارگاہ نبویؐ میں پیش کرتا اور درود پڑھتے پڑھتے پھر اپنی دنیا میں واپس پہنچ جاتا۔ جب کسی کتاب یا رسالے میں گنبد خضراء کی تصویر دیکھتا تو دونوں ہاتھ اٹھا کر سلام کرتا۔ حضورؐ کے بارے میں کہیں کوئی تحریر پڑھتا یا اخبار میں حضور اکرمؐ کا اسم گرامی دیکھتا تو بے اختیار حضورؐ کے اسم گرامی کو چوم لیتا۔ اس اخبار یا رسالے کو کبھی آنکھوں سے اور کبھی سینے سے لگاتا۔ سینے میں ایک ٹھنڈک سی محسوس ہوتی۔ لطف و راحت کا ایک عجیب سا موسم دل و نظر پر محیط ہو جاتا۔ واقعہ ہجرت پڑھ کر عجیب سی حالت ہو جاتی۔ مکہ مکرمہ سے حضور اکرمؐ کے سفر ہجرت کا آغاز غار ثور سے قبا تک کا سفر، اہل مدینہ کا والہانہ استقبال، بنو نجار کی بچیوں کا خیر مقدمی گیت، اکثر مجھے تڑپا دیتا، جب میں نے پہلی بار اس مکان کی تصویر دیکھی جہاں یثرب کی بچیوں نے دف بجا کر حضور اکرمؐ کو خوش آمدید کہا تھا۔ میں اکثر سوچتا ہوں کاش میں یثرب کی ان بچیوں میں شامل ہوتا۔ حضورؐ کی راہوں میں اپنی آنکھیں بچھاتا۔ حضورؐ کے ناقہ کی مہار تھام کر عرض کرتا۔ حضورؐ میرے گھر چلئے ہم سب گھر والے آپ کی خدمت کیا کریں گے۔ حضورؐ میرے قریب آ کر پوچھتے کیا تم مجھے چاہتے ہو تو میں بے ساختہ پکار اٹھتا "دل و جان سے یارسول اللہؐ" اور پھر دیوانہ وار اپنے آقاؐ کے قدموں سے لپٹ جاتا۔

خیالات کی وادی دلکشا میں پھول کھل رہے تھے۔ تصورات کی دنیا سے باہر آیا تو سر پر سورج پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔ میں فضائے مدینہ میں سانس لے رہا تھا۔ ہوائے مدینہ سے ہمکلامی کا شرف حاصل ہو رہا تھا۔ میں نے اضطراری کیفیت میں نیلے آسمان کی طرف دیکھا۔ کیا میرے آقاؐ اسی آسمان کو دیکھا کرتے تھے۔ جسم پر ایک کپکپی سی طاری ہو گئی۔ ان پہاڑوں نے حضورؐ کو دیکھا ہو گا ان ہواؤں نے ان کے گیسوئے تابدار کے بوسے لئے ہوں گے۔ اس خاک نے قدوم مصطفیٰ ﷺ کو چومنے کا اعزاز حاصل کیا ہو گا۔

میں دیر تک کھلے آسمان کی طرف دیکھتا رہا۔ میں نے جدھر بھی دیکھا میرے حضورؐ ہی نظر آئے۔ آسمان کی وسعتیں انوار محمدیؐ سے بھر گئیں۔ میرے زندہ نبیؐ کا وجود ایک زندہ و پائندہ حقیقت بن کر ہر طرف جلوہ افروز تھا۔ میری آنکھوں کے سامنے دھند کا پردہ کچھ اور بھی گہرا گیا۔ آنسوؤں کے رقص میں تیزی آگئی۔ مجھے کچھ خبر نہیں تھی کہ میرے اردگرد کیا ہو رہا ہے۔ روضہ اقدس کی زیارت سے مشرف ہونے والے عشاق کس حال میں ہیں۔ ان کے دلوں پر کیا گزر رہی ہے۔ میں ہمت کر کے آگے بڑھا یوں لگا جیسے وقت کی رفتار تھم تھم گئی ہو۔ ہواؤں نے دم سادھ لیا ہو جیسے چراغ بدست خوشبو کے قدم رک گئے ہوں اور پھر اوج ثریا نے میری آنکھوں کو چوم لیا۔ نگاہ اٹھائی تو ہر اشک آئینہ خانہ بن گیا۔ پلکیں بھیگ گئیں۔ سامنے گنبد خضراء اپنی جملہ تابانیوں کے ساتھ جلوہ افروز تھا۔ میں ایک لمحے کے لئے ڈگمگا گیا۔ پوری کائنات کا مرکز نگاہ جس کے تصور دل پذیر سے کشور جاں میں باد بہاری چلتی ہے۔ جس کے تصدق میں موسموں کو شاداب ساعتوں کی طلعت عطا ہوتی ہے۔ رعنائی خیال جس کے امن کی اترن ہی جو ہر زبان کی ہر لغت میں امن، سلامتی، سکون اور عافیت کا سب سے بلیغ استعارہ ہے میں اس شہر انتخاب میں تھا اور میں اپنے تصورات میں گم سم گنبد خضراء کی طرف دیکھ رہا تھا۔ نگاہیں بہر سلامی اوپر اٹھیں اور اٹھی ہی رہیں۔ کسی آنکھ کے جھپکنے کا یارا تھا پھر احترام سے جھک گئیں اور جھکتی ہی چلی گئیں۔ دل کی دھڑکن آنکھوں میں سمٹ آئی تھی۔ دیار ہجر میں عمر عزیز کتنی راتیں اور دن گنبد خضراء کے تصور میں گزار دیئے تھے۔ آج میں اسی گنبد خضراء کی ٹھنڈی چھاؤں میں کھڑا تھا۔ لہو کی ایک ایک بوند ناچ اٹھی۔ پورا عالم رقص میں آگیا۔ فضائیں جھوم اٹھیں۔ درود پڑھنے لگیں۔ فضائیں الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کے سرمدی الفاظ سے معمور ہو گئیں۔ میں نے اپنے منتشر خیالات کو سمیٹا، دل نے ایک بار پھر ٹوکا ریاض! سنبھل کر چل ہوش کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑ اپنے بخشش رسا کی بلائیں لے۔ چند لمحے بعد تو حضور اکرمؐ کی عدالت عظمیٰ میں پیش ہونے والا ہے۔ اے مجرم اپنی صفائی میں کیا کہو گے؟ دیکھو! سر جھکا کر اپنے جرائم کا اعتراف کر لینا۔ وہ دلوں کے پوشیدہ مناظر بھی دیکھ لیتے ہیں۔ تمام آرزوؤں کو دامن دل میں سمیٹ لے اور پھر چند ثانیے بعد باب جبرئیلؑ کے سامنے کھڑا تھا۔

دہلیز مصطفیٰ ﷺ کو نظروں سے بوسہ دیا۔ نگاہوں سے خودبخود سجدے ٹپک پڑے۔ جی

جا ہا سرکار کی چوکھٹ سے دیوانہ وار لپٹ جاؤں۔ مشاق مصطفیٰ کے قدموں کو چوم لوں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اپنے جذبات کا اظہار کس طرح کروں۔ رقص کروں کہ جھوم جاؤں۔ گمان گزرتا کہیں یہ خواب تو نہیں کیا میں حالت بیداری میں ہوں۔ پھر اپنے آنسوؤں کے ان گجروں کو تلاش کرنے لگا جو میں نے عمر بھر شب کے پچھلے پہر سپرد بادصبا اس التماس کے ساتھ کئے تھے کہ اے مدینے کی طرف جاتی ہوئی ہواؤ! میرے ان آنسوؤں کو دہلیز مصطفیٰ ﷺ پر رکھ کر عرض کرنا آقاؐ آپ کا خادم بے حد اداس ہے۔ حضورؐ چاروں طرف سے اسے غموں نے گھیر رکھا ہے۔ حضورؐ بلاوے کا منتظر ہے مجھے کچھ خبر نہیں کہ میں نے کب اور کیسے دہلیز مصطفیٰ ﷺ عبور کیا۔ ہوش آیا تو حضورؐ کے قدموں کو بوسہ دیا۔ یارسول اللہ ہماری جنت تو آپؐ کے قدموں میں ہے۔ یاد مصطفیٰ ﷺ میں پہروں مچلنے والا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ آنسوؤں، ہچکیوں اور سسکیوں کا ایک طوفان امڈ آیا۔ میرے وجدان نے ہمیشہ حضورؐ کے قدموں پر سجدے لٹانے کی آرزو کی ہے۔ سرکارؐ کے قدموں میں گر کر مر جانے کی تمنا کی ہے۔ آج میں اپنے آقاؐ کے قدموں میں کھڑا تھا۔ لبوں پر درود و سلام کے زمزمے مچل رہے تھے۔ عشاق مصطفیٰ ﷺ بارگاہ حضورؐ میں ہدیہ سلام پیش کرنے کے بعد سامنے سے آ رہے تھے۔ میں بڑے ادب اور احترام کے ساتھ آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔ دل کی رفتار یقیناً قدموں سے تیز تھی اور پھر وہ لمحہ آ گیا جسے حاصل زندگی بھی کہوں تو کم ہے۔ یوں لگا جیسے انوار کی چادر سی میرے سامنے تان دی گئی ہو۔ شاداب ساعتوں کے موسم نے مجھے اپنی بانہوں میں لے لیا ہو۔ آہستہ آہستہ نظریں اٹھائیں۔ سامنے رنگ و نور کا ایک سمندر موجزن تھا۔ چند لمحوں کیلئے نجانے کہاں کھو گیا۔ روضہ اطہر کی سنہری جالیاں سامنے تھیں۔ وہ جالیاں جنہیں میں نے چشم تصور میں بار ہا بوسہ دینے کی سعادت حاصل کی تھی۔ سینے سے ایک طوفان اٹھا میں دیوانہ وار پکار اٹھا۔ لبیک یارسول اللہؐ لبیک میں بے ساختہ پکار رہا تھا۔ حضورؐ کا ایک ادنیٰ سا خادم آپؐ کے گھرانے کا نوکر زائر آپؐ کے گھرانے کا نوکر آپؐ کے غلاموں کا غلام حاضر ہے۔ آقا آپؐ کا مجرم سر جھکائے آپؐ کی عدالت میں کھڑا ہے۔ میں نے چشم تصور میں دیکھا، حضور اکرمؐ فاتحانہ انداز میں مکہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ سر بارگاہ خداوندی میں جھکا ہوا ہے۔ کفار و مشرکین بھی مجرموں کی طرح سر جھکائے کھڑے ہیں لیکن حضورؐ کی طرف سے اعلان ہو رہا ہے کہ آج جو شخص ابوسفیان کے گھر میں آ جائے گا

اسے بھی پناہ دی جائے گی۔ جو اپنے گھر کو اندر سے بند کرے گا وہ بھی امان پائے گا۔ یہ سوچ کر مجھے حوصلہ ہوا کہ ایک مجرم کے اوسان بحال ہوئے حضورؐ نے اپنے خادم کا سلام قبول کیا۔ الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہؐ ساری عمر ارادے باندھتا رہا کہ حضور کی بارگاہ بے کس پناہ میں پہنچ کر اپنی ساری تمنائیں طشت دیدہ و دل میں سجا کر پیش کردوں گا۔ یہ عرض کروں گا وہ عرض کروں گا۔ اپنے ٹوٹے ہوئے وطن کی داستان کہوں گا۔ عرض کروں گا کہ آقا آپؐ کے غلاموں کے وطن کا ایک بازو ٹوٹ گیا ہے۔ حضورؐ میرا مشرقی پاکستان سازشوں کے بھنور میں ڈوب گیا ہے۔ آقا غلاموں کا آشیانہ شاخ نازک پر لرز رہا ہے۔ حضورؐ شرمسار ہوں کہ اب میرے وطن سے آپ کو ٹھنڈی ہوا نہیں آتی، ہم آپؐ کی تعلیمات کو بھول چکے ہیں، تارک قرآن ہو کر در در کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ ہم نے ہر اخلاقی قدر کا جنازہ اپنے کندھوں پر اٹھا رکھا ہے۔ اپنے ثقافتی اقدار کو اپنی عملی زندگی میں نافذ کرنے کی بجائے انہیں ہم نے عجائب گھروں کے شوکیسوں میں سجا رکھا ہے۔ حضورؐ ہم اپنی تاریخ ہی نہیں اپنے جغرافیے کے بھی قاتل ہیں۔ صنم خانے ہماری سوچوں کے نگر میں آباد ہیں۔ کشور دیدہ دل میں دھول اڑ رہی ہے۔ ہر زاویہ نگاہ تشکیک کی گرد میں لپٹا ہوا ہے۔ ہم نے اپنے دین میں اپنی جھوٹی انا کی مسند بچھا رکھی ہے۔ ہم نے تاج ختم نبوتؐ پر ڈاکہ ڈالنے والے غاصبوں کو اپنے دامن میں چھپا رکھا ہے۔ ہم وہ بدبخت ہیں جو فلسطین، بوسنیا اور کشمیر کی بیٹی کے سر پر تحفظ کی ردا نہ دے سکے۔ ان کی عصمتیں سر بازار لٹتی رہیں لیکن ہماری غیرت ایمانی پر مسلسل برف گرتی رہی۔ آقا ٹوٹ جائیں ہمارے دونوں ہاتھ، ٹوٹ جائیں ہمارے دونوں ہاتھ، حضور اکرمؐ ہم آپ کے مجرم ہیں۔ حضورؐ ہم آپ کے مجرم ہیں۔ سوچا تھا کہ حضور کی بارگاہ اقدس میں وطن کی ہواؤں کا سلام پیش کرنے کے بعد گھر کے ایک ایک فرد کا نام لے کر سلام عرض کروں گا کہ یا رسول اللہؐ میرے گھرانے کا ایک ایک بچہ ہاتھ اٹھا کر سلام کہہ رہا تھا۔ حضورؐ آپ کی کنیزیں گلاب کی سرخ پتیاں لے کر دست بستہ کھڑی تھیں۔ آقا غلام زادے سرتاپا حرف سپاس بن کر سلام پیش کر رہے تھے۔ حضورؐ میرے گھر کے در و دیوار بھی سلام کہتے تھے۔ حضورؐ میرا قلم میری تنہائیوں کا ساتھی، حضورؐ ہم دونوں مل کر آپ کی محبت کے چراغ جلایا کرتے تھے۔ اس ٹوٹے ہوئے قلم کو بھی اپنے ساتھ لے آیا ہوں۔ ورق ورق پر سجدے لٹانے والا قلم حضورؐ سلام عرض کرتا ہے لیکن تمام تمنائیں اور آرزوئیں سیل عشق میں

بہہ گئیں۔ ممکن ہے عالم بے خودی میں زبان حال سے سب گزارشات حضورؐ کے گوش گزار بھی کردی ہوں لیکن محسوس یہی ہو رہا تھا جیسے زبان پر تالے پڑ گئے ہیں۔ لفظ لڑکھڑا رہے ہیں۔ جذبات کی بیساکھیاں ٹوٹ رہی ہیں۔ جملے آنسوؤں میں تحلیل ہو رہے ہیں۔ آواز حلق میں اٹک کر رہ گئی اور روتے روتے ہچکی بندھ گئی۔ دزدیدہ نگاہوں سے دیکھا، غلامان رسول ہاشمی کے جذبوں کا ایک سمندر چاروں طرف موجزن تھا۔ ہر کوئی اپنے دکھ سمیٹے اپنے آقا کی بارگاہ میں گزارشات پیش کر رہا تھا۔ میرے آگے پیچھے دائیں بائیں عشاق مصطفیٰ ﷺ دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو کر حضورؐ کے دربار گہر بار درودوں کے گجرے اور سلاموں کی ڈالیاں پیش کر رہے تھے۔ ایک عالم کیف میں ڈوبا ہوا تھا۔

نور سے جس کے ملے راز حقیقت کی خبر

پروفیسر زینب خاتون کاکاخیل

صبح کی نماز کے بعد ناشتے اور کھانا پکانے سے فارغ ہو کر نو بجے مسجد نبویؐ میں قسمت آزمائی کیلئے آئے کہ شاید ریاض الجنتہ اور مواجہ شریف تک رسائی ہو جائے۔ یہ دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ اس وقت زائرین بھیڑ بھاڑ ذرا کم ہے اور خواتین کو بھی ان مقامات مقدسہ تک رسائی حاصل ہو سکتی ہے۔ ریاض الجنتہ میں نفل ادا کئے اور مواجہ شریف میں حاضر ہوئے، بس یوں محسوس ہوا کہ جنت کی نورانی فضا میں پہنچ گئے ہیں۔

خوشا یہ جذب محبت کی ناز فرمائی کشاں کشاں مجھے کسؐ کے حضور لے آئی

جب چشم تصور کو شہنشاہ کونین مع اپنے دونوں رفیقوں کے پس پردہ دربار آرا نظر آئے تو نگاہیں فرط ادب سے فوراً جھک گئیں اور ایس ادب سے نیز اپنی روسیاہی کا خیال کر کے جالی کے قریب کھڑے ہونے کی جرات نہ ہوئی۔ بقول اقبالؒ

عین وصال میں مجھے حوصلہ نظر نہ تھا گرچہ بہانہ جو رہی میری نگاہ بے ادب

اژدہام کے پیچھے کھڑے ہو کر سلام عرض کیا اور اقبال ہی کی زبان میں گزارش کی۔

جہاں از عشق و عشق از سینہ تست
سرورش از مئے دیرینہ تست
جز ایں چیزے نمی دانم ز جبرئیل
کہ اویک جوہر از آئینہ تست

آپؐ پر اور آپ کی آل پر لاکھوں کروڑوں سلام ہوں۔ آپؐ نے بندے کو خدا کے قرب کی لذت سے آشنا کیا۔ آپؐ نے توحید کو ایسا خالص کیا کہ اب مشرکین بھی شرک کرنے سے شرمسار ہیں۔ آپؐ پر اتنی دفعہ سلام ہوں جتنے آسمان پر ستارے ہیں، جتنے صحراؤں میں ریت کے ذرات ہیں، جتنے سمندروں کے پانی کے قطرات ہیں۔ اے ہدایت کے سراج منیرؐ ہمارے لئے خدا کی محبت آپ کی اطاعت کا ثمر ہے۔ اے ہمارے آقاؐ، ہمارے ہادیؐ،

ہمارے مولا آپؐ پر اتنی دفعہ سلام ہو جتنے ہمارے جسم پر روئیں ہیں۔
اے محبوب خدا کے یار غار رفیق بدر و قبر اے خلیفہ برحق اے ابوبکر صدیقؓ آپ پر ہزاروں لاکھوں سلام ہوں۔ اے عمرؓ خلیفہ عادل اے کہ جس نے حق و باطل میں فرق قائم کیا۔ اے کہ جس کے اسلام نے دین کو تقویت دی۔ آپ پر بھی ہزاروں لاکھوں سلام ہوں۔ ابھی یہ الفاظ زبان پر ہی تھے کہ شمع رسالت کے پروانوں کا ایک ہجوم پائین مبارک کی طرف سے آیا جن کے لئے جگہ خالی کرنی پڑی۔ کسی نہ کسی طرح اپنے آپ کو پائین مبارک کی طرف نکال کر لائی۔ دائیں طرف باب جبرئیلؑ لکھا دیکھا لیکن وہاں نماز گزاروں کا بے پناہ ہجوم تھا۔ پائین مبارک کی طرف سے رخصت سلام عرض کر کے صفہ کی طرف نکلے العظمۃ للہ!

اصحاب صفہ بھی کس نوعیت کے انسان تھے ان کا فقر و زہد بھی کیا۔
چبوترے پر جو چھت اور دیواروں سے بھی بے نیاز تھا، اتنے انسان تربیت گاہ نبوتؐ سے کسب فیض کرنے کیلئے قیام پذیر رہے اور انہوں نے ایسا علم حاصل کیا اور اس قسم کی عملی تربیت پائی کہ ساری دنیا میں ایک زبردست فکری اور اخلاقی انقلاب برپا کر دیا! ایسی تربیت گاہ صفحۂ ہستی پر اور کہاں ہوگی اور اس طرح کے طلبا قیامت تک کہاں پائے جائیں گے۔ اب حضورؐ کے منبر و محراب کی ستون حنانہ کی اصل جگہ کی تلاش ہوئی تو معلوم ہوا کہ جہاں اب منبر رکھا ہے وہاں ہی سرور کائنات کا منبر ہوتا تھا اور حنانہ کو منبر کے اندر ہی مدغم کر دیا گیا ہے اور محراب بھی جہاں اب ہے اسی جگہ پر تھی۔ مرد زائرین منبر و محراب اور ریاض الجنۃ کے چپے چپے پر نفل ادا کر رہے تھے لیکن ہمیں موقعہ نہ مل سکا۔ اسی اثناء میں نماز ظہر کا وقت قریب آ گیا۔

نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

سجاد نعمانی ندوی

۱۷ ذی الحجہ کی صبح ہم لوگ مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوئے۔ موسم کافی گرم تھا لیکن گاڑی ایئر کنڈیشنڈ تھی۔ موسم کا پتہ ہی نہ چلا۔ راستہ میں ایک مقام پر ظہر کی نماز پڑھی، کھانا کھایا اور پھر چل پڑے۔ عصر سے کچھ ہی پہلے، ہماری گاڑی مدینہ منورہ میں داخل ہوئی۔ دلوں میں شوق اور زبانوں پر درود تھا۔

مدینہ منورہ کے راستے اور سڑکیں گزشتہ چند سالوں میں اس قدر بدل گئے ہیں کہ کچھ دیر تک تو راستوں کو پہچان ہی نہ سکا۔ بالآخر ہماری گاڑی ایک عالی شان عمارت ''قصر الہدیٰ'' کے آگے ٹھہری۔ ہمیں بتایا گیا کہ ہمارا قیام یہیں ہوگا۔ ہم لوگوں کے لئے کمرے پہلے سے محفوظ تھے۔ فوراً اپنا سامان کمروں میں رکھا، وضو کیا اور نماز عصر کے لئے حرم شریف کی طرف لپکے۔ الحمدللہ کہ تکبیر اولیٰ کے ساتھ نماز مل گئی۔ نماز کے بعد تھوڑا آرام کر کے، لباس تبدیل کر کے، خوشبو لگا کر، مغرب کی نماز سے کافی پہلے دربار نبوت میں حاضر ہو گئے۔ زائرین و عاشقین کا ہجوم تھا مگر اللہ کا کرم کہ مواجہ شریف میں بالکل صحیح جگہ پر کھڑے ہو کر عرض صلوٰۃ وسلام کا موقع مل گیا۔ نہ پوچھئے کہ دل و دماغ کی اس وقت کیا کیفیت تھی؟ ایک مجرم، ایک گناہگار، ایک کوتاہ، ایک بے عمل، ایک ناشکرا ایک بار پھر وہاں حاضر تھا جہاں کے بارے میں ایک کہنے والے نے کہا ہے کہ

نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

زبان گنگ تھی، ہوش غائب تھے اور حواس باختہ...... بہرحال جس طرح بن پڑا صلوٰۃ وسلام کا نذرانہ پیش کیا۔ سیدنا صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کے حضور میں بھی ہدیہ سلام پیش کیا۔ عشاء پڑھ کر ہی قیام گاہ پر واپسی ہوئی۔ ۸ دن مدینہ منورہ میں قیام رہا۔ قیام گاہ کے مسجد نبویؐ سے بالکل قریب ہونے کی بدولت، سب نمازیں وہیں ادا کرنے کی سعادت ملی۔ چند بار ''روضۃ الجنۃ'' میں بھی دوگانہ ادا کرنے کی توفیق ملی اور بار بار صلوٰۃ وسلام کے لئے

''مواجہ شریف'' یا اقدام عالیہ کی طرف حاضری کی سعادت بھی ملتی رہی..... ہر حاضری کے موقع پر اپنے اندروں کے کھوکھلے پن کا احساس بھی ہوتا تھا اور اپنی پراگندہ حال ملت کی زبوں حالی بھی یاد رہتی تھی۔ خدا کرے کہ اس عہد وفا کو نبھانے کی توفیق مل جائے۔ ہر حاضری کے وقت زبان پر آجاتا تھا اور وہ دعائیں قبول ہو جائیں جو وہاں بظاہر دل کی گہرائیوں سے بے اختیار نکلی تھیں۔

۲۵رذی الحجہ کی شام مدینہ منورہ سے واپسی کا سفر طے تھا۔ صبح ہی سے سب کے دلوں پر مدینہ سے رخصت ہونے کا تاثر طاری تھا اور سب کے دل و دماغ پر ایک ہی خیال چھایا ہوا تھا کہ

اور کچھ لطف اٹھالوں میں جبیں سائی کا
پھر کبھی اس در والا پہ یہ سر ہو کہ نہ ہو
دل بھر آیا ہے تو جی کھول کے رو لینے دو
پھر کبھی جوش پہ یوں دیدۂ تر ہو کہ نہ ہو

پشیمانم، پشیمانم، پشیماں یارسول اللہ ﷺ

سلطان داؤد

اے مدینہ! اے شہروں کی شہزادی! اے دیوانوں کے دل کی رانی! اے اجڑے ہوؤں کی منجائے امید! تیری مٹی سونے سے قیمتی، تیری زمین عرش سے بہتر، جب سے تجھے ہمارے آقا دو عالمؐ سے نسبت ٹھہری ہے، تیری ہر چیز ہمیں محبوب ہے۔ ظاہر ہے تیری گلیوں میں ہمارے رسول مقبولؐ کے پاؤں کی آہٹ ہے...... تیری ہواؤں میں ان کے سانسوں کی خوشبو ہے، تیرے ذروں میں ان کی چشم انوار کی تابانی، تیرے بادلوں میں ان کے گیسوئے تابدار کی چمک ہے اور تیرے پانی میں ان کے لعاب عنبرین کی مٹھاس! اے سرزمین طابہ! ہم غلامان مصطفیٰ ﷺ نے اپنی زندگیوں کا اکثر حصہ اس امید میں گزارا ہے کہ ایک دن، ایک ساعت ایسی بھی آئے گی کہ ہم پریشان حالوں، بے سروسامانوں کو دربار رسالتؐ میں حاضری کا موقع ملے گا۔ سالہا سال سے ایک درخواست کا مضمون دل ہی دل میں بن رہا تھا۔ جس کے پیش کرنے کا وقت قریب آرہا ہے۔ دل کی دھڑکن تیز ہو چلی ہے۔ جوش جنون بڑھ رہا ہے۔ محبوب سبحانی، شاہوں کے شہنشاہؐ کے حضور میں پیشی ہے۔ آداب سے ناواقف ہوں۔ ہجوم شوق میں عرض مدعا نہ بھول جاؤں۔

اے فخر الانبیاء کے پڑوسیو! اے شمع رسالتؐ کے پروانو! اس نفس پرور نااہل کو بھی دربار سرور کونینؐ کے آداب سکھا دیجئے۔ یہاں تو جنیدؒ و بایزیدؒ جیسے اولیاء بھی مجسمہ ادب بن کر حاضر ہوتے ہیں۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ مے آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

جدہ سے عصر کے وقت روانہ ہوئے۔ ۱۹۶۳ء ماڈل کی ایک نئی ٹیکسی تھی۔ پانچ سواریاں بیٹھیں۔ آسمان ابر آلود تھا اور ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی۔ شاہ عالمؐ کی حاضری کا سفر تھا۔ اپنی قسمت پر رشک آرہا تھا۔ زندگی میں ایسا حسین سفر تو پہلے کبھی نہ کیا تھا۔ موٹر تھوڑی ہی دیر

میں ہوا سے باتیں کر رہی تھیں۔ مدینہ، جدے سے ۲۶۴ میل دور ہے۔ پکی اور کشادہ سڑک ہے۔ پہلے دو سو میل سمندر کے ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ اس کے بعد بدر کے مقام پر مشرق کا رخ بدلتی ہے اور پہاڑوں اور وادیوں کے سلسلوں کو چیرتی ہوئی سرکار دو عالمؐ کے قدموں میں لے جاتی ہے۔ ایک دو جگہ سمندر کا پانی سڑک تک آیا ہوا تھا۔ ہوا ٹھنڈی چل رہی تھی۔ ایک طرف سمندر کی نیلاہٹ تھی اور دوسری طرف چھ سات میل کے فاصلے پر پست قامت سیاہ پہاڑوں کا ایک لامتناہی سلسلہ تھا۔ بیچ میں لق و دق بھورے رنگ کا صحرا، نہ آبادی، نہ سبزہ، نہ درخت، نہ پودا۔ ان عشاق کا کیا ہوتا ہوگا جو چند سال پہلے اونٹوں پر سفر کیا کرتے تھے۔ اب بھی موٹروں اور لاریوں کے ڈھانچے جگہ جگہ پڑے گل رہے ہیں۔ جہاں بسیں موٹریں خراب ہوتیں، وہیں چھوڑ دی جاتی ہیں۔ ایک سو میل پر ایک چھوٹا سا شہر رابغ آیا۔ پکے مکان، بجلی اور پانی دیکھ کر دل خوش ہوا۔ پچیس میل آگے مستورہ گاؤں ہے۔ تقریباً نصف منزل پر واقع ہے۔ ایک چھوٹے سے ہوٹل میں اترے اور قہوہ پیا۔ مغرب کی نماز ادا کی اور آگے چل دیئے۔ سڑک پر اندھیرا آ گیا تھا، مقام بدر کے قریب معلوم ہوا کہ سڑک پہاڑوں پر چڑھ اتر رہی ہے۔ بارش تازہ تازہ ہو کر ہٹی تھی۔ سڑک پر پانی کے چھپڑ لگے تھے۔ ہوا میں خنکی بڑھ گئی۔ موٹر کے شیشے چڑھا لئے۔ منزل مقصود کا انتظار ہے۔ موٹر چوکریاں بھرتی ہوئی خمدار سڑک کے میل پر میل کاٹ رہی ہے۔ ایک خم کاٹ کر موٹر جو بلندی پہ آئی تو دور پانچ میل کے فاصلے پر مسجد نبویؐ کے چار مینار جگمگ کرتے دکھائی دیئے۔ سواریاں چوکنا ہو کر بیٹھ گئیں۔ درود شریف کی کثرت شروع ہو گئی۔ دل بلیوں اچھلنے لگا۔ یااللہ یہ خواب ہے یا حقیقت، ہم کون ہیں اور کہاں ہیں۔ مینار اندھیری فضا میں تیرتے ہوئے نظر آتے تھے۔ مدینے تک ڈھلوان ہی ڈھلوان تھی۔ آنکھیں جھپکنا بھی بے ادبی تھی۔ ہجوم شوق میں مستغرق، خیالی گفتگو میں گم گشتہ نیم بسمل شہر میں قدم رکھا۔ حق تو سر کے بل جانے کا تھا لیکن عقل نے دل کی نہ مانی۔ مدینہ منورہ چھ گھنٹے میں پہنچے۔ عشاء کی نماز ڈیڑھ گھنٹہ پہلے ہو چکی تھی۔ معلم کے پاس سامان رکھا اور جگہ کی تلاش میں نکلا۔ شاہ دو عالم کا مہمان تھا۔ پاس ہی بھوپال رباط میں ایک آرام دہ کمرہ مل گیا۔ مسجد نبویؐ کے دروازے سے دو سو فٹ دور مسجد کے دروازے بند ہو چکے تھے۔ دل کے ارمان دل ہی میں رہ گئے۔ حاضری کچھ گھنٹوں کے لئے ملتوی ہو گئی۔

ہزار بار بشویم دہن زمشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی ست

آج دل کی دنیا بدلی ہوئی تھی۔ مدینہ منورہ کی صبح ہے۔ پیارا سماں ہے۔ مسجد النبیؐ خاموش وتاریک فضا میں جگمگ کر رہی ہے۔ پروانے چاروں طرف سے جوق در جوق داخل ہو رہے ہیں۔ نماز میں ابھی بہت وقت ہے۔ جمعے کا مبارک دن ہے۔ مکہ مکرمہ میں بھی پہلا دن جمعہ ہی تھا اور مدینہ منورہ میں بھی دن جمعہ ہی ہے۔ صبح کی نماز ادا کرنے کے بعد ریاض الجنتہ میں حاضری ہوئی۔ پہلے سر مبارک کی طرف صلوٰۃ وسلام پیش کیا۔ پھر مواجہ شریف کی طرف گھوم آیا اور صلوٰۃ وسلام پیش کیا۔ ہجوم میں یکسوئی نصیب نہ ہوئی۔ سیدنا ابوبکرؓ پر سلام عرض کیا۔ پھر پائیں مبارک کی طرف آ گیا۔ یہاں قدرے سکون تھا۔ ارمانوں کے ہجوم نے آ گھیرا۔ آنکھیں ڈبڈبانے لگیں۔ ہونٹ تھرتھراتے ہوئے عرض مدعا کہنے لگے۔ رحمتہ اللعالمینؐ کے قدموں میں یہ نامہ سیاہ بے حس کھڑا تھا۔ موت کا سا سکوت طاری تھا۔ پاؤں میں جنبش کی طاقت نہ تھی۔ کاش یہ عالم جمود دیرپا ہوتا۔ کاش میں وہیں کا ہو رہتا۔ وقت بہت گزر گیا۔ تسلی نہ ہوئی، دل وجگر تو وہیں لٹک کر رہ گئے اور خود عالم بے ہوشی میں باہر نکل آیا۔

سبحان اللہ، کیا خوبصورت مسجد ہے۔ شاہ خوباں کا جمال ہے۔ حسن یوسف کا نکھار ہے۔ بھیڑ کم ہے سکون زیادہ ہے۔ مسجد کے تین حصے ہیں۔ ایک تو پرانی مسجد ہے جو سلطان عبدالمجید خان والئ ترکی نے ۱۲۶۶ھ میں بنوائی تھی۔ گنبدوں کی چھت ستونوں پر کھڑی ہے۔ سترہ در چوڑی اور بارہ در گہری ہے۔ ستون سنگ سرخ کے ہیں۔ خوبصورت فانوس، نمائشی لیمپ اور بجلی کے قمقمے کثرت سے آویزاں ہیں۔ فرش پر قالین بچھے ہیں۔ اس حصے کے بعد ایک چھوٹا سا کھلا صحن آتا ہے جس میں کنکر پڑے ہیں اور پھر نئی مسجد شروع ہو جاتی ہے جو موجودہ حکومت نے بنوائی ہے۔ یہ بھی ستون ہی ستون ہیں اور اوپر ہموار چھت ہے۔ اس کے بعد پھر ایک صحن آتا ہے اور ایک حصہ نئی مسجد کا آتا ہے جس کے باہر کشادہ پلیٹ فارم اور موٹریں ٹھہرانے کی جگہ ہے۔ نئی توسیع سے مسجد میں جگہ کا بہت اضافہ ہو گیا ہے اور ہزاروں کا مجمع سما جاتا ہے۔ نئی توسیع میں باب مجیدی سے بائیں طرف تو عورتوں ہی کے لئے مخصوص ہے۔ رسول اللہؐ کے زمانے کی مسجد والے حصے میں منبر اور روضہء مبارک کے

درمیان والے حصے کو ریاض الجنتہ کہتے ہیں۔ یہاں کے ستونوں پر سفید سنگ مرمر لگا ہے۔ اس کے اردگرد چند ستونوں پر سنہری لکیروں سے گلکاری کی ہوئی ہے۔ یہ بھی رسول اللہؐ کے زمانے کی توسیع ہے۔ دائیں طرف ستونوں کی ایک لائن پرانی مسجد النبیؐ کی حدود متعین کئے ہوئے ہیں۔ گنبد خضراء کے نیچے، رسول مقبولؐ اور ان کے یاروں کی آرام گاہ ہے۔ ساتھ ہی حضرت فاطمتہ الزہراؓ کا دولت خانہ ہے۔ سب کے اردگرد جالی لگی ہے۔ پیچھے اصحاب صفہؓ کا چبوترہ ہے۔ دائیں طرف دیوار پر ایک کتبہ لگا ہے جس سے حضرت ابوبکرؓ کے دروازے کا پتہ چلتا ہے۔ یہ وہی دروازہ ہے جسے رسول اللہؐ نے آخری دنوں میں کھلا رکھنے کی اجازت دی تھی اور باقی جتنے دروازے مسجد میں کھلتے تھے، بند کروا دیئے تھے۔

سوچا ہے کہ اب شہر رسالت ﷺ میں رہیں گے

سلطان رفیع

مسجد نبویؐ کے صدر دروازوں سے داخل ہو کر پہلے نو تعمیر شدہ دالان آتے ہیں۔ ان میں سے بیشتر دالان مردوں کے لئے مخصوص ہیں۔ آگے بڑھتے جایئے۔ اب ہم مسجد کے قدیم اور آخری حصہ میں آ پہنچے ہیں۔ روضہ اطہر اسی حصہ میں واقع ہے۔ حضور اکرمؐ کا منبر اور مصلا بھی اسی جگہ ہے اور ''ریاض الجنۃ'' کہلاتا ہے۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا تھا کہ میرے گھر اور منبر کی درمیان کا حصہ ایک باغیچہ ہے۔ یہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور یہ مقام جنت میں میرے (حوض کوثر) کے کنارے واقع ہوگا۔ امام مالکؒ سے روایت ہے کہ حجرہ شریف کا درمیانی حصہ درحقیقت ایک باغ ہے۔ قیامت کے روز اس حصہ کو جنت الفردوس میں داخل کر دیا جائے گا اور اسے بقیہ دنیا کی طرح نیست و نابود نہ کیا جائے گا۔ اس دالان میں نفل ادا کرنے والوں کا ہمہ وقت ہجوم رہتا ہے اور بصد انتظار و کاوش ہی یہاں نفلوں کی ادائیگی کا موقع میسر آتا ہے۔ جب جنت اتنی آسانی سے ملتی ہو اور اتنی سستی بھی تو کون ہوگا کہ اس کے حصول کی سعی نہ کرے گا۔

لیجئے اب ہم روضہ اطہر کے قریب آ پہنچے ہیں۔ جوں جوں فاصلہ کم ہو رہا ہے۔ قلت نظر کی حالت دگرگوں ہوتی جاتی ہے۔ جذبات و محسوسات میں ایک تلاطم برپا ہے۔ بدن کا رواں رواں لرزاں اور ترساں ہے۔ میں اپنے گرد و پیش نگاہ کرتا ہوں تو کم و بیش ہر ایک کو اسی کیفیت سے دوچار پاتا ہوں۔ کاندھے جھکے ہوئے، جسم سمٹا سمٹایا، قدم نپے تلے، آنکھیں جھکی جھکی، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آدمی تحلیل ہوتا جا رہا ہے۔ قدم آگے بڑھاتا ہے تو کوئی نادیدہ قوت اسے دھکیل کر پیچھے ہٹا دیتی ہے۔ یہ فرط عقیدت ہے یا احساس ندامت کہ حضور اکرمؐ کے سرہانے پہنچتے جسم و جان ہزار کیفیات سے دوچار ہو گئے ہیں۔ بہر حال ادب با ادب ہو جایئے اور درود و سلام کہیئے اور کرتے ہی چلے جایئے۔

سامنے حجرۂ رسولؐ ہے جسے جالیوں سے بند کیا گیا ہے۔ یہ حضورؐ کی آخری آرام گاہ بھی

ہے۔ یہاں سنہری منقش جالیوں کے پیچھے امت کے سردار انسانیت کے محسن اعظم، خیر البشر، حبیب خدا، نبی آخر الزماں حضرت محمدؐ استراحت فرما ہیں۔ آپؐ کے پہلو میں آپ کے رفیقان کار حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ آسودہ خاک ہیں۔ جالیوں کے ادھر ایک انبوہ کثیر ہے جو باادب کھڑا ان بزرگان دین کو نذرانہ عقیدت وسپاس پیش کر رہا ہے۔ ان میں ہر ایک کی آنکھوں سے ڈھل ڈھل آنسو بہہ رہے ہیں، ہچکیاں بندھی ہوئی ہیں اور کانپتے لرزتے ہونٹوں پر درود وسلام کا ورد جاری ہے۔

الصلوٰۃ و السلام علیک یارسول اللّٰہ

ضروری نہیں ہے سلام کے یہی الفاظ دہرائے جائیں بلکہ ہر کوئی اپنے خیال وعقیدہ کے مطابق اپنی اپنی زبان، اپنے اپنے لہجہ اور اپنے اپنے انداز میں (بحیثیت ایک امتی کے) امت کے سردار کے حضور اپنے محسوسات وتاثرات کا نذرانہ پیش کر سکتا ہے۔

روضہ پر تعینات محافظ اور دربان روضہ کی جالیوں کے مقابل کھڑے ہوئے اس ہجوم کو آگے بڑھنے کے لئے کہہ رہے ہیں تاکہ پیچھے آنے والوں کو راستہ مل سکے مگر لوگوں پر اثر نہیں ہوگا جو جہاں کھڑا ہے بے حس و حرکت، جیسے اس کا وجود پتھر کا ہوگیا ہو۔ وہ ٹکٹکی باندھے روضہ کی جالیوں کو تکے جارہا تھا۔ ہمارا قیام آٹھ روز رہا جس کے دوران الحمدللہ چالیس نمازیں نصیب ہوگئیں۔ یہ آٹھ دن ہماری زندگی کے یادگارترین اور لذت آفریں ایام تھے۔ مدینہ کی ملیح صبحیں، مدینہ کی خنک شامیں، مدینہ کی روشن دوپہریں اور مدینہ کی تابناک راتیں بھلائے نہ بھول سکیں گی۔ مدینہ کی کھجوروں کی شیرینی، مدینہ کے پھلوں کی تازگی، مدینہ کے باشندوں کی خوش اخلاقی ومہمان نوازی آج تک دل پر نقش ہے چنانچہ مدینہ سے رخصت ہوتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ دولت دارین چھنی جارہی ہے۔ آخری ایام میں مدینہ کے گلی کوچوں سے گزرتے ہوئے بے اختیارانہ ٹھنڈی سانسیں بھرنے کو جی چاہتا ہے۔ کون جانے اس شہر مہر ومحبت کی زیارت نصیب ہو نہ ہو۔ رخصت کے دن احرام باندھ کر حضورؐ کی خدمت میں آخری سلام پیش کرنے کی غرض سے حاضر ہوئے تو آنکھوں سے سیل اشک رواں تھا اور بدن کا رواں رواں درود شریف پڑھ رہا تھا۔

یہ مشغلہ بھی عبادت سے کم نہیں خالد
درود دل سے پڑھو نعت اگر زبان سے پڑھو

حرم سے بہ گریہ ویاس باہر آتے ہوئے ناگاہ نظر گنبد خضریٰ پر اٹھ گئی۔ وہاں ایک (پاکستانی) رنگ ساز سیڑھی لگائے ہاتھ میں رنگ کی بالٹی تھامے سبز رنگ میں بھیگا ہوا برش گنبد خضریٰ پر پھیرنے میں مصروف تھا۔ دل میں اک ہوک سی اٹھی کہ اے کاش! یہ میں ہوتا...... مدینہ میں بے شمار پاکستانی آباد ہیں۔ مسجد نبویؐ کے خادمین میں بھی ان کی کثیر تعداد موجود ہے جو مسجد کے قالینوں کی صفائی اور در و دیوار کی جھاڑ پونچھ، کھڑکیوں کے شیشوں کو اجالنے اور حرم کے فرش کی دھلائی وغیرہ کا کام کرتے ہیں۔ اجلی اجلی وردیوں میں ملبوس یہ خادمین حرم رسولؐ بڑے بھلے اور خوش بخت لگے۔ کاش میں بھی انہی میں شامل ہوتا مگر افسوس کہ انسان کا ہر چاہا پورا نہیں ہوتا۔

چلی جب تک زباں، میں نے پکارا یارسول اللہ ﷺ

مس سعدیہ نذیر

اذان فجر ہو چکی تھی۔ ابھی تک قلب ونظر روضہء انورؐ کی دید کے لئے ترس رہے تھے۔ ابو جان نے کہا کہ نماز فجر کی ادائیگی کے بعد روضہء انورؐ پر حاضری دیں گے لیکن اتنا قریب آ کر قلب ونظر کو گنبد خضریٰ کے دیدار سے روکے رکھنے کی تاب نہ تھی۔ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہم باب جبرئیلؑ کی جانب چلے، ہر قدم پر انوار کی بارش نظر آتی تھی۔ خاک کے ذروں پر کہکشاں کا گماں ہوتا تھا اور سنگریزے لعل و جواہر سے زیادہ چمکتے نظر آتے تھے۔ حرم نبویؐ کا حسن دیکھ کر جنت کا تصور بھی اپنا حسن کھو بیٹھتا ہے۔ نگاہیں گنبد خضریٰ کی متلاشی تھیں جو باب جبرئیلؑ اور باب بقیع کے درمیان اوپر عمارت پر موجود ہے۔ مسجد نبویؐ شریف کی نئی عمارت سے باب بقیع کی طرف مڑے تو سامنے گنبد خضریٰ اپنی تمام تر رعنائیوں اور جلووں سمیت موجود تھا۔ نگاہیں اٹھیں تو بس دیکھتی رہ گئیں، پلکوں نے جھپکنے کا عمل فراموش کر دیا اور ان میں جاروب کشی کی آرزو مچلنے لگی۔ اس بے خودی و سرشاری کے عالم میں جذبات مہکنے لگے۔ کچھ دیر قدم وہیں رک گئے کہ آنکھوں کو دربار اقدس کی حاضری کا سلیقہ آ جائے۔ دیر تک اس نورانی جلوے سے نگاہ و دل کو سیراب کرتی رہی۔ صلوٰۃ و سلام ورد زبان تھا اور میں اپنی قسمت پر نازاں۔

ہے فضائے گنبد خضریٰ نظر کے سامنے	یا رہی ہوں عرش کا جلوہ نظر کے سامنے
رحمۃ اللعالمینؐ کی شان رحمت کے نثار	دیکھتی ہوں روضہء والا نظر کے سامنے

قبل ازیں مدتوں سے گنبد خضریٰ کو دل و جاں میں بسا رکھا تھا۔ تصور میں اس کی نظارگی کو اپنا معمول بنا رکھا تھا۔ اب وہی تصورات حقائق کا روپ دھار چکے تھے وہ جلوہ گاہ نور سامنے تھی۔ اس کی ایک جھلک کیلئے دعائیں کیا کرتے تھے۔ اب ایک جھلک کی کیا بات گنبد خضریٰ اپنی تمام تر طلعتوں کے ساتھ سامنے موجود تھا۔ ہاں یہی وہ گنبد خضریٰ ہے جس کی ایک جھلک دلوں کی دھڑکنیں تیز کر دیتی ہے اور جس کی چھاؤں میں سلطان دو عالم آرام

فرما رہے ہیں۔

نظریں طواف گنبد خضریٰ میں محو ہیں
سجدے میں اپنے سر کو جھکانے کا وقت ہے
پھر مل سکے نہ ساعت سعید
بگڑے ہوئے نصیب بنانے کا وقت ہے

دل جذبات محبت سے لبریز تھا۔ در و دیوار کے حسن اور حضوری کی لذتوں میں دنیا و مافیہا سے بےخبر گھر سے اس مقام تک پہنچنے کی ساری داستان ذہن سے محو تھی۔ نگاہیں گنبد خضریٰ کو دیکھ کر فرط عقیدت سے اشکوں کا نذرانہ پیش کر رہی تھیں۔ فرد عمل کے دھل جانے کا وقت تھا۔

انتہائے کرم کا مظہر ہے　　ان کے دربار میں میرا ہونا
داغ عصیاں کو اس طرح دھونا　　سبز گنبد کو دیکھنا رونا

سبحان اللہ کیسا عجیب اور روح پرور منظر تھا۔ سامنے گنبد خضریٰ جگمگاتا جھلملاتا خوشیاں بکھیرتا نظر آرہا تھا۔ قلب و نظر میں شادمانی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ یہ کامرانی کا پہلا نشان تھا۔ ہر طرف رحمت تھی، بخشش تھی، سکون تھا عجیب کیفیت تھی۔

نظر نے دیکھا تھا جس وقت گنبد خضریٰ
وہ ایک پل ہی تو کیفیت مدام کا ہے

اللہ اللہ.......کیسی مبارک ہوائیں اور مقدس فضائیں

مدینہ جا کے ہم سمجھے تقدس کس کو کہتے ہیں
ہوا پاکیزہ، پاکیزہ، فضا سنجیدہ سنجیدہ

یوں محسوس ہوا کہ یہ حسیں اور مقدس لمحات ایک خواب ہیں۔ ابھی آنکھ کھلے گی تو نظروں سے اوجھل ہو جائیں گے لیکن مدینہ منورہ کی معطر فضاؤں اور روضہ انور کے نورانی جلوؤں نے بتایا یہ خواب نہیں بلکہ حقیقت ہے۔

مجھ کمینے کو مدینے میں بلایا تم نے ہے یہ احسان پہ احسان مدینے والے۔

نسیم سحر گنبد خضریٰ کا طواف کرتے ہوئے خراماں خراماں چل رہی تھی یہ کیسا سماں تھا بیان کرنے سے قاصر ہوں۔

منظر ہو بیاں کیسے الفاظ نہیں ملتے

جس وقت محمدؐ کا دربار نظر آئے

نماز فجر کا وقت تھا۔ لوگ مختلف دروازوں سے کشاں کشاں مسجد نبویؐ شریف میں داخل ہو رہے تھے۔ باب جبرئیلؑ کے سامنے کچھ عورتیں کپڑے بچھائے نماز ادا کر رہی تھیں۔ امی جان اور میں نے آقاؐ کے حضور وہیں دامن پھیلا دیا اور بیٹھ گئیں۔

ہم سے فقیر بھی اب پھیری کو اٹھتے ہوں گے

اب تو غنی کے در پر بستر جما دیئے ہیں

ابو جان اور بھائی جان محمد اکرم باب جبرئیلؑ سے مسجد میں چلے گئے۔ ہم نے صبح کی سنتیں ادا کیں اور سامنے گنبد خضریٰ کو ٹکٹکی باندھ کر تکنے لگی اور اس کے جمال سے دل کے تاریک گوشے روشن کرنے لگی۔ اتنے میں مکبر نے نماز فجر کے لئے اقامت کہی۔ لوگ ابھی تک کثیر تعداد میں مسجد نبویؐ میں داخل ہو رہے تھے۔ ہم نے بھی نماز فجر ادا کی۔ زندگی میں پہلے بھی بے شمار نماز میں ادا کرتی رہی لیکن اس نماز کی لذت، چاشنی اور سرور کچھ اور ہی تھا۔

دل نے آواز دی کہ یہی وقت تو خوش بختی و کامرانی کی علامت ہے۔ دامن رحمت میں آ کر نامۂ اعمال کی سیاہیاں دھل جانے کا وقت ہے۔ سرکار دو عالمؐ سب کے احوال سے واقف ہیں۔ آپؐ روز قیامت روضۂ اطہر پر حاضر ہونے والوں کی شفاعت فرمائیں گے۔ حدیث شریف میں ہے۔

''جس نے میری قبر کی زیارت کی اس پر میری شفاعت واجب ہوگئی۔''

اس فرمان عالی پر نگاہ پڑی تو بے ساختہ آنسو جاری ہو گئے ہچکی بندھ گئی۔ یہ آنسو مسرت و کامرانی کے موتی تھے۔

جب ہوش کی کرن چمکی تو انتہائی ادب و احترام کیساتھ غلامانہ انداز میں بحضور رحمت عالمؐ صلوٰۃ وسلام پیش کیا۔ سامنے جالی مبارک تھی۔ اس احساس نے جسم پر لرزہ طاری کر دیا کہ سرکار دو عالمؐ اس گناہگار کو دیکھ رہے ہیں۔ صلوٰۃ وسلام کا سلسلہ شروع تھا۔ انتہائی ادب و احترام سے سر جھکا کر عرض کر رہی تھی۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رحمت العالمین

الصلوٰۃ والسلام علیک یا خاتم النبین

الصلوٰۃ والسلام علیک یا محبوب رب العالمین

الصلوٰۃ والسلام علیک یا نور من نور اللہ

الصلوٰۃ والسلام علیک یا شفیع المذنبینَ

دیر تک زیر لب آہستہ آہستہ صلوٰۃ وسلام عرض کرتی رہی۔ یہ کتنی بڑی خوش قسمتی ہے کہ حضورؐ ہر غلام کے سلام کا جواب دیتے ہیں اور جس سلامتی کی آپؐ دعا کریں، اس جیسا خوش بخت اور کون ہو سکتا ہے۔ مواجہ عالیہ پر حضوری کی چند ساعتیں زندگی بھر کا ماحصل ہے۔ ایک بزرگ کی حرم نبویؐ کے ایک درباں سے ملاقات ہوئی جس کے متعلق مشہور تھا کہ وہ عرصہ چالیس سال سے قدمین میں بیٹھ کر حاضری کے مزے لوٹتا ہے۔ خیال آتا ہے کہ یہ کتنا خوش قسمت انسان ہے۔ دن رات حضوری میں ہے۔ اس کی نگاہیں گنبد خضریٰ پر جمی رہتی ہیں، وہ بزرگ نہایت ادب سے سلام کر کے اس کے پاس بیٹھ گئے اور ادب و احترام سے دریافت کیا کہ اس کو قدمین شریفین میں رہتے کتنا عرصہ ہوا؟ وہ شخص مقام آشنا تھا۔ اس نے نہایت پیار سے جواب دیا کہ بھائی اس جگہ مدت کی بات نہیں یہاں تو ادب واحترام کا ایک لمحہ ہی کافی ہے، جناب عزت بخاری علیہ الرحمہ نے اس مقدس ومحترم جگہ کے بارے میں فرمایا تھا۔

ادب گاہیست زیر آسماں ازعرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

ان چند لمحوں میں دل و جاں پر جو کیفیتیں گزریں وہ بیان سے باہر ہیں۔ میں تو خالی دامن تھی۔ غلام ہونے کی دعویدار ضرور تھی لیکن پلے میں سوائے گناہوں کے کچھ نہیں، نامہء اعمال سیاہ ہے۔ گناہوں کی یہ گٹھڑیاں لے کر میں کہاں اور کس کے پاس جاؤں، رب کریم بھی ہمیں اسی دربار میں حاضر ہو کر گناہ بخشوانے کا حکم دیتا ہے اور یہاں پہنچ کر میرا یہ حال ہے کہ۔

حضور آقاؐ، یہ آپؐ کی جالیوں سے نظریں چرا رہی ہے
گناہوں کا احساس اس قدر ہے یہ خوف سے تھرتھرا رہی ہے
زباں پہ تالے پڑے ہوئے ہیں قدم بھی اٹھتے نہیں ہے اس کے
ستوں کے پیچھے یہ سب سے چھپ کے ''حضور'' آنسو بہا رہی ہے

یارسول اللہ علیک وسلم اگر آپؐ نے ہمیں اپنے دامن میں پناہ نہ دی پھر اور کس در پہ جائیں گے یا حبیب اللہ کہ آپ نے اس کمینی کو اپنے دربار اقدس میں حاضری کا شرف بخشا۔ یارسول اللہؐ آپ نے طلب فرمایا تو ہم "لبیک یا سیدی یارسول اللہ" کہتے حاضر ہو گئے۔ ہم لاکھ گناہگار، عصیاں شعار سہی، مگر آپؐ کے نام لیوا ہیں، آپ کا کلمہ پڑھتے ہیں، آپؐ کے امتی کہے جاتے ہیں۔ خدارا ہماری خطاؤں سے درگزر فرمایئے۔ ہماری نافرمانیوں، غلطیوں اور کوتاہیوں سے چشم پوشی فرمایئے۔

یارسول اللہؐ آپ کے غلام بے خودی کے عالم میں آپؐ کی بارگاہ عالی میں نذرانہ عقیدت نالوں، فریادوں، درودوں اور سلاموں کیساتھ اپنی اپنی بساط سے پیش کر رہے ہیں۔ آقاؐ ہمارے الفاظ کی طرف غور فرمائیں بلکہ دل کی دھڑکن سے نکلنے والی فریاد پر نظر کرم کریں اور ہمارا عاجزانہ سلام قبول فرمائیں۔

اماں ملے گی تمہارے در پر، جبیں جھکائی ہے یہ سمجھ کر
بچا لو میرے شفیع محشر، درود تم پر سلام تم پر
یہ سبز گنبد سنہری جالی، لوٹا روضہ سے کوئی خالی
جگادو میرا بھی اب مقدر، درود تم پر سلام تم پر

یا حبیبؐ آپ پر کروڑوں درود و سلام ہوں۔ آپؐ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ خدا کی بے شمار رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں آپؐ پر، اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام انبیاء علیہم السلام کی سیادت کا تاج پہنایا۔ دین دنیا کی تمام عزتوں، عظمتوں اور سعادتوں سے بہرہ ور فرمایا۔ آپؐ کی ذات سے دنیا کو کفر و شرک کی مصیبت سے نجات مل گئی۔ آپؐ کے دست شفا سے جاں بلب مریض صحت یاب ہوگئے۔ آپؐ کے روئے انور کو دیکھ کر تمام رنج و الم کافور ہو گئے۔ آپؐ کے نام کو حق تعالیٰ نے وہ رفعت عطا فرمائی کہ اللہ کے نام کے ساتھ آپ کا میٹھا اور پیارا نام پانچ وقت دنیا کے ہر گوشے میں مساجد کے بلند میناروں سے پکارا جاتا ہے۔

ہے نام خدا کے ساتھ ملا، کلمے میں اذاں میں نام تیرا
بجتی ہے تری ہر شام و سحر، کونین میں نوبت کیا کہنا

آپؐ کے نام پاک کی ہی برکت سے مشکلات حل ہوتی ہیں۔ بگڑے کام ہیں، دلی

مرادیں پوری ہوتی ہیں، راحت واطمینان حاصل ہوتا ہے۔

تمہارے نام نامی سے سکون قلب رہتا ہے
مرے آنکھوں کی ٹھنڈک ہو مرے دل کی ضیاء تم ہو

آپ تمام عرب وعجم کے سردار ہیں، آپ کا جسم مقدس اور روح مطہر ومنور ہے جس کی روشنی سے تمام کائنات آباد وروشن ہیں۔ آپ کی ذات دنیا کی افادیت کے لئے چمکتا سورج اور جمال ورحمت میں چودہویں رات کا چاند ہے۔ آپ خداوند کریم کے بعد تمام سربلندیوں کے مالک ومستحق ہیں۔

یاصاحب الجمال و یا سید البشر من وجہک المنیر لقد نور القمر
لایمکن الثناء کما کان حقہ، بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

خدا کی بے شمار رحمتیں اور برکتیں ہوں آپ پر، رب تعالیٰ آپ کا محافظ، جبرئیل امین آپ کے در کا دربان، براق آپ کی سواری، معراج آپ کا سفر، سدرۃ المنتہیٰ سے آگے آپ کا مقام، قاب قوسین اوادنیٰ کی بلندیوں پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو فائز کیا اور اپنے قرب خاص کا شرف بخشا۔ آپ تمام نبیوں کے سردار اور ساری دنیا کے آخری رسول ہیں۔ آپ پر نبوت ورسالت ختم کردی گئی۔

نبوت میں، رسالت میں کمالات و فضیلت میں
نہیں ملتا تمہارا کوئی ثانی یا رسول اللہ

آپ غریبوں کے ہمدرد، تمام جہانوں کے لئے رحمت، مساکین کے مونس وغمخوار، اہل ایماں کے لئے ہر مقام پر وسیلہ نجات، تمام مخلوقات کے شہنشاہ سرور دنیا ودیں اور مختار بحر وبر ہیں۔

خالق کل نے آپ کو مالک کل بنا دیا
دونوں جہاں ہیں آپ کے قبضہ و اختیار میں

یارسول اللہ! ہم غریبوں، بے کسوں اور درد مندوں کا سلام نیاز قبول فرمایئے، گناہگاروں کا نذرانہ عقیدت نگاہ رحمت سے ملاحظہ فرمایئے۔

مدد فرمایئے اب تاب گویائی نہیں باقی
چلی جب تک زباں میں نے پکارا یا رسول اللہ

حضورؐ! ہمارے اعمال آپؐ کی خدمت میں پیش ہوتے ہیں اور آج ہم گناہگار گناہوں سے لتھڑے دامن لئے آپؐ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہیں۔ آقا تباہ حالوں کی حالت زار آپؐ سے مخفی نہیں۔ آپؐ کی امت عاصی مصائب زمانہ میں گرفتار ہے۔

غلاماں درد الا گرفتار مصائب ہیں
دہائی شافع محشر، اغثنی یارسول اللہؐ

آپؐ کی وہ امت جو کبھی اقوام عالم کو دانش وحکمت کے اجالے عطا کیا کرتی تھی، آج بھکاریوں کی طرح ظلمت کدوں سے روشنی مانگ رہی ہے۔ وہ امت جو کبھی ستاروں پر کمندیں ڈالتی اور ارض وسما کی بلندیوں کو پاؤں سے روندتی تھی، بقول علامہ اقبالؒ ؎

پرے ہے چرخ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گرد راہ ہیں وہ کارواں تو ہے

لیکن آج وہی امت بے بسی ولاچاری کی تصویر بن کر اغیار کی دست نگر بن چکی ہے اور ہر شعبہ زندگی میں ان کی محتاج ہے۔ دنیا کی عظمت ورفعت تو خاک میں مل ہی گئی تھی۔ اب تو دولت عقبیٰ بھی لٹتی ہوئی نظر آرہی ہے۔

کچھ ہوا ایسی چلی ہے ہر بشر ناشاد ہے
وقت ہے امداد کا یا مصطفیٰؐ فریاد ہے

یارحمت اللعالمینؐ ہمارے قلوب نور ایمان سے خالی ہو چکے ہیں اور دلوں پر تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ کفر والحاد اور بے دینی کی تیز وتند ہوائیں شمع اسلام کو بجھانے کے درپے ہیں۔ طاغوتی قومیں اسلام کے نام لیواؤں سے برسر پیکار ہیں۔ آقا! ذرا گنبد خضریٰ سے اٹھ کر دیکھئے گلشن اسلام پر کس درجہ پژمردگی چھائی ہوئی ہے۔ اپنے اور غیروں کے ہاتھوں آپ کا دین کس حد تک پامال ہو چکا ہے۔ آقا! امداد کا وقت ہے، امت عاصی کو بچا لیجئے، دکھیاروں اور غم کے ماروں کو تسلی دیجئے، اطمینان وسکون عطا فرمائیے۔ یہ وقت امداد ودستگیری کا ہے۔

چھائی ہیں غم کی سر پہ گھٹائیں جان کہاں اب جا کے چھپائیں
آؤ مدد کو حامئ امت صلی اللہ علیہ وسلم

للہ! اپنے غلاموں میں ایسی روح پھونک دیجئے اور ایسا جوش ایمان پیدا کر دیجئے کہ وہ نشہ وحدت سے سرشار ہو کر آپؐ کے اسوۂ حسنہ کے پابند ہو جائیں اور آپؐ کی لائی ہوئی

شریعت ان کی رگ رگ میں سما جائے۔

مسلمانوں کے سینے نور سے معمور فرما دو
کھلے اسلام کی ان پر حقیقت یا رسول اللہ ﷺ

اجتماعی نالہ وفریاد کے بعد اب میں نے ان لوگوں کے نام لے لے کر سلام نیاز پیش کیا اور حاضری کی التجائیں کہیں جنہوں نے بوقت روانگی یہ ذمہ داری میرے ناتواں کندھوں پر ڈالی تھی۔ بعد ازاں عرض کی۔ یارسول اللہ ﷺ آپ کے عشاق بھی تھے جنہوں نے سلام کا ہدیہ پیش کرنے کو کہا لیکن مجھے ان کے نام یاد نہیں رہے۔ آپ ﷺ تو غیب دان نبی ہیں اور تمام اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مکان و ما یکون کے علوم عطا فرمائے ہیں اور آپ ﷺ کی امت کے تمام احوال و اعمال آپ ﷺ پر عیاں ہیں۔ ان غلاموں کے سلام بھی قبول فرما کر انہیں بھی حاضری کا شرف عطا کیجئے۔

در پہ بلوا کے جلوہ دکھا دیجئے ۔۔۔ اور مہمان اپنا بنا لیجئے
حاضری کی تمنا میں روتے ہیں ۔۔۔ جو ان کو پیارا مدینہ دکھا دیجئے

آئے نہ تیرے دل کے دھڑکنے کی صدا بھی

شاکر حسین شاکر

میری زندگی میں وہ گھڑیاں آنے ہی والی ہیں۔ میں نے کونین کے والی کے در پر حاضری کے لئے روانہ ہونا تھا۔ گھر سے ایک گاڑی میں جب روانہ ہوئے تو جیسے ہی جدہ کی حدود میں سے نکلے تو سامنے ایک بورڈ پر لکھا تھا کہ مدینہ منورہ ۴۲۰ کلومیٹر۔

راستے میں کبھی کسی کی نعت کا مصرعہ ذہن میں آجاتا تو آنکھوں میں فوراً آنسو رواں ہو جاتے۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے اس رات آنسو میرا تعاقب کر رہے ہیں۔ کبھی آنسو خوشی سے نکل آئے اور کبھی آنسو ضبط جذبات سے۔

اتنا سب کچھ سوچتے ہوئے ہماری گاڑی رک گئی اور ہمارے سامنے ایک چیک پوسٹ تھی۔ انہوں نے ہمارے کاغذات دیکھے تو فوراً انکل عابد نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ مبارک ہو شاکر مدینہ منورہ آگیا ہے وہ دیکھو سامنے کی جانب وہ روشنی کے مینار تمہیں نظر آرہے ہوں گے۔ میں نے روشنی کے میناروں کو دیکھنے کے لئے آنکھوں کی پلکوں کو اوپر اٹھایا تو مجھے کچھ نظر نہ آیا۔ میں نے ایک بار پھر کوشش کی کہ میں وہ منظر تو دور سے دیکھ لوں کہ مدینہ والے کی نگری میں آگیا ہوں لیکن مجھے کچھ بھی دکھائی نہ دے رہا تھا۔ اچانک میرے ہاتھوں پر گرم گرم قطرے گرتے ہوئے محسوس ہوئے تو معلوم ہوا کہ مدینے کا نام سنتے ہی اشکوں کی ایک مالا سی بنتی جا رہی تھی۔ مجھے اپنی آنکھوں سے کیا دکھائی دیتا وہاں تو آنسوؤں کی ایک لڑی تھی میری خوشی اور انکساری میرے آنسوؤں میں بیان ہو رہی تھی اور میں مدینے کی سڑکوں پر رواں دواں تھا۔

صبح صادق کا وقت تھا نماز کا وقت ہونے والا تھا اور ہماری گاڑی ہولے ہولے حرم نبویؐ کی جانب گامزن تھی۔ مجھے ایسے لگ رہا تھا جیسے ماں کی گود میں آگیا ہوں۔ مدینے میں مجھے اطمینان ایسا ہوا جیسے یہ میرا گھر ہے وہاں پر ٹھنڈک میرا استقبال کر رہی تھی۔ سکون میرا منتظر تھا۔ محبت کی دیوی ہر راستے میں کھڑی تھی جدھر آنکھ اٹھا کر دیکھتا مجھے ایک ایسی کیفیت کا

سامنا کرنا پڑ رہا تھا جس کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ خوبصورت شہر اور با اخلاق لوگوں کے درمیان میں نے اپنی نظروں کو جھکائے رکھا۔ مجھ میں ابھی وہ تاب نہیں تھی کہ میں گنبد خضریٰ کی جانب دیکھتا۔ میں تو کسی اور ہی خیال میں اور کسی اور سوچ میں اور ایک نئی دنیا میں آباد ہو رہا تھا جہاں رحمت میرا انتظار کر رہی تھی۔ میں نے کپڑے تبدیل کرنے کے لئے غسل کیا۔ نیا سوٹ پہنا تو مجھے کسی نے آواز دے کر کہا کہ اپنے نئے کپڑوں پر خوشبو ہے جس کا کوئی ثانی نہیں ہے مجھے اپنی سانسوں میں ایک ایسی مہک کا احساس ہو رہا تھا جس کو لفظوں میں بیان تو نہیں کیا جا سکتا تھا البتہ اس کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔

نماز فجر کی اذان ہوئی تو ہم سب مسجد نبویؐ کی جانب دوڑے۔ میں نے زندگی میں پہلی بار بہتے اشکوں کے ساتھ نماز پڑھی۔ احترام کا تقاضا تھا کہ میں نے ابھی تک نگاہ اوپر نہیں اٹھائی تھی۔ میں مسلسل روتا رہا۔ مجھ میں ہمت نہیں تھی۔ میں نے جس جگہ نماز پڑھی وہاں پر بیٹھے بیٹھے دعا کیلئے ہاتھ اٹھا لیتا۔ کوشش کرتا دونوں ہاتھوں کو اکٹھا کرتا تاکہ اپنا مدعا بیان کر لیتا لیکن نہ تو ہاتھ ساتھ دے رہے تھے اور نہ ہی لب بس آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ یہ آنسو بھی ایسے تھے کہ میری دونوں آنکھوں سے آنسو نکلتے گالوں سے ہوتے ہوئے دونوں آنسو میری ٹھوڑی پر اکٹھے ہوتے اور وہ ایک آنسو بن کر میری جھولی میں گر جاتے۔ اس آنسو کو اپنی فریاد سمجھتا۔ اپنی دعا جان لیتا۔ میرے اشک میری دعائیں مانگ رہے تھے۔ آج میرے آنسو فریاد کر رہے تھے۔ میرے آنسو روضہ رسولؐ پر حاضری دے رہے تھے اور یہ فریاد اور التجا کر رہے تھے کہ اس بندہ کی حاضری کو قبول کر، اس بندہ کے سلام و درود کو مقبول بنا۔

میں حرم نبویؐ میں جس طرف جاتا یہ آنسو راستوں پر چراغاں کر رہے تھے۔ ابھی تک مجھ میں آپ کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ میں اپنے آپ کو بکھرا بکھرا محسوس کر رہا تھا۔ ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے میرے بہت سے ٹکڑے ہو گئے ہوں۔ میں اپنے آپ کو اکٹھا کرتا تو روضہ رسولؐ کے سامنے جاتا۔ ابھی تو میں مسجد نبویؐ کے مختلف کونوں میں بیٹھا نور کے مناظر کو دیکھ رہا تھا کہ اچانک ایک آواز آئی۔ شاکر تم خوش نصیب ہو آج حرم میں رش کم ہے جاؤ ریاض الجنۃ میں جا کر نوافل ادا کر لو کیونکہ یہ وہ جگہ ہے جس کو جنت کا ٹکڑا کہا جاتا ہے۔ میں احترام مسجد نبویؐ میں ہولے ہولے قدم اٹھاتا ہوا کھڑا ہوا۔ میری نظریں اب مسجد

نبویؐ کے فرش پر تھیں کہ کہیں کوچیونٹی میرے پاؤں تلے نہ آجائے کیونکہ وہ بھی میری طرح وہاں پر عبادت کے لئے آئی ہوگی۔ ریاض الجنتہ پہنچ کر میں نے نوافل ادا کئے اور میرے سامنے لوگوں کا ایک ہجوم تھا جو روضہء رسولؐ پر حاضری کے لئے موجود تھے۔ ان کے لبوں سے سلام و درود ادا ہو رہا تھا۔ کسی نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے تو کوئی اپنے آنسوؤں سے فریاد کر رہا تھا۔

احترام، عقیدت اور محبت کا تقاضا تھا کوئی اونچی آواز میں نہ روئے وہاں پر موجود ہر زبان رنگ کے لوگ اپنے اپنے لہجے میں فریاد کر رہے تھے اور میرا مولا و آقاؐ ان کی سن رہا تھا۔ ان بہت سے لوگوں کے درمیان میں موجود تھا۔ لب خاموش اور میرے ہاتھ اب بھی جدا جدا تھے لیکن میرے آنسو میرے لئے اور میرے عزیزوں کے لئے دعائیں مانگ رہے تھے تو اس دن مجھے محسوس ہوا کہ آنسوؤں کی اپنی ایک زبان ہوتی ہے۔ آنسوؤں کی فریاد میں انکساری ہوتی ہے اور جو فریاد اور دعا لب پر نہ آسکے۔ وہ آنسو بیان کر دیتے ہیں۔ مذہب رنگ نسل سے آزاد لوگوں میں ایک ایسا بندہ تھا جو ان کے روضہء کی جالی کو ہاتھ لگانا چاہتا تھا لیکن یہ ممکن نہ تھا وہاں پر پہرے دار کھڑا تھا پھر ایک دم رش بڑھا تو میں خود ہی جالی کی جانب بڑھتا چلا گیا اور چند لمحوں کے لئے میرے ہاتھ ان کی جالی پر تھے اور میری آنکھوں سے اتنی رفتار سے آنسوؤں کی بارش ہوئی کہ مجھے احساس ہوگیا۔ میری حاضری کو قبول کرلیا گیا ہے۔ پوری دنیا کے مالک و مختار نے میرے ٹوٹے ہوئے دل اور بہتے ہوئے اشکوں کو دیکھ لیا تھا۔ میرے آقاؐ نے مجھ پر ایسا کرم کر دیا ہے کہ انہوں نے میری ندامت اور شرمساری کو مقبول بنا دیا تھا۔ اس نے اپنی بارگاہ میں میرے اشکوں کو وہ پذیرائی عطا کی کہ میری طبیعت میں ایک سکون ٹھہراؤ اور انکسار آ گیا تھا۔ اس دن محسوس ہوا تھا کہ اب میری طلب پوری ہوگئی ہے۔ یہ سب میرے حبیب کی عنایت تھی جس کے لئے اگر میں ساری عمر بھی اپنی آنکھوں سے ان کے شکریئے کے آنسو بہاتا تو کم ہوتے۔

کہہ دیا دل کی زباں سے لب پہ جو آیا نہ تھا

آغا شورش کاشمیری

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

گنبد خضریٰ روبرو تھا۔ آستانِ الکیاں کہتے ہیں باڑیاں، جہاں کبھی ایوب انصاریؓ کا مکان تھا اور رسول اللہؐ کو جن کی میزبانی کا شرف بخشنے کے لئے بیٹھ گیا تھا وہاں جنت البقیع کو جاتی ہوئی سڑک پر سیارہ رک گیا، باب عمر، باب عبدالمجید اور باب عثمان کی سڑک پر قصر الجاز ہوٹل ہے وہاں ہم دو کمرے لے کر ٹھہر گئے۔ کوئی دس منٹ میں نہا دھو کر کپڑے بدلے۔ بالکونی سے جھانکا تو نگاہیں گنبد خضریٰ سے ہم آغوش ہو گئیں۔ اس وقت کبوتروں کی ٹکڑی نے ہالہ باندھ رکھا تھا۔ آرام گاہ نبوت میں کورنش بجا لا رہے اور مجرائی عرض کر رہے تھے۔

مجھ پر سکتہ طاری ہو گیا۔ کیا واقعی مدینۃ النبیؐ میں ہوں؟ یا خواب دیکھ رہا ہوں، مجھے اپنے موجود ہونے کا احساس ہو گیا۔

سلام ہو اے مدینۃ النبیؐ

تو کائنات کے فخر و ناز کی پونجی ہے

تیری بنیادیں صبح قیامت تک قائم و دائم ہیں

تو نے وہ شرف حاصل کیا جو کرۂ ارضی کے کسی خطے کو حاصل نہیں

اور نہ حشر تک کوئی خطہ اس سعادت سے مشرف ہو گا

تیرے آغوش میں ایک ایسا انسانؐ سو رہا ہے جو اپنے مولد سے ہجرت کر کے یہاں آیا تو نے اس کو پناہ دی اس کی میزبانی کی

پھر وہ تیرا ہی ہو گیا

تیری مٹی کو اس نے اپنے وجود سے زندہ جاوید کر دیا

تیرا نام اسی کا ہو لیا یہاں تک بالا کیا اور دوام بخشا کہ صدیوں سے انسانوں کے قافلے صبح و شام تیری طرف کھنچے چلے آتے ہیں

تیری فضاؤں میں قرن ہا قرن سے درود و سلام کے موتی بکھر رہے ہیں
تیرے ہاں حاضر ہونا دنیا کی عظیم سعادتوں میں سے ایک سعادت ہے
سب سے بڑی سعادت
آج قریب چودہ سو برس ہوتے ہیں تیری کوئی
ساعت کوئی ثانیہ کبھی درود و سلام سے خالی نہیں رہا
تیری گلیاں ہم ایسوں کے لئے مصری کی ڈلیاں اور گلاب کی کلیاں ہیں
تیرے ذرے مہر و ماہ کو شرماتے اور دل و نگاہ کو چکاتے ہیں
تیری ہواؤں میں انفاس رسالت ﷺ کی خوشبوئیں بسی ہوئی ہیں
تو کتنا حلیم و کریم ہے کہ ہم ایسوں کو بھی حاضری کی سعادت بخشتا ہے۔ تیری عزت بے پایاں اور تیری عظمت بے کراں ہے۔ تو وہ دریائے کرم ہے کہ ہر ذی روح تیرے یہاں آکر اپنی پیاس بجھاتا ہے۔ تو آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہے۔

اے کرۂ ارضی کے سرتاج! اے سرتاج الانبیاء کی آرام گاہ ایک انسان کی بدولت کروڑوں انسانوں کو زندگی بخشنے والے اے کلام اللہ کے ۸۶۴۳۰ کلمات اور تین لاکھ ۲۳ ہزار سات سو ساٹھ حروف میں سے مدنی آیتوں کی جائے نزول، اے اس آخری نبیؐ کے مدفن مبارک جس کی ذات اقدس پر ۲۲ سال ۵ ماہ کے عرصہ میں ۶۶۶۶ آیتیں نازل ہوئیں، اے رحمتوں اور فضیلتوں کے شہر، اے عظیم انسانوں کے مامن، اے زبان و بیان کی روح رواں، اے سپہ سالاروں کے دل کی دھڑکن، اے انشاء پردازوں کے علو فکر، اے شاعروں کے تخیل کی معراج، اے خطیبوں کے ولولہ خطابت کی آبرو، اے عالموں کے افکار کی آرزو، اے دانشوروں کے علم و حکمت کی جستجو، اے اہل اللہ کے آستانہ آخر، اے عابدوں کی جبین ناز، اے زاہدوں کی محبت کے محور، اے جود و سخا کے مخزن، اے جمال دولت کے مسکن، اے گنہگاروں کی بخشش گاہ، اے بلدۂ رسالت پناہ، اے مرکز دل و نگاہ، اے انس و ملک کی بوسہ گاہ، اے خطا کاروں کے خطا پوش، اے ہر عہد کے فضلاء کی منزل، اے عاشقان صادق کے مَل ...... ایک ہیچ مداں اور بے سرو سامان کا سلام قبول کر۔

اے مدینۃ النبیؐ! تو مرکز نور الٰہی ہے۔ تو نے سب عاشقوں کی غایت اولیٰ کو دیکھا اور جاوداں ہوگیا۔ اللہ نے تجھے ہمیشگی بخشی ہے۔ فرشتے اللہ کے عرش سے تیرے فرش پر سلام و

درود کے تحفے لاتے ہیں تو نے اسلام کو رونق بخشی اور تاریخ کو عزت دی ہے۔ تو نے ادب کو درخشاں کیا، تو نے قلم کو توانائی، زبان کو رعنائی، بیان کو زیبائی اور فکر کو گہرائی بخشی ہے۔ ہم تیرے اور تو ہمارا ہے، تیری صبحوں میں صحابہؓ کا سوز دروں اور انصار و مہاجرین کا جوش جنوں ہے۔ تو شب زندہ داروں کی بلا واسطہ حکایت کا گوہر مکنوں ہے۔ تو عرش سے نازک تر ہے۔ تیرے آغوش میں نصف اسلام سو رہا ہے۔ تیری مٹی پاتال تک مقدس ہے۔ تو سب سے بڑی تاریخ ہے، تیرے شمال میں احد ہے جس نے بقول ابو الحسن علی ندوی لغت کو شجاعت کے لئے بے شمار الفاظ دیئے ہیں۔ وہ پہاڑ جو قیامت کے روز جنت میں اٹھایا جائے گا۔ تیرے شرق میں جنت البقیع ہے جہاں وہ لوگ سو رہے ہیں جو ابد الآباد تک زندہ ہیں جن کے لئے موت نہیں۔ جن سے موت بھاگتی رہی اور ہمیشہ کے لئے بھاگ گئی۔ جن کے چہروں کی غیرت نے عرش و فرش سے سلام لئے ہیں جو صرف زندہ رہنے کے لئے پیدا کئے گئے جن کا عقیدہ تھا کہ موت زندگی کی ابتداء ہے اور وہ مر کے زندگی کی ابتداء کر گئے وہی زندگی تب سے اب تک رواں دواں ہے۔

سلام ہو اے مدینۃ النبیؐ .... سلام ہو

اے شہروں کے شہنشاہ

اے انسانوں کی امید گاہ

اے زیر فلک عالم پناہ .... سلام ہو

وہ گھبراہٹ جو اپنی روسیاہیوں کے باعث مسجد نبویؐ میں داخلے کے تصور سے پیدا ہوگئی تھی ایکا ایکی ختم ہوگئی۔ بیت اللہ میں جلال ہی جلال تھا، مسجد نبویؐ میں جمال ہی جمال معلوم ہوا جیسے کوئی آغوش کھل گیا ہو۔ فخر و مسرت کا ایک عجیب احساس طاری ہوگیا۔ باب عمرؓ، باب مجیدی اور باب عثمانؓ سے باہر کا فرش جو ہر سہ دروازوں کے سامنے بچھا ہوا ہے وہاں تمام دن کبوتروں کی ٹکڑیاں اڑتی اور بیٹھتی ہیں۔ یہاں بدوؤں کے بچے گیہوں کے لفافے لئے صدا دیتے ہیں۔ عقیدت مند لفافے خرید کر دانے بکھیر دیتے ہیں۔ کبوتر اڑ اڑ کے دانے چنتے اور رہ رہ کے چکر کاٹتے ہیں۔ ہمارے ہاں انسانی ہاتھ کے خدشہ سے کبوتر اترتے ہوئے ہچکچاتے ہیں لیکن یہاں انہیں کوئی خدشہ نہیں۔ وہ آپ کے آس پاس اڑتے پھرتے اور چنتے ہیں۔ ان کی طرف بڑھیں تو وہ پرواز کا دائرہ بنتے اور پھریری لیتے ہیں۔ ہم داخل

ہوئے تو نماز عصر کی صفیں کھڑی ہو رہی تھیں اور یہ پہلی نماز تھی جو حرم نبویؐ میں ادا ہو رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ جو درجہ نماز کا یہاں ہے وہ مسجد الحرام کے سوا اور کہیں نہیں۔ خود جبین رسالتؐ یہاں بارگاہ ایزدی میں جھکتی رہی ہے۔ یہاں کی ایک نماز ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ یہاں ہر ذرہ جنت ہے۔ جنت اور کیا ہوگی کہ سامنے رسول خداؐ سو رہے ہیں۔ کوئی لمحہ درود و سلام اور سجدہ و تکبیر سے خالی نہیں۔ یہ تسبیح و تہلیل قرآن و حدیث، ذکر و اذکار، نوافل و وظائف اور دعا و صفا کی دنیا ہے۔ اس کی بنیادیں وہی ہیں جو رسول اللہؐ نے اٹھائی تھیں۔ اس کی روح رسول اللہؐ کی روح ہے۔ امہات المومنین کی حیا چاروں طرف محیط ہے۔ صحابہؓ کی آوازیں گندھی ہوئی ہیں اور اہل بیت بولتے چالتے ہیں۔ صرف محسوس کرنے کی ضرورت ہے۔ احساس کسی کسی کو ملتا ہے۔

نمازیں کعبۃ اللہ کی ہوں یا مسجد نبویؐ کی طویل نہیں ہوتیں۔ ہمارے ہاں کی مسجدوں کے امام طول کھینچتے ہیں لیکن حرمین میں ہر نماز اختصار سے ہوتی اور خضوع و خشوع پیدا کرتی ہے۔ کعبۃ اللہ میں محسوس ہوتا ہے کہ اللہ کے سامنے کھڑے ہیں۔ مسجد نبویؐ میں معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں اللہ کا رسولؐ دیکھ رہا ہے۔ وہ شور و شغب نہیں جو ہمارے ہاں مسجدوں میں نماز کے بعد عام ہوتا ہے۔ ایک عجیب سکون ہے جو نماز سے پہلے نماز کے دوران اور نماز کے بعد چھایا رہتا ہے۔ بعض ٹکڑیوں میں دورۂ حدیث ہوتا ہے اور اس غرض سے مختلف ممالک کے علماء حلقہ باندھ کر درس دیتے ہیں لیکن ہماری طرح کے واعظوں کی طرح نہیں جو حلقۂ درس کو سر پر اٹھا لیتے اور دھنیں تراش کر بزعم خویش قرآن و حدیث کا درس دیتے ہیں۔ ہمارے واعظ قرآن و سنت پڑھانے سے زیادہ اپنے علم اور گلے کی دھاک بٹھاتے ہیں لیکن حرمین میں اللہ و محمدؐ کی دھاک بیٹھی ہوئی ہے۔ باقی سبھی کچھ عجز و الحاح ہے یا سوز و گداز، یہاں کوئی اکڑ نہیں، کوئی تمکنت نہیں، کوئی شاہی نہیں، کوئی دولت نہیں۔ یہاں وہی سب سے زیادہ اکڑ والا ہے جو سب سے زیادہ عاجز ہے۔ وہی باتمکین ہے جو سب سے زیادہ منکسر ہے۔ وہی شاہ ہے جو گدا ہے اور وہی دولت والا ہے جو اللہ کا بھکاری ہے۔

یہاں کسی دنیوی عزت کو ترجیح نہیں۔ یہاں ترجیح صرف عشق نبوی کو ہے۔ کسی کو کسی سے سروکار نہیں۔ سب کو ایک ہی چوکھٹ سے سروکار ہے جو آتا ہے اسی کا ہو کر آتا ہے۔

بیت اللہ میں عقیدہ حاضر ہوتا اور جبینیں جھکتی ہیں۔ حرم نبویؐ میں عشق لے جاتا اور دل

جھتے ہیں۔ دل میں اللہ و رسولؐ ہیں تو آزما لیجئے۔ یہاں حاضر ہونا بڑا مشکل ہے۔ نفس پہلا سوال یہ کرتا ہے کہ آستانہ محمدؐ پر حاضر ہونے والے یہ بتا کہاں سے آیا ہے، یہاں تو بڑے بڑے رہ جاتے ہیں محمدؐ کے روبرو کھڑا ہونا آسان بات ہے؟ اس کی تاب جانثاران محمدؐ میں کہاں تھی۔

اب جو ساتھی آگے بڑھنے لگے تو میں رک گیا۔ انہیں تو یہاں رہتے ہوئے کئی سال ہوگئے ہیں۔ سال بھر میں کئی کئی حاضریاں دیتے ہیں میں کیا؟ میری بساط کیا؟ ایک مجموعہ فسق، مجھ میں یہ بال و پر کہاں سے آگئے کہ اڑ کے یہاں چلا آیا؟ بہت ہمت کی، قدم اٹھتے ہی نہیں۔ ایک سیاہ کار کا رسول اللہؐ کے روضہ اقدس پر حاضر ہونا بہت بڑی جسارت ہے۔ میں اس حد تک تو پہنچ گیا جہاں تک ۱۶۱ ہجری میں توسیع ہوئی تھی۔ اس سے آگے حوصلہ مفقود تھا۔ ہاتف نے کہا کہ نہیں یہاں رک گیا تو کہیں کا نہیں رہے گا۔ ستون ابولبابہؓ کے پاس کھڑا دیکھ رہا تھا کہ حضور حجرۂ عائشہؓ میں فروکش ہیں۔ میں نے اپنے تئیں بندھا ہوا پایا۔ حضورؐ بلائیں تو آگے بڑھوں۔ ان کی طرف سے بندش ڈھیلی نہ ہوگی تو ہلوں گا کیونکر؟ دل نے کہا بڑھ نالائقوں کے نالائق...... روسیاہ! جب تک اس در پر کھڑا نہ ہوگا یہ روسیاہی نہیں دھلے گی۔ یہ داغ نہیں مٹیں گے پاگل! ان سے مایوس ہوتا ہے جو مایوسیاں دور کرنے آئے ہیں۔ لاتقنطوا کا مژدہ کون لایا؟ وہی تو لائے تھے اب نفس کا نخرہ دکھا رہا ہے۔ یہ ظاہر کر رہا ہے کہ ندامت کا غلبہ ہے، ہمت جواب دے گئی ہے۔ نفس کو فریب کاری تاکے؟ چشمہ پر تشنگی مٹانے پہنچا ہے اور اب لب خشک کیے کھڑا ہے۔ بڑھ آگے اور کھڑا ہو جا ان کے سامنے جو ہر جہان کی رحمت ہیں۔ ان کا خزانہ کھلا ہے جھولی بھر، دونوں ہاتھوں سے بھر، صبح و شام بھر یہاں سے ہر شخص کو خلعت فاخرہ ملتی ہے۔ کوئی روکنے اور ٹوکنے والا نہیں۔ یہ رحمۃ للعالمین کا دربار ہے۔ سورج کالے گورے پر یکساں چمکتا ہے۔ ہوا گناہگاروں کے لئے رک نہیں جاتی۔ وہ سب کے مشام جان ہے، خوشبو پھیلنے کے لئے ہے چشمے کسی کے لئے اپنے سوتے نہیں موڑتے۔ وہ سب کے لئے رواں دواں ہیں۔ لوگ آتے اور تشنگیاں مٹا کے چلے جاتے ہیں۔ آب رواں نے کسی تشنہ لب سے کبھی اس کی ذات پات نہیں پوچھی، ہمیشہ ظروف بھر دیے ہیں۔

آخر وہاں پہنچ گیا جہاں پہنچنے کے لئے آیا تھا ...... روضہ مبارکؐ کے روبرو۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ
الصلوٰۃ والسلام علیک یا حبیبَ اللہ
الصلوٰۃ والسلام علیک یا نبی اللہ

تین بیضوی جھروکوں میں پہلا جھروکا سرورِ کونین کا ہے۔ دوسرا ابوبکرؓ کا، تیرا عمر فاروقؓ کا۔

جانے کتنی دیر گم سم کھڑا رہا۔ آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ انسانوں کا تانتا بندھا ہوا ہے اور سب اشکبار ہیں۔ اس حد تک تحیر ہے کہ ایک دوسرے سے کوئی آگاہ نہیں، لوگ آرہے اور جارہے ہیں۔ پہرے دار کھڑے ہیں۔ راستہ بن رہا، خلقت نکل رہی اور دعائیں لٹ رہی ہیں۔ شمع روشن ہے، پتنگے جمع ہیں۔ گھٹتے ہی نہیں بڑھتے چلے جاتے اور لو میں گھلے جارہے ہیں۔ دعائیں دہرا دہرا کر ختم ہوگئیں۔ درود و سلام نذر ہوتے رہے وہ مزا جو مواجہ پر تھا ہر آن بڑھتا گیا ادب کی آخری حد عشق کا منتہیٰ، حسن کی جولان گاہ، ملائکہ عرش الٰہی سے آرہے اور سلام کے موتی نذر کر رہے ہیں۔

نگاہوں کے خود بخود سجدے ٹپک پڑے

صفیہ صابری

قدم روضہ پاک کی طرف بڑھائے۔ جوتے باہر بنے ہوئے خانوں میں رکھے اور باب جبرئیلؑ کے اندر دایاں قدم رکھا۔ درود پڑھتے ہوئے ادب سے عاجزی کے ساتھ سر جھکائے حضور پاکؐ کی حضوری میں حاضری دی۔ روضہ پاک کے پاس جانے اور جالی چومنے کی اجازت نہیں ہے۔ پہرہ دار روضہ پاک کے پاس پہرہ دیتا ہے۔ روضہ اطہر کے دو فٹ کے فاصلے پر رکاوٹ کے لئے جالی رکھی ہوئی تھی۔ مبادا لوگ جوش جذبات سے جالی کو نہ چھوئیں۔ وفور جذبات سے میری اپنی حالت دگرگوں ہو رہی تھی۔ نگاہوں میں بے تابی بڑھ گئی تو حضور پاکؐ کے تصور سے مجھے ایسے محسوس ہوا جیسے آپؐ مسند نبوت پر جلوہ فروز ہیں اور آپؐ کے رخ انور سے نوری کرنیں چار سو پھیل رہی ہے۔ پاس ادب سے ایک لحہ کو میری نگاہیں جھک گئیں اور میں قوت گویائی رکھتے ہوئے بھی گنگ سی ہو گئی۔ قربان جاؤں شان نبوت کے، خلق خدا روضہ اطہر کی زیارت کے لئے کس قدر بے چین و مضطرب تھی۔

آنحضورؐ کی الفت کا دل میں ایک دریا موجزن تھا۔ کچھ لحہ میری کیفیت حاضری کے شوق میں عجیب سی ہو گئی۔ پھر بڑے عجز و نیاز سے سلام عرض کیا، درود پڑھا، سلام پڑھا جو دعائیں یاد تھیں، پڑھتی گئی۔ دل کی عجب حالت تھی۔ آنکھوں میں اشک امڈ آئے تھے۔ ہزاروں خواہشوں اور آرزوؤں کے باوجود در مصطفیٰ ﷺ سے سوائے شفاعت کے کچھ نہ مانگ سکی۔ باقی تمنائیں اشکوں کے کشکول میں ڈال دیں۔ میں نے اکثر عورتوں کو دھاڑیں مارتے، روتے دیکھا ہے۔ بے تابی، بے قراری سے دعائیں مانگتے دیکھا ہے۔ اونچی اونچی آواز میں حضورؐ کو پکار کر دعاؤں کی حاجت روائی کرتے دیکھا ہے۔ جالی کے قریب ہونے کے لئے ایک دوسرے کو دھکے دیتے دیکھا ہے۔ ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ آہستگی سے درود و دعائیں پڑھنی چاہئیں۔ دل حب رسولؐ کی محبت سے معمول ہو لیکن ادب کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہئے۔

چشم تصور سے حضور پاکؐ کو اپنے سامنے مجسم نور کی صورت میں دیکھئے کہ آپؐ استراحت فرما ہیں۔ کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہو جو حدود شرع اور ادب سے باہر ہو۔ آپؐ کے روضہء پاک کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے روضے ہیں۔ ان کے روضے پر حاضری دے کر درود وسلام اور دعائیں پڑھیں۔ پھر اصحاب صفہ کے چبوترے کے پاس سے ہو کر ریاض الجنتہ میں دو نفل پڑھے۔ مشکل سے سجدہ کے لئے جگہ ملی۔ ایک گھنٹہ کا وقت پلک جھپکتے گزر گیا۔ ابھی تو دل مضطرب کو قرار بھی نہ آیا تھا۔

ابھی تو دیدہ بینا میں تشنگی تھی کہ پہرہ داروں نے وقت کے ختم ہو جانے کا اعلان کر دیا۔ بادل نخواستہ باہر آ کر مسجد نبویؐ کے برآمدوں میں سے ہوتے ہوئے باب النساء کے قریب بیٹھ گئی اور ذکر کرنے لگی لیکن نگاہیں بار بار روضہء مقدس کی طرف اٹھ جاتیں۔

جہاں ہم آکر چوم لیتے ہیں سنگ آستانے کا

شیخ ضمیر الدین احمد

جب باب جبرئیلؑ کے قریب پہنچا تو ہیبت جمال نے پاؤں پکڑ لئے اور آقائے دو جہاںؐ کے دبدبہ جمال نے سکتہ سا طاری کر دیا۔ آپؐ کی عظمت و رفعت شان کے مناظر آنکھوں میں گھوم گئے، دنیا کے گوشہ گوشہ سے لاکھوں کروڑوں پروانوں کا یوں کھنچے چلے آنا اور در اقدس پر جاں نثاروں کا یہ جم غفیر اور اس کے مقابل آپؐ کے وہ پہلے پہل مدینہ منورہ تشریف آوری کا منظر دشمنوں کی ایذا رسانیاں اور مسجد نبویؐ کی وہ سادہ و کچی تعمیر، آپؐ کی سادہ و پاکیزہ زندگی ہر نقش ابھرتا اور مبہوت بناتا چلا گیا۔ آخر آپؐ کی رافعت و محبت اور اپنے نام لیواؤں سے قلبی لگاؤ کے تصور نے ہمت بندھائی اور آپؐ پر درود و سلام کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے ڈگمگاتے قدموں سے باب جبرئیلؑ سے داخل ہو کر صفہ کے سامنے سے گزرتے ہوئے مشرقی دالدن سے متصل صحن کے کچے حصے میں آیا۔ اہلیہ کو مستورات کے مجمع میں پہنچا کر اسی صحن میں آکر بیٹھ گیا۔ یہیں عصر کی نماز ادا کی اور عصر سے مغرب تک گنبد خضریٰ کے نور سے اپنی گناہگار آنکھوں کی سیاہی کو منور کرتا رہا۔

مغرب کے بعد مواجہ شریف کے سامنے مجمع کم ہوا تو سلام و عرض نیاز کے لئے لڑکھڑاتے قدموں سے حاضر ہوا۔ رؤف و رحیم آقاؐ کے دربار میں بقدر ظرف، لطف و مہربانی سے ہر غلام سرفراز کیا جا رہا تھا۔ اس ذلیل و ناکارہ غلام پر محبت و مہربانی کی بارش ہوئی اور طمانیت و سکون کی دولت سے اس کا دامن مراد بھی بھر اگیا۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یا سیدی یا رسول اللّٰہ

عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر ہوٹل واپس آئے۔ دربار حبیبؐ کے جلوؤں نے ایسا مست و سرشار کر رکھا تھا کہ کھانے پینے کے اہتمام کو دل ہی نہ چاہا۔

پھر آنے لگیں شہرِ محبت کی ہوائیں

ڈاکٹر محمد ظفر اقبال نوری

صبح نے اپنی نورانی کرنیں پہاڑوں کی چوٹیوں پر بکھیرنا شروع کیں۔ آسمان کا نور زمین کی گود میں سمٹتا چلا گیا معاً ذہن اس روز سعید کے تصور میں گم ہو گیا۔ جب یہ مختصر سا کارواں راستے کی صعوبت کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتا ہوا پہاڑوں اور وادیوں سے گزرتا مدینے کی سرزمین پر جلوہ ریز ہوا ہوگا۔ مدینے کے لوگ کس بے تابی سے امڈتے ہوئے آنسوؤں سے اضطراب دل و جاں کے ساتھ آنے والے مقدس مہمان کے استقبال کی تیاریوں میں مصروف ہوں گے۔ مدینے کی سرحد پر ایسا مقدس و محترم مہمان کب نمودار ہوا ہوگا۔ ایسا پرخلوص اور پراشتیاق استقبال کائنات میں کس کے لئے کیا گیا ہوگا۔ بتوں کی پرستش سے منہ موڑ کر باطل کی تیرہ و تار فضاؤں سے نکل کر اسلام کے سایہ رحمت میں پناہ لینے والے بادی اور اپنے محسن کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے اس طرح گھروں سے نکل نکل کر مدینے آتے ہوں گے۔ کس طرح ان عاشقان رسولؐ نے ہجر کی گھڑیاں تڑپ تڑپ کر کاٹی ہوں گی۔ ہجر کے ایسے دل گداز جان سوز اور پرشوق لمحات اس بستی کے رہنے والوں نے کب دیکھے ہوں گے۔ ہجر کی گھڑیاں کٹ گئیں۔ مطلع نور نظر آنے لگا۔ آخر وہ خورشید جہاں تاب، مہر رسالت، نور مبین، شمع صدق و یقین، جان حرم جلوہ نما ہوا۔ اہل مدینہ کی مسرت کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ الفاظ میں کیسے ان خوشی سے تمتماتے چہروں، شادمانی سے بھرپور سینوں اور خوشی سے امڈتے ہوئے آنسوؤں کی تصویر کشی کی جا سکے۔ ہر دل مہمانی کے لئے بے تاب ہر آنکھ اس تجلی کی جھلک دیکھنے کے لئے مضطرب تھی۔ ایسے جلیل القدر اور رفیع الشان مہمان کی آمد پر اس فخر موجودات اور مقصود کائنات کی تشریف آوری پر اہل مدینہ ہی نہیں، شجر، حجر، چرند، پرند بلکہ موجودات کی ہر شے نے خوشیاں منائی ہوں گی۔ جس ذرے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک پڑے ہوں گے۔ وہ آفتاب بن گیا ہوگا۔ جس گھر کو اس پیکر رحمت نے شرف بخشا ہوگا، وہ اجالوں کا مرکز بن گیا ہوگا۔ جس گھر کو اس پیکر رحمت نے شرف بخشا

ہوگا، وہ اجالوں کا مرکز بن گیا ہوگا۔ ننھی منی معصوم بچیوں نے جب اس مقدس مہمان کی آمد پر ..... الوداع پر یہ اشعار پڑھے ہوں گے تو ان کے معصوم لہجے اور پرشوق آواز پر فرشتے بھی وجد میں آگئے ہوں گے۔

طلع البدر علینا
من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا
مادعا للہ داع
ایھا المبعوث فینا
جئت بالامر المطاع

میں انہی تصورات میں گم تھا کہ بس سے بے ساختہ درود و سلام کی صدائیں بلند ہونا شروع ہوگئیں۔ محبوب خدا کا گنبد خضریٰ نظر آگیا تھا۔ بس حدود مدینہ منورہ میں داخل ہوچکی تھی۔

بخشش نظر آئی مجھے رحمت نظر آئی
صد شکر ترے شہر کی صورت نظر آئی
آنکھوں کو میسر ہیں مدینے کی فضائیں
اک عمر کے بعد آج وہ ساعت نظر آئی

زائرین نے آنسوؤں کے ہدیے اور دھڑکنوں کے نذرانے پیش کئے اور تھا بھی کیا کہ اس بارگاہ اقدس پر نچھاور کرتے۔ یہ زاد راہ عمر بھر کا سرمایا تھا جو دنیا کی کلفتوں سے چھپا چھپا کرنہاں خانہ دل میں جمع کر رکھا تھا۔ بے تابی اور بڑھی، دھڑکنیں اور تیز ہوئیں، آنسوؤں کی فراوانی ہوتی گئی، ابھی تو دیدار بارگاہ رسالت اور حسرت وارماں کے درمیاں ایک مرحلہ باقی تھا۔ درود و سلام کی گونج مدینہ منورہ کی حدود میں پھیل گئی۔ بس پاسپورٹ دکھانے کے لئے رکی۔ ہم سر جھکائے نیاز کے پیکر بنے ہوئے بس سے اترے۔ سرزمین مدینے پر قدم رکھا۔ خدا کی حمد و ثناء ورد زباں تھی۔ اے مالک الملک! تیرا کرم ہے کہ تو نے اپنے محبوب کی بستی کے جلوؤں سے نظر کو سیراب ہونے کا موقع عطا فرمایا۔ ہم خوش بخت تھے، ہمیں اپنے بخت رسا پر ناز تھا۔ ہم معطر و مقدس فضاؤں میں سانس لے رہے تھے۔ جس کے لئے نفس نفس آرزو اور نظر نظر متجسس رہی تھی۔ عمر بھر کی ترسی ہوئی نگاہوں کو اس مقدس بستی کی زیارت کا

شرف نصیب ہوا۔

وہ جلوے ترستی تھیں جن کو نگاہیں
نگاہوں سے نزدیک تر آگئے ہیں

اب وہ دیار حبیبؐ سامنے تھا۔

خوشا نصیب کہ ہے سامنے دیار حبیبؐ
ہزار جان اگر ہو کروں نثار حبیبؐ
زہے کرم کہ در مصطفیؐ پہ آپہنچا
خوشا نصیب ہوا ختم انتظار حبیبؐ

حیرت و مسرت کے حسین امتزاج سے ہر ذرہ نور میں جلوہ طور دیکھ رہے تھے۔ زباں پر بار بار حمد خدا آئی۔ اے خدا تیرا شکر کس زبان سے ادا کریں؟ اے کریم تیرا کرم لامتناہی ہے۔ تیرے فضل کا درخشاں نشان اس دیار پاک میں خود ہمارا وجود ہے۔ اب زندگی کی کوئی حسرت باقی نہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کس چیز کی آرزو ہو سکتی ہے۔ اب موت کا کھٹکا نہیں ہم دامن رحمت میں آگئے تھے۔ ہم خدا کے بعد کائنات کے سب سے بڑے کریم کے سائے میں پہنچ گئے تھے۔ یہاں پر موت اصل زندگی ہے۔ اس دیار پاک میں مرنے والے پر موت رحمت بن کر چھا جاتی ہے۔ شہر حبیبؐ میں موت پر زندگی کے سارے چشمے نثار ہیں۔ یہ دیار حبیب محبوب کی بستی، رحمتہ اللعالمین کا مسکن ہے۔ یہ مدینہ الرسول ہے جس کو سرکار دو عالمؐ کے وجود اقدس و اطہر سے شرف نصیب ہوا۔ جو حضورؐ کی آمد سے پہلے یثرب کہلاتا تھا۔ اس کی فضاؤں میں بیماری اس کی زمین میں مصیبتوں کی تاثیر تھی۔ رسالت مآبؐ نے ہجرت کے بعد اس زمین کو اپنی مستقل اقامت گاہ بنایا اور دعا فرمائی کہ اے خداوند کریم! اس فضا کو آفات اور مصیبتوں سے پاک فرما دے۔ اس کی زمین کو باعث خیر و برکت بنا دے۔ دعا کے الفاظ ابر رحمت بن کر اس زمین پر چھا گئے۔ فضائیں تمام کثافتوں اور بلاؤں سے پاک و صاف ہو گئیں۔ یہی سرزمین امن و سکون، اطمینان و راحت اور خیر و برکت کی سرزمین بن گئی۔ جو مٹی ہلاکت کی تاثیر رکھتی تھی۔ وہ شفا کی تاثیر رکھنے لگی۔ حضور اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ مدینے کی مٹی میں شفا ہے۔ مکہ مکرمہ قیام کے دوران سر میں زخم ہو گئے تھے۔ رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ سرکار دو عالمؐ کی حدیث ذہن میں تھی۔ قالین سے نیچے کی مٹی اٹھا کر سر

پڑ لی، دوسرے دن زخم بھر گئے۔ اگلے دن زخموں کا نشان بھی باقی نہ رہا۔

دیار رسولؐ کے آداب ہر لحظہ ذہن میں رہنے چاہئیں۔ یہاں انکساری اختیار کی جائے۔ اس خطہ پاک پر جابجا حبیب خداؐ کے نقش کف پا ہیں۔ عشاق یہاں بہ صد ادب و احترام چلتے ہیں۔ مبادا حبیب خداؐ کے نقش کف پا پر پاؤں پڑ جائے اور گستاخی ہو جائے۔ اے زائرین دیار رسولؐ اپنی چال آہستہ رکھ تکبر کی چال نہ چلو۔ اے حجاج کرام یہ وہ مقدس بستی ہے جہاں فرشتے سر جھکائے عجز و نیاز سے حاضر ہوتے ہیں۔ رتبہ شناس پاکان بارگاہ نے تو اس بستی میں اونچی سانس تک نہیں لی۔ اس زمین پر ننگے پاؤں چلے۔ اس بستی میں امام مالکؒ نے چالیس سال بسر کئے۔ ادب کا یہ عالم تھا کہ حرم نبوی شریف میں کلام پاک کے اوراق آہستہ الٹتے تھے کہ ایسا نہ ہو ورق الٹنے کی آواز حضور تک پہنچ جائے اور اس سے روح اطہر کی لطافت متاثر ہو۔ حوائج ضروریہ کیلئے مدینہ منورہ کی حدود سے باہر تشریف لے جاتے تو آہستہ آہستہ حدود مدینہ سے باہر جاتے مگر واپسی پر اس کے برعکس تیزی سے تشریف لاتے۔ سبب پوچھا تو فرمایا کہ اس لئے آہستہ جاتا ہوں کہ اگر موت کی ساعت آئے تو حدود مدینہ کے اندر آئے۔ واپسی پر بھاگ کر اس لئے آتا ہوں کہ اگر موت کی ساعت آئے تو حدود مدینہ میں آئے اور مرنے سے پہلے شہر رحمت و برکت میں داخل ہو جاؤں۔ ادب کا معیار عشق کے مزاج پر منحصر ہے۔ عشق کے بغیر ادب کا مفہوم سمجھ میں آ ہی نہیں سکتا۔ میر نے یقیناً اسی مقام پر کہا ہے۔

دور بیٹھا غبار میر ان سے
عشق بن یہ ادب نہیں آتا

اس عاشق رسولؐ کا عشق و محبت سے لبریز واقعہ یاد آ گیا۔ حرم نبوی (الشریف) میں حدیث شریف کا درس دے رہے تھے کہ بچھو نے ڈنک مارا۔ آپ اسی انداز نشست میں حدیث پاک پڑھاتے رہے۔ بچھو نے بار بار ڈنک مارا۔ جنبش تک نہ کی، اسی استغراق اور اسی محویت سے درس دیتے رہے جب درس ختم ہوا تو آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔ تلامذہ نے سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ رسول خداؐ کی حدیث مبارک پڑھا رہا تھا۔ میں نے پہلو بدلنا خلاف ادب سمجھا۔ یہ ادب اور احترام ہی عشق مصطفویؐ کا مظہر اور نجات اخروی کا ضامن ہے۔

پاسپورٹ واپس مل گئے۔ ڈرائیور نے شہر محبوبی، دیار تمنا، شہر آرزو واشکوں کی قبولیت کے مقام آہوں کی سرفرازی کے خطہ مبارک کی طرف بس چلائی۔ در و دیوار کو نظر چومتی گزری۔ ذرے ذرے کو احترام و عقیدت سے دیکھا۔ یہی وہ شہر مقدس ہے جہاں محبوب رب العالمینؐ نے عمر مبارک کے دس سال بسر کئے۔ یہ دس سال اسلامی تاریخ کے تابندہ نقوش ہیں۔ ہر دن نے اسلامی تاریخ میں حسین اضافہ کیا۔ ہر واقعہ زمانے کی جبین پر خورشید بن کر چمکا۔ یہ آزمائشوں کا دور تھا۔ تبلیغ و تعلیم کا دور، عروج و اقبال اور فتح و نصرت کا دور تھا۔ کتنے لازوال ابواب اس زریں اور مقدس عہد میں تاریخ کے اوراق کی زینت بنے۔ جو قیامت تک مسلمانان عالم کے لئے درس حیات اور وجہ بصیرت ہیں۔ آج بھی اس مقدس سرزمین سے اس عہد کے عنوانات چنے جاسکتے ہیں۔ اگرچہ طرز جدید کی عمارات نے اس دور کے کچے مکانوں کی جگہ لے لی ہے مگر فضاؤں میں ابھی تک ان نفوس قدسیہ کی خوشبو بسی ہوئی ہے۔

کائنات کا یہ کتنا مبارک و مقدس شہر ہے کہ محبوب خدا، آرزوئے کائنات، مولائے کل، ختم رسل، دانائے سبل علیہ السلام اس جگہ آرام فرما ہیں۔

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبارہ راہ کو بخشا فروغ وادی سینا

اس مقدس بستی کو دیکھنے کی حسرت میں ان گنت لوگ اشک بہاتے ہیں۔ اس کی یاد نے سینوں کو آباد کر رکھا ہے۔ اس دربار مقدس پر زمانے بھر کے شہنشاہ بھیک کے لئے جھولیاں پھیلاتے ہیں۔ چاند اس روضہ منور سے نور کی خیرات مانگتا ہے۔ حرم پاک کی خاک فرشتوں کے چہروں کا غازہ ہے۔ کائنات کا جمال اس کی تجلیات کا صدقہ ہے۔

آئینۂ جمال ہے صورت حق نما تری
پھیلی ہے کائنات میں چار طرف ضیا تری
ہے لب جبرئیل پر شام و سحر ثنا تری
غازہ روئے قدسیاں تابش خاک پا تری
صلی علی سیدنا صلی علی محمد

تاروں نے حرم پاک کے ذروں سے چمک پائی گلزاروں کا دامن اس کی خوبی و رعنائی

سے مہک مہک اٹھا۔ پھولوں کی نکہت چمن کی شگفتگی میں اسی کا جمال ضیا ریز ہے۔ اسی وجود پاک سے تمام کائنات کی زیبائیاں اور تمام عالم کی حسن آرائیاں ہیں۔ لولاک لما کی خلعت اسی وجود مقدس پر راس آئی۔ خاتم النبیین کا لقب اسی ذات گرامیؐ کے لئے تھا۔ قرآن حکیم اسی ذات مطہر پر اتارا گیا۔ یہی بستی نزول قرآن کی جگہ ہے۔ فرشتوں کا نزول یہیں ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی آرزوؤں کا حاصل یہی مقام ہے۔ اسی روضہ اطہر پر نثار کرنے کے لئے صبا درود و سلام کے پھول دنیا کے گوشے گوشے سے لاتی ہے۔

مراد یہ ہے کہ روضے پہ ان کو لے جائے
گل درود ہیں سب دامن صبا کے لئے

کونسی زباں ہے جس پر سرکار دو عالم کی مدح و ثنا نہیں۔ کونسا دل ہے جس کی دھڑکن میں حضور کی محبت کا ظہور نہ ہو۔

اے رحمۃ اللعالمین آپ پر لاکھوں درود و سلام۔ اے محبوب کائناتؐ اس عاصی اور خاطی کا سلام عجز قبول فرمایئے۔

میں انہی خیالات میں گم تھا کہ بس سے سامان اتارا گیا۔ قیام گاہ پر سامان رکھا، غسل کیا، کپڑے بدلے، خوشبو لگائی۔ باطن کی صفائی میسر نہیں کہ روضہ اقدس کی حاضری کے قابل ہوسکوں مگر یہ ظاہری پاکیزگی تو اپنے بس کی بات ہے۔ مگر ہمارا ظاہر بھی اس قابل کہاں ہے کہ دربار میں حاضر ہوسکے۔ گھر سے نکلے، درود شریف ورد زبان تھا۔ قدم رک رک کر پڑ رہا تھا۔ ادب دامن گیر تھا۔ شوق مہمیز لگا رہا تھا۔ سوز دل کی لو تیز ہوگئی۔ درد جاں سوا ہوگیا۔ رہ رہ کر خیال آتا تھا کہ خطاؤں سے آلودہ گناہوں میں ملوث ایک عاصی کو یہ رسالت پناہ کی حاضری کا شرف مل رہا ہے۔ یااللہ کس زباں سے تیرے احسانات و انعامات کا ذکر کروں۔ کون سے الفاظ تلاش کروں جو اس کرم بے پناہ کے شکریے کے قابل ہوں۔ دل نے ندا دی کہ خاموشی بھی تو دعا ہے۔ حیرت بھی تو شکر کی صورت ہے۔ آنسو بھی تو جذبہ تشکر کا حسین اظہار ہیں۔ الفاظ تو جذبے کو محدود کر دیتے ہیں۔ ان کے معانی دائرے سے باہر نہیں نکل سکتے۔ مگر حیرت و شوق کی وسعت لامحدود ہے۔ آنسوؤں کی روانی بھی تو جذبہ شوق کی فراوانی ہے۔ یہ بھی تو ثنا کا انداز ہے۔ حمد کا آئینہ ہے، کرم پر شکر کا اظہار ہے۔ اللہ تعالیٰ دلوں کے بھیدوں سے واقف ہے وہ تو انسان کے ارادوں کا محرم ہے وہ عالم الغیب

ہے۔

آخر سعادت و برکت کی معراج زیارت کی گھڑی آگئی۔ رحمت عالم کے دربار گہر بار کے مینار راستے ہی سے نظر آنے لگے۔ شوق و حیرت نے زباں گنگ کر دی، سوچ کے دھارے خشک ہو گئے۔ یہاں آدمی پیکر حیرت بن کر رہ جاتا ہے۔ فکر عاجز ہو جاتا ہے۔

یہ وہ رستہ ہے کہ حیرت بھی عبادت ہے یہاں
منزل عشق و وفا میں ہے خموشی بھی سخن

اس دربار کے سب فقیر ہیں۔ سب بھکاری ہیں، امیر کو امارت کا شہنشاہ کو شہنشاہیت کا آقا کو آقائی کا تصور بھی مٹ جاتا ہے۔ سب جھولیاں پھیلائے آتے ہیں۔ سب فقیرانہ صدا دیتے ہیں یہاں نسل کا امتیاز نہیں، کالے گورے کی تفریق نہیں، سرکار رحمت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب یکساں ہیں۔ اپنی امت کا ایک ایک فرد حضور کو پیارا ہے۔ حضورؐ کے دامن شفقت نے تمام انسانوں کو امن و راحت کا مژدہ سنایا۔ وہ سب کے شفیع، سب کے ہادی سب کے لئے رحمت ہیں۔

اے خوشا صلی علیٰ منزل طیبا کا سفر
یہ وہ رستہ ہے کہ فردوس سے جا ملتا ہے

ہم فردوس میں داخل ہو چکے تھے۔ حرم پاک میں گنہگار حاضر تھا۔ حرم نبوی (الشریف) میں داخل ہوتے ہی خوشبو کا ایک تیز جھونکا آیا جس سے سارا جسم معطر ہو گیا۔ یہ مقدس جگہ کائنات کے جمال کا مرکز ہے۔ خانہ کعبہ کے بعد کونین میں اس سے افضل جگہ نہیں۔ اس کی عظمت ابدی ہے۔ اس کا جمال سرمدی ہے۔ ہم سر جھکائے نظریں قدموں پر جمائے دھڑکتے دل اور اشکبار آنکھوں سے لرزاں اور خود میں سمٹتے ہوئے دوبارہ آقائے نامدار فخر موجودات سید الانبیاء خاتم المرسلین، رحمۃ اللعالمینؐ کے سامنے مواجہ شریف پر حاضر ہو گئے۔ ہونٹوں پر درود وسلام کے نغمے، آنکھیں حیرت کی تصویر اور دل کی ہر دھڑکن شکر و سپاس کا نغمہ تھی۔ سر جھکا کر ندامت کے پسینے میں شرابور، گناہوں کے احساس سے شرمندہ ماضی کی زندگی پر پشیمان ختمی مرتبتؐ کے حضور سلام پیش کیا۔ اس سرفرازی کے احساس نے عجب کیفیت پیدا کر دی کہ حضورؐ سلام کا جواب دے رہے ہیں۔ اس جسم خاطی پر، اس عاصی پر رحمتیں بھیج رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ رحمتوں کا نزول فرما رہا ہے۔ فرشتوں نے رحمت کی چادر تان دی۔ سلام شوق کونین پر محیط ہو گیا۔ اس کی برکات سے زمین و آسمان کا خلا بھر گیا۔ اس حاضری سے سعادت دارین

نصیب ہوگئی۔

اپنی ایک نعت کے اشعار یاد آئے۔آنسوؤں سے غبار جاں دھل گیا۔

آستاں پہ غلام آئے ہیں
آج بہر سلام آئے ہیں
روح کونین رحمت عالم
اس طرف بھی ہو اک چشم کرم
جو ترے آستاں پہ آتے ہیں
اپنی اپنی مراد پاتے ہیں
تیرے در پہ فقیر آئے ہیں
ہر طرف رحمتوں کے سائے ہیں
اپنی رحمت سے جھولیاں بھر دے
ہم تہی دامنوں کو گوہر دے
درد کو زندگی عطا ہو جائے
سوز دل اور بھی سوا ہوجائے
آنکھ کو ذوق درفشانی دے
لب کو توفیق مدح خوانی دے
لب کو آہ سحر عطا کردے
ساز خاموش کو صدا کردے

ان اشعار نے ساز جاں میں وہ ارتعاش پیدا کردیا کہ بیان نہیں ہوسکتا۔بحضور سید عالمؐ اشکوں نے دل کا بوجھ ہلکا کردیا۔آنسوؤں کی لڑیاں روضۂ اقدس کی جالی پر قربان ہورہی تھیں۔دل سے دعا نکلی تھی۔

گنہگاران امت پر ہو رحمت کی نظر آقاؐ
کھڑے ہیں سب کے سب بادیدہ نم یارسول اللہؐ

یہی وہ مقام ادب ہے جس کے لئے عزت بخاری نے کہا تھا۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر

نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

یہی وہ روضہء اطہر ہے جس پر ستر ہزار فرشتوں کا نزول طلوع آفتاب کے وقت ہوگا ہے۔ ستر ہزار ملائکہ غروب آفتاب کے وقت حاضری دیتے ہیں۔ ملائکہ کو یہ سعادت صرف ایک بار نصیب ہوتی ہے۔ قیامت تک دوسری بار روضہء اقدس پر حاضری کا شرف نصیب نہیں ہوتا۔ یہ انسان پر خداوند کریم کا بے پناہ کرم ہے کہ ہر روز اس مرکز نور اور چشمہ فیض سے جس وقت حضور اکرم کرم فرمائیں، سیراب ہوسکتا ہے۔ یہ کرم خاص صرف سرکار دو عالمؐ کی امت ہی کا مقدر ہے۔ انبیائے کرامؑ جس کے دیدار کے متمنی اور منتظر رہے۔

اس بارگہ قدس کی کیا بات ہے حافظ
دیتے ہیں فرشتے بھی جہاں آ کے سلامی

یہی وہ دربار ہے جس کی سخاوت کائنات پر محیط ہے۔
یہی وہ چشمہ نور ہے جس کے جلوؤں سے سارا جہاں روشن ہے۔
یہی وہ مہر نبوت ہے جس کی کرنوں سے دنیا کے ظلمت کدے منور ہوئے۔
یہی وہ آستانہ ہے جو دلوں کو سرور نگاہوں کو کیفیت حضوری بخشتا ہے۔
یہی وہ در ہے جہاں منگتوں کی جھولیاں بھری جاتی ہیں۔
یہی وہ مقام مقدس ہے جو آنحضرتؐ کے جسد اطہر سے مشرف ہے۔
یہی وہ جگہ ہے جو عرش و کرسی سے افضل ہے۔

حاضری سے پہلے آنسوؤں اور دھڑکنوں نے قلب و نظر کی تربیت کردی تھی۔ حاضری سے پہلے ہی ادب و احترام کے احساس نے شعر کا روپ اختیار کرلیا تھا۔

اے زائر درگاہ نبیؐ جائے ادب ہے
آئے نہ ترے دل کے دھڑکنے کی صدا بھی

اے زائرین دربار رسالت تم کائنات کے منتخب اور خوش قسمت افراد کے زمرے میں شامل ہوگئے ہو۔ خوش بختی نے تمہارے قدم چوم لئے...... بارگاہ اقدس میں پہنچ گئے۔ جلوہ گاہ ناز میں آگئے۔ محبوب خدا کے آستانے پر حاضر ہو۔ برکتوں کے آستانے اور سعادتوں کے خزانے پر کھڑے ہو۔ امن و سلامتی کا سرچشمہ تمہارے سامنے ہے۔ راحت و آرام کی فضاؤں نے تمہیں گھیر لیا ہے۔ سب کلفتیں مٹ گئیں۔ دل کی سب تاریکیاں دور ہوگئیں۔

گل امید سے دامن مہک رہا ہے۔

بھیجو درود سید خیر الانام پر

وجہ نزول رحمت یزدان ہے ان کی یاد

یہ بارگاہ سرکار کا خاص بلاوا ہے۔ یہ سفر مبارک خاص منظوری کی دلیل ہے۔ اے خوش قسمت انسانوں دامن پھیلائے رکھو، صدا لگائے رہو، خیرات بٹ رہی ہے۔ نعمتیں جھولیوں میں ڈالی جا رہی ہیں۔

یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے یہ بڑے نصیب کی بات ہے

مولانا محمد عبدالستار خان نیازی

آج دن ہے ہماری واپسی کا۔ روضہ اقدس پر میں نے حاضری دی۔ وہاں سے آنے کو جی نہیں چاہتا۔ صلوٰۃ و سلام بار بار پڑھتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مواجہے میں کھڑے ہو کر پڑھتا تھا: ''الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ، الصلوٰۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ''۔ اس کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ کی قبر مبارک کی طرف منہ کر کے سلام پڑھا۔ اس کے بعد حضرت فاروق اعظمؓ کا سلام پڑھا۔ حضورؐ کے وزیرو! تم پر سلام ہو، حضورؐ کے نائبو! تم پر سلام ہو، حضورؐ کے دین کے مددگارو! تم پر سلام ہو۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور کے پاس کھڑے ہو کر سلام پڑھ رہا ہوں۔

سلام پڑھتے میں نے کہا، میں خطا کار، بدکار اور گنہگار، آپؐ کے دربار میں حاضر ہوں، میرے پاس کچھ نہیں ہے، سوائے آپؐ کی ذات کے کوئی ٹھکانہ نہیں، کوئی جائے پناہ نہیں، کوئی جائے نجات نہیں۔ (لا ملجا ولا ماویٰ ولا منجا الا الیک یا رسول اللہ) میں نے 36 سال سے تقریر سے، تحریر سے شریعت کے نفاذ کا مطالبہ کیا ہے، یہ دو جہدکی ہے، اس مقصد کے حصول کے لئے پھانسی کے تختے پر پہنچا ہوں مگر افسوس ہے کہ شریعت کا قانون نافذ نہیں ہوا۔ حضورؐ! میں اس ناکامی کے بعد پاکستان میں واپس نہیں جانا چاہتا، مجھے یہیں موت آجائے، مجھے اپنے دامن میں جگہ دو، میں واپس نہیں جانا چاہتا۔ اسی حالت میں، میں نے مولانا جامیؒ کی نعت پڑھنا شروع کر دی۔

تنم فرسودہ جاں پارہ زہجراں یا رسول اللہ
دلم پژمردہ و آوارہ زعصیاں یا رسول اللہ
چوں بازوئے شفاعت راکشائی بر گنہ گاراں
مکن محروم جامی را درآں آں یا رسول اللہ

بارگاہ رسالت سے بشارتیں: روضہ اقدس پر حاضری کے لئے اس سال پندرہ لاکھ

حائل آئے تھے۔ دھکے پر دھکہ لگ رہا تھا۔ مجھے دھکے لگتے گئے اور میں قبلہ کی دیوار کے ساتھ جا لگا۔ ادھر تھوڑی دیر کے لئے مجھ پر غنودگی طاری ہوگئی اور اسی عالم میں مجھے آواز آئی:

''تم کہتے ہو، تم نے ساری عمر تبلیغ دین میں لگادی ہے، باقی زندگی بھی لگادو۔ قرآن پاک کی یہ آیت "قل ان صلاتی ونسکی و محیایی و مماتی للہ رب العالمین" اسی جانب اشارہ کرتی ہے۔'' ومالنت علیھم بمصیطر اور انا نحن نزلنا الذکروانالہ لحافظون" میں بھی اسی حقیقت کو واضح کیا گیا ہے۔ تم کہتے ہو کہ کوئی نتیجہ نہیں نکلا، تم اس کے ٹھیکیدار نہیں ہو۔ اپنے نبیؐ کے دین کے ہم محافظ ہیں۔ تم جدوجہد کرتے رہو۔ پھر یہ پوچھا گیا کہ کیا تمہارا ایمان نہیں ہے کہ شریعت ایک نعمت ہے۔ تو پھر افسوس ہے کہ انسان سب کچھ قربان نہ کردے اور بچا کر رکھ لے۔ قل ان کان اباء کم وابناء کم واخانکم وازواجکم و عشیرتکم ... الخ میں دین کے لئے سب کچھ قربان کردینے کا حکم ہے۔ تم یہ کہتے ہو کہ میں پاکستان واپس نہیں جانا چاہتا، پاکستان واپس جاؤ اور وہاں پر جہاد فی سبیل اللہ کی تبلیغ کرو۔ شریعت کے نفاذ کے لئے جان لڑادو، جو طاقت سامنے آئے اسے فنا کردو یا خود فنا ہو جاؤ۔''

اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی، میں نے اپنے رفقاء سے ذکر کیا۔ حضرت پیر محمد صدیق صاحب سجادہ نشین بھور شریف (ضلع میانوالی) جو ہمارے قافلے کے سالار تھے، نے کہا کہ نیازی! ہم تیرے ساتھ ہیں۔ جہاد کرو، ہم پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ سال گزر گیا، میں نے اپنے مشفق و مہربان دوست الحاج چودھری فتح محمد صاحب کو خط لکھا کہ حضورؐ کے روضہ اقدس پر جا کر میری طرف سے عرض کرو کہ:

''آپؐ نے بڑا مشکل کام ہمارے سپرد کیا ہے، مشکلات بڑی ہیں، رکاوٹیں بڑی ہیں، مرزائیوں کا فتنہ ہے۔'' ان دوستوں نے وہاں پر روضہ اقدس کے خادم غلام رسول المعروف بلیاں والے سے ذکر کیا، اس سے کہا کہ نیازی کا خط آیا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ نیازی صاحب گزشتہ سال ہم سے ادھر ملے تھے۔ ہم آج ان کی درخواست حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کریں گے۔ اس کا جواب کل دیں گے۔ خادم روضہ رسولؐ نے دوسرے روز جو جواب دیا چودھری فتح محمد صاحب نے وہی ہمیں لکھ کر بھیج دیا۔ بھو ہذا

''تم اسے لکھ دو کہ رکاوٹیں دور ہو جائیں گی اور اسباب و وسائل خود اللہ تعالیٰ اپنے

محبوب کے طفیل مہیا کرے گا۔"

انہی دنوں 7 ستمبر 1974ء کو بھٹو نے وہ مطالبہ مان لیا اور مولانا شاہ احمد نورانی کی قرارداد کے مطابق آئین میں ترمیم کر دی۔

پھر بھی خبر نہیں مجھے کہاں کھڑا ہوں میں

عبدالکریم ثمر

مکہ مکرمہ میں جلال و جبروت، عظمت و ہیبت، درد و کرب، حسرت، بے چینی، بے کلی، حیرت اور رقت ہے۔ اس کے برعکس مدینہ منورہ کی فضا لطیف اور روح پرور ہے۔ اس کی مٹی خاک شفا اور اس کے راستے سرتاسر حسن و جمال ہیں۔ اس کی گلیاں رحمت و محبت کا سرچشمہ ہیں۔ یہاں جو کیفیات دل پر طاری ہوتی ہیں وہ محسوس تو کی جاسکتی ہیں لیکن ان کو الفاظ کا جامہ نہیں پہنایا جاسکتا اور جو واردات دل و دماغ پر گزرتے ہیں، انہیں بیان کرنے کے لئے تاب سخن نہیں۔ صدیوں سے زائرین اور عاشقان صادق روضہ اقدس کی جالی کے سامنے آتے ہیں اور صبح و شام درود و سلام کے غلغلے بلند ہوتے رہتے ہیں اور میں

اس آستاں پر کھڑا تھا، ملائکہ بھی جہاں
بصد خلوص و عقیدت سلام کہتے ہیں

لیکن ان فیوض و برکات، عرفان و آگہی، عشق و محبت اور خلوص و عقیدت کی داستان کون کہے اور کون سے کہے۔

زباں اگرچہ دلیر است، مدعا شیریں
سخن زعشق چہ گویم جز ایں کہ نتواں گفت

یعنی جلال سے جمال کی طرف جانا۔ روضہ کے باہر کپڑے عطر کیے، وضو کیا اور پابرہنہ سلام کے لئے حاضر ہوا۔ لیکن قدم باب جبریل کے باہر رک گئے کہ ایک مجرم شہنشاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار میں کس منہ سے حاضر ہو۔ آخر اذان ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پائینتی نماز میں شامل ہوگیا۔ احساس بے بضاعتی، عشق و ادب کی سرمستی میں آنسوؤں کی بے زبانی نے سینکڑوں التجائیں کیں۔ روضہ اطہر سے پھوٹتی ہوئی نورانی شعائیں میرے سیاہ دل پر انوار بکھیر رہی تھیں۔

شہنشاہ کون و مکان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امت کی خطا میں اور فروگزاشیں ناگوار نہیں

گزرتیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان رحمۃ للعٰلمینی کہ دراقدس پر حاضر ہونے والے خطاکاروں کو دامن عاطفت میں چھپالیتی اور کوتاہ دامنوں کو نواز دیتی ہیں، معاف کر دیتی ہیں، بخش دیتی ہیں۔ دراصل خواجہ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت بے حدود اور رحمت بے کراں کے سامنے امت کے بے نواؤں کی لغزشیں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔ ہادی برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آستانہ عالیہ پر پہنچ کر بے اختیار چیخیں نکل جاتی ہیں۔ آنسوؤں کے سیل رواں کے بعد تمام بے تابی ازخود ختم ہو جاتی ہے۔ سکون اور اطمینان قلب حاصل ہو جاتا ہے یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدمین مبارک میں زائر دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو جاتا ہے کہ

سر ایں جا، سجدہ ایں جا، بندگی ایں جا، قرار ایں جا

اس بارگاہ عالیہ میں جس قدر کوئی مودب ہو، اسی قدر فرازی نصیب ہوتی ہے۔ انتہائی شوق و محبت اور شیفتگی کی وجہ سے جب روح انبساط و اطمینان سے سرشار ہوتی ہے تو بسااوقات عرض و معروض کا ہوش نہیں رہتا۔ چنانچہ گزشتہ برس والی اردن شاہ حسین جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور حاضر ہوئے تو فرط محبت سے بیہوش ہو گئے۔ خدام اٹھا کر روضہ اقدس سے باہر لائے۔ شفیع المذنبین کے حضور سلام وصلوٰۃ عرض کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی ذات اور ملائکہ کو گواہ بنا کر عہد میثاق کی تجدید ضروری ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ عروج، یہ منزلت، یہ محبوبیت، یہ جلالت قدر جس پر اوج ثریا کو بھی رشک آتا ہے۔ سبحان اللہ کیونکہ .... بارگاہ رسالت کی حاضری دارین کی سب سے بڑی سعادت ہے۔

میری خواہش وہی طیبہ، تمنا بھی وہی طیبہ

عزیز فاطمہ

ہم جیسے ہی ٹیکسی سے اترے، سامنے گنبد خضراء کے ساتھ والے مینار ایسے جگمگا رہے تھے کہ آنکھیں دیکھنے کی تاب نہیں لا رہی تھیں اور دل کی کیفیت بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ بقول کسی شاعر کے۔

ہر کوئی فدا ہے بن دیکھے
دیدار کا عالم کیا ہوگا

ہم نے وہیں یعنی دور ہی سے خوب روتے ہوئے الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھنا شروع کر دیا اور کیا بتاؤں کہ اس وقت دل کی حالت کیا تھی؟ قلم میں وہ تاب کہاں جو بیان کر سکے۔ اب سردار دو جہاں کے ہاں حاضری کا وقت ہے۔ خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین، شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور پیش ہونے کو ہیں۔ قلب تپاں پر دید کی ایسی برق گر رہی تھی، جس سے شوق دید کو فروغ اور دل کشتہ بن رہا تھا۔ ہم جیسے تو کجا جبرئیل جیسے مقرب فرشتے بھی کمال ادب اور دست بستہ حاضر ہوا کرتے تھے۔ حضور کی عظمت و رفعت اور جلالت اجازت نہیں دیتی تھی کہ آنکھیں کھول کر دیکھوں۔ شرم اور حیا سے آنکھیں بند ہیں مگر کبھی کبھی نظر بھر کر روضہ اطہر کو بھی دیکھ لیتی ہوں۔

دل میں خیال آتا ہے کہ الٰہی یہ نظارہ خواب میں ہے یا بیداری میں.....؟ اس خیال میں اسی جگہ پر جا کھڑی ہوئی، جو حضور پرنور کے روئے انور کے سامنے ہے اور جہاں کھڑے ہو کر حضورؐ پر سلام کیا جاتا ہے اور روضہ اقدس کی جالی کو گلے سے لگایا جاتا ہے، روضہ اطہر کے اندر جانے سے قبل ہم نے مسجد نبویؐ کے برآمدوں تک پہنچ کر اپنا سامان یعنی دونوں بیگ گیٹ کے باہر رکھ لئے تھے اور خود اندر چلے گئے اور اذان کے تھوڑے وقفہ کے بعد نماز باجماعت ادا کی۔

فوراً ہی تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہونے کے لئے چل دیئے۔ ہم نے پھر دور ہی سے درود شریف پڑھنا شروع کر دیا اور جیسے ہی گنبد خضراء دور سے نظر آیا تو ہم الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھتے ہوئے مسجد نبویؐ میں داخل ہوئے۔ پھر خلیفہ اول جناب حضرت صدیق اکبرؓ پر سلام عرض کیا۔ پھر خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ پر سلام عرض کیا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ جس نے مجھ گناہگار کو اپنے حبیبؐ کے دربار پہنچا دیا تھا۔ اب احسان صاحب تو فوراً ہی حضور کی خدمت اقدس میں پہنچ گئے لیکن میرے لئے ابھی انتظار کی گھڑیاں باقی تھیں۔ وہ مردانے میں باب جبرئیل سے داخل ہو چکے تھے اور میں ابھی عورتوں میں شامل ہو کر انتظار کی گھڑیاں گن رہی تھی۔ ٹھیک سات بجے عورتوں کے لئے حکم ملا، جو ہزاروں کی تعداد میں جمع تھیں، ہر ایک سب سے پہلے حاضر ہونے کے لئے بے چین تھی۔ اب میں حضور اقدسؐ کی خدمت میں پہنچ چکی تھی۔ اب میرے سامنے بڑے بڑے دروں کی شکل میں سبز جالی والے پانچ در تھے۔ پہلا حضرت فاطمۃ الزہراؓ کا حجرہ مبارک ہے۔ دوسرا اور تیسرا در میرے آقا کی قیام گاہ ہے۔ چوتھا در حضرت ابوبکرؓ کا اور پانچواں در حضرت عمرؓ کا ہے۔ یہ کمرہ مبارک دیکھنے میں ایک ہی ہے اور اس کے بائیں جانب عورتوں کے لئے مخصوص ہے اور دائیں طرف نصف مردانے میں چلی جاتی ہے۔ کیونکہ انہوں نے پیتل کی جالی کی جنگلے نما دیواریں بنائی ہوئی ہیں۔ ان کو درمیان میں رکھ دیتے ہیں۔ جس وقت عورتوں کو اندر آنے کا حکم ہوتا ہے تو وہ جنگلے دیوار کی شکل میں کھڑے کر دیئے جاتے ہیں تاکہ جالی مبارک کے قریب کوئی نہ آ سکے۔ روضہ مبارک کی جالیوں سے ڈیڑھ گز پیچھے لائن بنا کر دیوار کھڑی کر دی جاتی ہے۔ وہاں زمین پر تمام بہترین قسم کے قالین بچھے ہوئے ہیں اور بے شمار لائٹیں اور بہت سے خوبصورت فانوس لٹک رہے ہیں۔

مدینہ جا کے ہم سمجھے تقدس کس کو کہتے ہیں
ہوا پاکیزہ، پاکیزہ، فضا سنجیدہ سنجیدہ

اور ہر طرف نور ہی نور برستا نظر آتا ہے۔ یہاں میں بالکل اپنے آقاؐ کے روبرو کھڑی سلام پیش کر رہی تھی اور اس جالی نما پیتل کی دیوار کے پیچھے یعنی روضہ اقدس کی جالیوں کے ساتھ ساتھ چھ پہرے دار مقرر ہیں، جن میں تین عورتیں اور تین مرد ہیں۔ یہ پہرے دار

عورتیں دوہری نقاب ڈالے لمبے سیاہ برقعے میں نظر آتی ہیں اور سیاہ موزے، سیاہ دستانے پہنے ہوئی ہیں۔ مرد عربی لباس میں ہوتے ہیں۔ ان کے ساتھ ایک سپاہی بھی مقرر ہے، اسلئے کہ عورتیں دیواریں پھلانگ کر اندر نہ آ جائیں لیکن میری تو یہ شدید خواہش تھی کہ کسی نہ کسی طرح روضہ مبارک کی سبز جالیوں تک میری رسائی ہو سکے۔ میں اکثر اپنے آقا کے دربار میں آنے جانے والے لوگوں سے پوچھا کرتی تھی کہ یہ تو بتاؤ کہ آقائے نامدار، تاجدار مدینہؐ کے روضے کی جالیوں تک تمہاری رسائی ہو سکی کہ نہیں، لیکن جواب یہی ملتا کہ مشکل ہے اور میں دل ہی دل میں سوچتی کہ اگر مجھے بھی قریب جانے کا موقع نہ ملا تو میں اپنے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کروں گی اور کہوں گی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تو بہت دور دراز کا سفر طے کر کے آپؐ کے دیدار کے لئے یہاں پہنچی ہوں اور یہ لوگ مجھے آپؐ کے قریب نہیں آنے دیتے۔ یہ بات دل میں پختہ اور اچھی طرح ذہن نشین کر لی تھی۔ حاضری کا پہلا دن تھا۔ خوب رو رو کر صلوٰۃ وسلام عرض کیا۔ حضورؐ سے دل کی باتیں کہیں اور محسوس کیا کہ میری تمام درخواستیں سن لی گئی ہیں اور منظور بھی کر لی گئی ہیں۔"

اور دل جاگ اٹھا

عبداللہ ملک

مسجد نبویؐ میں منبر رسولؐ کے سامنے بیٹھا ہوں۔ نماز سے چار گھنٹے پہلے آ گیا ہوں تو یہ جگہ حاصل کر سکا ہوں لیکن چاروں طرف دھکم پیل ہے، گریہ وزاری ہے، رقت ہے، منبر کے سامنے نوافل ادا کرنے اور دعا مانگنے والوں کا ہجوم ہے۔ ایک عجیب کیفیت ہے۔ میں بھی نوافل پڑھ چکا ہوں اور درود و سلام بھی بھیج چکا ہوں۔

عجیب و غریب کیفیت سے گزر رہا ہوں۔ اس کیفیت کا تجزیہ میں اس وقت نہیں کر سکتا لیکن وہ رویا ہوں اور وہ آنسو بہائے ہیں کہ شاذ ہی ایسا ہوا ہو۔ درود کرا اپنے گناہوں کی معافی چاہی ہے اور رسولؐ کی شفاعت کا طالب ہوا ہوں۔ میرے اردگرد پرنم آنکھوں اور رقت بھرے چہروں کا ہجوم ہے۔ جدھر نگاہ اٹھتی ہے گڑگڑا کر دعا مانگنے والے یا گریہ وزاری کرنے والے نظر آتے ہیں۔ منبر رسولؐ میرے بالکل دس قدم پر ہے اور بائیں طرف روضہ رسولؐ ہے اور سامنے وہ مقدس ستون ہیں جن کے ساتھ ایک نہ ایک تاریخی واقعہ وابستہ ہے۔ یہی وہ جگہ ہے جو ریاض الجنتہ کہلاتی ہے اور یہاں جگہ حاصل کرنے کے لئے بے مثال دھکم پیل ہوتی ہے۔ اس وقت بھی نماز میں تین گھنٹے رہتے ہیں کہ یہ پوری جگہ پر ہو چکی ہے اور سجدہ کرنا محال ہو رہا ہے، اکثر سجدہ دوسروں کی پشت پر یا پاؤں پر کرنا پڑتا ہے۔

ہر گزارش ہوئی آنسوؤں سے بیاں

پروفیسر عاصی کرنالی

اللہ کے حضور حاضر ہونے کے بعد محبوب کبریا، ممدوح کائنات، سید والمرسلین، خاتم النبیین، وجہ تخلیق آدم و عالم، بہار چمنستان موجودات، ہادی انسانیت اور منزل ہر کاروان ہست و بود حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ رحمت میں حاضری دینے کی ساعت سعید آپہنچی۔

میں کانپتے قدموں کے ساتھ آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔ میرا بدن، میرا دل، میری روح ایک جلال کی گرفت میں تھی۔ ایک دبدبہ، ایک ہیبت، ایک سب سے جلیل القدر ذات گرامی کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا ڈر مجھ بے مایہ، کمتر، ہیچ، معدوم شخص پر پوری طرح چھایا ہوا تھا۔ ان کا جلال مجھے سہار رہا تھا لیکن ان کی رحمت میرا حوصلہ بڑھا رہی تھی۔ اب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدمین شریفین میں ایستادہ تھا۔ خدا کی قسم میرے ہونٹ خشک تھے۔ میری زبان گنگ ہو چکی تھی۔ الفاظ مجھے سوجھ نہیں رہے تھے۔ اظہار و بیان کے سوتے خشک ہو چکے تھے۔ حافظہ، یادداشت، سب مٹ چکے تھے۔ سارا نام نہاد علم، ساری ناکارہ فصاحت و بلاغت، سارے بے سود وسائل اظہار و ابلاغ، سب کے پر کٹ چکے تھے۔ گائڈ بکس میں پڑھا تھا۔ حاضری دو، تو یہ پڑھنا، وہ پڑھنا، یہ دعا مانگنا، وہ مدعا بیان کرنا، تمام عزیزوں اور دوستوں کے سلام اور مطالبے پیش کر دینا.......... لیکن، لیکن، کہاں تھا یہ سب کچھ، ہر شے محو ہو چکی تھی! میں اس وقت عدم کا ایسا نقطہ تھا جو مٹ رہا تھا، مٹ چکا تھا...... نقطہ بھی معدوم ہو چکا تھا...... ایسے میں کیا کرتا، مجھے کیا کرنا چاہئے تھا، میں کر بھی کیا سکتا تھا، بس میں بے ساختہ درود پڑھنے لگا۔ بے تحاشا رونے لگا۔ میں، میں ان کے سامنے یا ذرہ تھا، جو اڑ گیا۔ یا موم تھا جو پگھل گیا۔ یا آنسو تھا جو بہہ گیا۔ بس درود، مسلسل درود، لگاتار درود۔

زبان سے درود، دل سے درود، پورے وجود سے درود۔

یہ میری پہلی حاضری تھی۔

مسجد میں حاضر ہونے کے بعد (آغاز تا اختتام) ہر دل پر یہ احساس چھایا رہتا ہے کہ یہاں سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف فرما ہیں۔ وہ ہستی، وہ ذات گرامی جو ممدوح کبریا ہے، جو سید الانبیا ہے، جو خیر البشر ہے، خود یہاں تجلی ریز اور جلوہ بار ہے، ہم ان کے فرق اقدس کے قریب ایستادہ ہیں، ہم ان کے مواجہ شریف کے روبرو حاضر ہیں، ہم ان کے قدمین شریفین میں نماز ادا کر رہے ہیں۔ یہ احساس، دلوں کو پگھلا کر اور دماغوں کو تحلیل کر کے رکھ دیتا ہے۔

پھر ماضی کے یہ مناظر بھی بار بار پردۂ تصور پر نمودار ہوتے ہیں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم وہاں مصلیٰ پر تشریف رکھتے تھے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ (علیہم) اجمعین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار جمال سے فیض یاب ہوتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات مطہر سے دامان سماعت کو معمور اور پرنور کرتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں نماز ادا کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہی صفہ پر تعلیم فرماتے تھے۔ یہیں مقدمات کے فیصلے فرماتے تھے۔ یہیں سفیروں کو اذن باریابی عطا ہوتا تھا۔ یہیں جیوش اسلامی کی تیاری اور فتح کے بعد حربی فیصلے ہوتے تھے۔ شمع نبوت کے حضور کیسے کیسے جاں نثار پروانے یہیں حاضر ہوتے تھے۔ کائنات انسانی کے عزیز ترین افراد، اسی بارگاہ رشد و ہدایت میں اپنی تربیت اور تشکیل سیرت کے لئے موجود رہتے تھے۔

زہے وہ وقت کہ طیبہ مقام تھا اس کا
زہے وہ دور کہ دیدار عام تھا اس کا

آج ہم اسی حرم پاک میں حاضر ہیں جہاں کا ذرہ ذرہ جواب طور اور جہاں کا چپہ چپہ حامل نور ہے۔ اس مبارک، مقدس، منور، مطہر فضا میں مجھے چالیس نمازیں ادا کرنے کی سعادت عطا ہوئی۔

ہر وہ شخص جس کے سینے میں دل ہے اور دل میں دھڑکنیں ہیں اور دھڑکنوں سے عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے زمزمے چھڑتے اور محبت محبوب خدا (علیہ التحیۃ والثنا) کے نغمے بلند ہوتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے در پر حاضر ہونے کی سعید آرزو ضرور رکھتا ہے۔ یہی اس کے عشق کا حاصل، یہی اس کی تمنا کا مقصود اور یہی اس کے سفر حیات کی منزل

مراد ہوتی ہے۔ اس کے دن اسی تپش سے گرم اور اس کی راتیں اسی گداز سے تپاں ہوتی ہیں۔ اس کے نالہ نیم شبی اور اس کی آہ سحر گاہی کا منشا محض اور محض شرف دیدار و زیارت کا حصول ہے۔ یہ متاع مل گئی تو ہر دولت کونین اور ہر نعمت ارض و سما مل گئی۔ میری عمر تیز رو اور حیات سبک رفتار کے ہزاروں روز و شب اسی کرب ہجر، اسی اذیت فراق اور اسی اضطراب عشق کی نذر ہو گئے تھے اور جوں جوں سفر زندگی حیات طبیعی کے مراحل سے گزر کر اپنی منازل اخیر سے قریب تر ہو رہا تھا، تپش آرزو کی شعلگی بڑھتی جا رہی تھی۔ کبھی یہ وسوسہ گزرتا کہ کیا در بوسی کے بغیر ناکامی و حرماں نصیبی کی موت نصیب ہو گی۔ کبھی یہ امید بندھتی تھی کہ وہ سراپا رحمت ہیں، ضرور اذن حاضری عطا فرمائیں گے اور ایک گدا شہنشاہ کونین کی بارگاہ میں ضرور اپنا سر عجز جھکائے گا اور اپنی چشم خوش طالع سے ان کے مناظر جمال دیکھے گا۔ کبھی جذبہ بے اختیار شوق کی یہ دعا:

میں ان کے در پہ جاؤں وہ دن خدا دکھائے
دل کی مراد پاؤں وہ دن خدا دکھائے

کبھی تمنائے بے اماں کا یہ مطالبہ:

عاصی! میں وہ درگاہ جلالت کبھی دیکھوں
صد عظمت جبرئیلؑ جہاں خاک بہ سر ہے

کبھی باب معلیٰ پر جبیں سائی کے لئے یہ اضطراب آمیز پکار:

سر اپنا ترے باب معلیٰ پہ جھکا دے
یہ نقطہ آخر ہے عروج بشری کا

پھر دعا اثر سے ہم آغوش ہوئی۔ تمنا شاد کام ہوئی۔ اذن طلب آیا اور یہ بندۂ عاصی حاضری کی سعادت سے مالا مال ہوا اور اپنی خوش نصیبی پر نازاں ہوا۔

میرا یہ مقدر کہ ترے در پہ کھڑا ہوں
ہونٹوں پہ تبسم ہے تو آنکھوں میں نمی ہے

معمول یہ تھا کہ ہر نماز کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوتا۔ کبھی شروع میں بھی اور آخر میں بھی شرف یاب ہوتا۔ اوقات نماز کے علاوہ بھی جذبہ دل بے اختیارانہ ان کی دہلیز پر لے جاتا۔ دل کی یہ کیفیت کہ ہمہ وقت یہی تمنا رہتی کہ بار بار جاؤں

اور زیادہ سے زیادہ دامانِ آرزو کو دیدار جمال سے معمور کروں۔ اس بے کراں اور بے پناہ سیلاب تمنا کے باوجود پہلی حاضری سے آخری حاضری تک ایک دبدبہ، ایک مرعوبیت، ایک ہیبت دل پر، پورے اعصاب پر طاری رہتی۔ لیکن اس ہیبت میں وحشت یا سراسیمگی نہیں تھی بلکہ یہ اس احساس کا پھیلاؤ اور گرفت تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و جلال کا کیا مرتبہ ہے اور میں کہاں کھڑا ہوں...... ذاتِ کبریا آپ کو وجہ تخلیق کائنات بنا کر پیدا کرتی ہے۔ کون و مکاں، زمین و زماں، فرش و عرش اور تمام موجودات عالم کی ہستی آپؐ کے قدموں کا تصدق ہے۔ آفتاب و ماہتاب، سیارگانِ فلک، عالم جمادات و نباتات و حیوانات، جن وانس، ملائکہ، ہفت زمیں، نہ آسماں، خشک و تر، بحر و بر، الغرض ساری بزمِ تخلیق آپؐ کے لئے آراستہ کی گئی اور آپؐ اس کے صدر ہیں۔ اللہ آپؐ سے ہم کلام ہوتا ہے۔ معراج پر اَوْ اَدْنٰی کے مقام و منزل پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم متمکن ہوتے ہیں۔ جبرئیلؑ سدرہ پر رک جاتے ہیں۔ مولا! اب آگے آپ تشریف لے جایئے اس لئے کہ:

اگر یک سر موئے برتر پرم
فروغ تجلی بسوزد پرم

تمام انبیاء و مرسلین کے آپؐ سید و سردار اور امام و پیشوا ہیں۔ آپؐ کے فرقِ اقدس پر رحمت للعالمینی کا تاج ہے۔ یہاں بھی آپؐ کی رحمت کارساز بے چارگاں اور وہاں بھی آپؐ کی رحمت شفیع المذنبین ہوگی۔ دنیا جہل میں اسیر تھی، دل پتھر تھے، دماغوں پر جاہلیت کی مہریں ثبت تھیں، حواس پر بتانِ باطل چھائے ہوئے تھے۔ ہر نیکی اور خیر سے گریز، ہر بدی اور بدکاری سے رغبت۔ پوری دنیا ایک معصیت کدہ تھی۔ پوری کائنات انسانی ایک ظلمت خانہ تھی۔ عبد اور معبود کا رشتہ صدیوں سے نہ تھا۔ مخلوق اپنے خالق کو نہ جانتی تھی، نہ پہچانتی تھی۔ ایسے عہدِ ظلم و ظلمت میں آپؐ نے ظہور فرمایا اور اپنے آفتابِ ہدایت سے ضلالت و گمراہی کی تیرگی کو مٹا ڈالا! سرکش گردنیں اپنے خالق کے حضور خم ہوگئیں۔ دلوں کے پتھروں سے چشمے جاری ہوگئے اور حیات و کائنات کی فضائیں نغمۂ توحید سے معمور ہوگئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم محسنِ بشر ہیں، آپؐ معلمِ بشر ہیں، آپؐ ہادیِ بشر ہیں، اور آپؐ ہمارے لئے تمام موجودات کے لئے ہدایت ہیں، رحمت ہیں، شفقت ہیں۔

اور

میں اس ہستی کے روبرو حاضر ہوں جس نے عظمتوں کو معانی عطا کیے اور جلالتوں اور رفعتوں کو مفہوم بخشا اور جس ذات مبارکہ نے اپنی سیرت جمیلہ کے اسوہ ہائے کامل سے آدمی کو شعور اور زندگی کو منشور اور بندگی کو دستور عطا کیا۔

اور

میں اس ہمہ مقتدر ذات کے قدموں میں موجود ہوں کہ ہر تکریم بشری اس کے دم قدم کا صدقہ ہے۔ بس یہ احساس میرے حواس پر پہلی حاضری سے آخری تک چھایا رہا۔ میں بکثرت حاضر رہا لیکن صورت یہ تھی کہ زیادہ تر قدمین شریفین کی جانب ایستادہ رہتا۔ یا پھر جب ریاض الجنۃ میں نماز ادا کرتا تو فرق اقدس کے رخ حاضری دیتا لیکن مواجہ شریف کی طرف جانے کا حوصلہ نہ ہوتا۔ کبھی جاتا تو دل زور زور سے دھڑکتا، رقت طاری ہو جاتی، آنکھوں سے اشک ندامت کی لڑیاں بہنے لگتیں، حواس بکھرنے لگتے، چہرے کا رنگ اڑ جاتا اور جسم سے روح تک ایسا لرزہ طاری ہوتا جس کی حالت لفظوں میں ادا ہونا ممکن نہیں۔
مقصورہ شریف میں کہیں بھی حاضر ہوتا اور کچھ بھی اظہار مدعا کرنا چاہتا تو خیالات ساتھ نہ دیتے، الفاظ بے ربط ہو جاتے۔ اظہار و بیان کی قوتیں دم توڑ دیتیں اور گریہ طاری ہو جاتا۔

ان کے دربار میں، ان کی سرکار میں
ہر گزارش ہوئی آنسوؤں سے بیاں

یا پھر بس ہاتھ پھیلے ہوتے ہیں اور ہونٹوں پر مہر سکوت لگی ہوئی ہے۔

ترے ہی سامنے پھیلا ہوا ہے دست سوال
بس ایک در ہے جہاں عزت گدائی ہے

اظہار مدعا کی نہ ہمت تھی نہ ضرورت! اس لئے کہ ان کی شان غریب نوازی اور ادائے گدا پروری پر بھروسا تھا۔ ایسا سلطان گدا پرور جو بے مانگے عطا کرے۔

اس آستان کرم کا فقیر ہوں کہ جہاں
نہیں ضرورت اظہار مدعا مجھ کو
جلال قیصر و کسریٰ تھا میرے زیر قدم
کوئی رئیس ترے در پہ دیکھتا مجھ کو

کھل نہیں سکتی ہیں اب آنکھیں مری

ڈاکٹر عبادت بریلوی

رمضان المبارک کے کئی دن میں نے مسجد نبویؐ میں نمازیں پڑھ کر گزارے اور اوراد و وظائف اور درود و سلام کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور ساتھ ہی روضہ، حضورؐ کی زیارت کی سعادت بھی حاصل کی۔

حضورؐ کا روضہ، مبارک مسجد نبویؐ کے آخری سرے پر جنوب کی طرف ہے۔ یہ سبز گنبد والا روضہء اقدس جہاں واقع ہے، وہ قطعہ زمین دنیا کا مقدس ترین قطعہ زمین ہے۔ محدثین و فقہاء نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ روئے زمین کے تمام مقامات سے بڑھ کر رسول اللہ کی قبر مبارک کا مقام ہے جس جگہ حضورؐ کا جسد مبارک زمین سے مس ہو رہا ہے۔ وہ بالاتفاق روئے زمین کا افضل ترین مقام ہے۔ یہاں محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد مبارک ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ اور زندہ و تابندہ ہے۔ انسان یہاں پہنچ کر ایک عالم جذب سے ہم کنار ہو جاتا ہے۔ عاشقان رسولؐ یہاں پہنچ کر دنیا و مافیہا کو بھول جاتے ہیں اور ایک والہانہ جذب و شوق انہیں دنیا کی ہر چیز سے بے خبر کر دیتا ہے۔ بس ایک ہی کیفیت ان کے حواس اور دل و دماغ پر اپنے پر پھیلا دیتی ہے اور وہ کیفیت ہے دنیا کی عظیم ترین شخصیت کے حسن و جمال اور زیبائی و رعنائی کا احساس۔ اس احساس کے پیش نظر ساری دنیا اس کے تمام مقامات، اس کے تمام مناظر، اس کی تمام شخصیات بے معنی نظر آنے لگتی ہیں بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ ایک والہانہ جذب و شوق کا عالم ان سب کی نفی کر کے ان کو دل و دماغ کی آنکھوں سے اوجھل کر دیتا ہے۔

مسجد نبویؐ کا سارا حسن و جمال اس روضہء اطہر و اقدس کی وجہ سے ہے۔ وہ روضہء اقدس جہاں حضورؐ کا جسد مبارک آرام فرما ہے اور پھر اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس ساری زمین پر حضورؐ کے سجدوں اور قدموں کے نشانات ثبت ہیں۔ ان کی سانسوں کی مہک ان میں آج مشام جان کو معطر رکھتی ہے۔ ان کا جمال جہاں افروز جہاں صورت مہر نیم روز آج

بھی نظارۂ منور ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا حجرہ مبارک تھا۔ جہاں آنحضرتؐ نے خاصے عرصے تک قیام فرمایا اور جہاں ان کا وصال بھی ہوا اور یہیں ان کا جسد اطہر لحد میں اتارا گیا اور یہیں ان کے قدموں میں ان کے صحابہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ بھی آرام فرما ہیں۔ کسی زمانے میں حجرۂ عائشہؓ ایک کچی عمارت تھی لیکن اب اس پر روضۂ اطہر کی عمارت مستطیل شکل میں تعمیر کی گئی ہے۔ روضۂ مبارک کے آس پاس پیتل اور لوہے کی وہ جالی ہے جو ہر زمانے میں زائرین اور شعراء اور ادباء کے دامن دل کو اپنی طرف کھینچتی رہی ہے اور جس کے حسن و جمال کی شان میں یہ سب رطب اللسان رہے ہیں۔ روضۂ اطہر کے آس پاس مضبوط چار دیواری ہے اس میں کوئی دروازہ نہیں ہے۔ عمارت پر غلاف پڑا ہوا ہے۔ ہر لمحہ یہاں عاشقان رسول کا ہجوم رہتا ہے اور درود و سلام کی نغمگی کانوں میں رس گھولتی ہے۔ انسان اور فرشتے سب یہاں درود و سلام کا ورد کرتے ہیں۔

حضورؐ کے روضۂ اقدس کی عمارت کے اوپر وہ سبز گنبد ہے جو گنبد خضراء کے نام سے مشہور ہے جس کی تعریف توصیف میں ہر دور کے شاعروں اور ادیبوں نے اپنے قلم توڑ دیئے ہیں اور جہاں کہا جاتا ہے کہ ستر ہزار فرشتے ہر وقت حاضری دیتے ہیں اور اپنے آپ کو درود و سلام کے ورد میں مصروف رکھتے ہیں۔ سبز گنبد کے پیچھے وہ مینار ہے جو دور دور سے نظر آتا ہے اور جو روضۂ اقدس کی ظاہری پہچان ہے۔ روضۂ اقدس کے قریب منبر رسولؐ ہے۔ حجرۂ عائشہؓ، روضۂ رسولؐ اور منبر کے درمیان کا حصہ ریاض الجنۃ کہلاتا ہے یعنی جنت کا باغ۔ رسول اللہؐ نے خود فرمایا ہے کہ جو جگہ میرے گھر یعنی حجرۂ عائشہؓ کے درمیان ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور واقعی جو شخص یہاں پہنچتا ہے اس پر یہی کیفیت طاری ہوتی ہے کہ وہ جنت کے باغ کا نظارہ کر رہا ہے۔

ان خیالات میں گم میں مسجد نبویؐ کے صحنوں اور دالانوں کو عبور کر کے انسانوں کے ایک بحر ذخار سے حتی الامکان دامن بچاتا ہوا ایک عالم جذب و جنوں میں گرتا پڑتا روضۂ رسولؐ تک پہنچا۔ منبر کی زیارت کی۔ ذرا فاصلے پر کھڑے ہو کر مزار مبارک کا دیدار کیا اور دیر تک ایک عالم کیف و مستی میں خاموش، حیرت زدہ اور سہا ہوا سا کھڑا رہا۔ البتہ درود و سلام کے الفاظ اضطراری طور پر میری زبان سے نکلتے رہے اور میں ان پھولوں کو روضۂ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم پر نچھاور کرتا رہا۔ دیر تک خاموشی، حیرت زدگی اور سراسیمگی کی یہی کیفیت رہی۔ کوئی دعا، کوئی آیت زبان سے نہ نکل سکی۔ یوں محسوس ہوا جیسے میں عالم خواب میں ہوں۔ خواب میں کیفیت کچھ ایسی تھی کہ الفاظ اس کے بیان کے متحمل نہیں ہو سکے۔ حیرت اور مسرت نے مجھے ایک عجیب عالم میں پہنچا دیا تھا۔ آس پاس اور گرد و پیش عاشقان رسول کا ایک جم غفیر تھا لیکن مجھے اس ہجوم کی کچھ خبر نہیں تھی۔ میں تو اس وقت خدا جانے کہاں پہنچا ہوا تھا۔ اس کو نیم مدہوشی کا عالم کہا جائے تو بے جا نہیں۔

حضرت اویس قرنیؒ بہت بڑے بزرگ اور صف اول کے عاشق رسولؐ تھے...... غالباً امام غزالیؒ نے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ وہ روضہ رسولؐ پر زیارت کے لئے حاضر ہوئے۔ آستان حرم تک پہنچے ہی تھے کہ کسی کی آواز آئی وہ سامنے رسول اللہ کا مزار مبارک ہے۔ یہ سن کر وہ بے ہوش ہو گئے۔ تاب نہ لا سکے۔ ظاہر ہے کہ ان کی اس بے ہوشی کا سبب وہ جذب و جنون ہی ہوا ہوگا۔ جس سے وہ پہچانے جاتے ہیں۔ خدا جانے ایسے کتنے ہی عاشقاں رسول اللہؐ روضہ رسولؐ پر پہنچ کر اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے ہوں گے۔ میں پوری طرح بے ہوش تو نہ ہوا۔ شاید اس لئے کہ میں گناہگار تھا۔ خام اور ناپختہ تھا لیکن جذب و مستی کی ایک عجیب و غریب سی کیفیت مجھ پر ضرور طاری ہوئی اور اس کیفیت نے مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت قریب پہنچا دیا۔

یا رسول اللہؐ! آپؐ تو رحمت اللعالمین اور شفیع المذنبین ہیں۔ میں آپؐ سے اپنی شفاعت اپنے بزرگوں اور اپنے والدین اپنے عزیزوں اور دوستوں کی شفاعت کی بھیک مانگتا ہوں۔ میں قیامت کے دن آپؐ کے عاشقوں، آپؐ کے صوفیوں اور آپؐ کے غلاموںؑ کا دامن پکڑ کر آپؐ کے پیچھے پیچھے چلنے کا خواہش مند ہوں۔ مجھے اس کی اجازت درکار ہے یا سید المرسلین، خاتم النبیین، شفیع المذنبین، رحمتہ اللعالمین! میرے ملک، میرے وطن پر آپؐ کی نظر عنایت کی ضرورت ہے۔ آپؐ کے توسط سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ دعا ہے کہ وہ اپنے حبیبؐ کے صدقے میں اس کو صحیح راستہ دکھائے اور اس کے ہر فرد کو راہ راست پر گامزن کر دے۔

یا رحمتہ اللعالمین! یہ بندۂ حقیر آپؐ کے توسط سے بارگاہ الٰہی میں یہ دعا کرتا ہے کہ وہ انسانیت اس کے تہذیب و تمدن کو محفوظ رکھے اور تباہی و بربادی کے جو عفریت ناچ رہے

ہیں اور قہقہے لگا رہے ہیں۔ انہیں عقل دے تا کہ وہ انسانیت کی تباہی و بربادی سے باز رہیں۔ سیاست کو صرف فریب کاری ہی نہ سمجھیں بلکہ نئی سے نئی انسانی ایجادات کو انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے استعمال کرنے کا منصوبہ بنائیں۔ اے رحمتہ اللعالمین! یہ بندۂ حقیر اس صورت حال پر خون کے آنسو بہاتا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عالم اسلام کو کیسی کیسی نعمتوں اور کیسے کیسے وسائل سے نوازا ہے لیکن امت مسلمہ کے افراد اس سے خاطر خواہ فائدہ اٹھانا انہیں آتا بھی نہیں۔ یہ ساری نعمتیں یہ تمام وسائل، ان کے ہاتھوں میں ضائع ہو رہے ہیں۔ تساہلی اور نادانی کج بینی اور بے عقلی نے انہیں اس دولت بیش بہا سے محروم کردیا اور وہ سب کے سب مہیب صحراؤں اور بھیانک خارزاروں میں بھٹک رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں ان صحراؤں اور خارزاروں سے باہر نکالے۔ (آمین)

میں نہایت ادب و احترام کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گڑگڑا، گڑگڑا کر یہ دعائیں مانگتا رہا۔ یارب العالمین اپنے حبیبؐ کے صدقے میں مجھے اور میرے عزیزوں اور دوستوں کو اپنی پسندیدہ نیک راہوں پر چلانا، برائیوں سے بچانا۔ اگر ہم سے کبھی کوئی برائی سرزد ہوگئی ہو اور دانستہ یا نادانستہ کوئی گناہ ہم سے ہوا ہو تو اس کو نظر انداز کر دینا۔ معاف کر دینا۔ تیری رحمت سے امید ہے کہ تو ہمیں معاف کر دے گا اور ہمارے عیبوں کو اپنے دامن کرم سے چھپا لے گا۔ یارب العالمین! تو رحیم اور کریم ہے۔ مہربان ہے بخش دینے والا ہے۔ ہر چیز پر قادر ہے۔ یااللہ تو ہمیں صحت سے ہم کنار کرنا اور بیماری سے محفوظ رکھنا۔ ہماری روزی اور روزگار کو صحیح سلامت رکھنا۔ کسی کا محتاج نہ کرنا، رزق حلال کمانے کی توفیق دینا۔ بری گھڑی سے بچانا، حادثوں سے محفوظ رکھنا، شرپسندوں کے شر اور برے ہمسایوں سے بچانا۔ ہمارے دلوں میں اپنی محبت، اپنے رسولؐ کی محبت اور عام انسانوں کی محبت کو برقرار رکھنا۔

میں روضۂ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ان دعاؤں میں مصروف تھا۔ آنکھیں بند تھیں اور میں ان بند آنکھوں سے نہ جانے کیا کیا کچھ دیکھ رہا تھا۔ حضور کی شبیہہ مبارک ان کا پیکر نور میرے سامنے تھا۔ اگرچہ میں احتراماً کچھ فاصلے پر کھڑا تھا۔ لیکن عشق رسول اللہؐ کے جذبہ و جنوں نے مجھے ان کی ذات بابرکت اور عظیم شخصیت سے اتنا قریب کر دیا تھا کہ کوئی دوری درمیان میں حائل نہیں رہی تھی اور قرب کی اس کیفیت نے مجھے لطف و انبساط کی ایک ایسی

منزل پر پہنچا دیا تھا جہاں سے واپس لوٹنا ارادی طور پر مشکل بلکہ ناممکن تھا۔ یہ روحانی تجربات کی ایک ایسی منزل تھی جس تک رسائی خوش بختوں ہی کے حصے میں آتی ہے۔

واقعی میں بہت خوش قسمت تھا کہ رب العالمین اور رحمۃ اللعالمینؐ نے مجھے روحانی تجربے کی اس منزل سے آشنا کیا اور مسرتوں کے دریا میں میری زندگی میں موج زن کردیئے۔ آج بھی اس کیفیت کی لذت کو محسوس کرتا ہوں اور فرطِ مسرت سے حضرت خواجہ میر درد علیہ الرحمۃ کا یہ شعر پڑھتا ہوں۔

کھل نہیں سکتی ہیں اب آنکھیں میری جی میں یہ کس کا تصور آ گیا

اصلِ مراد حاضری اس پاک در کی ہے

مولانا عبدالماجد دریا آبادی

آج کی صبح کتنی مبارک صبح ہے۔ آج کے دن زندگی کا سب سے بڑا ارمان پورا ہونے کو ہے۔ آج ذرہ آفتاب بن رہا ہے۔ آج بھاگا ہوا غلام اپنے آقا و مولا کے دربار میں حاضر ہو رہا ہے۔ آج گناہگار امتی کو شفیق اور شفیع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ عالیہ پر سلام کی عزت حاصل ہو رہی ہے۔ سرزمین طیبہ کے انوار و آثار صبح ہی سے شروع ہو گئے۔ اب گویا نواح مدینہ شروع ہوا۔ کھجور نہایت شاداب و شیریں سامنے رکھے ہوئے، ہوا لطیف و خوشگوار، فضا خوش نظر، سبزی جو راستہ بھر کہیں نظر نہیں آتی تھی اب ہر طرف دکھائی دے رہے تھے۔ ریت کے میدان اور ریگستان کے بجائے اب ہر طرف پہاڑیوں کا سلسلہ تھا۔

ہر قلب اپنے اپنے حال میں گرفتار۔ ہر دل اپنی اپنی جگہ مضطر و بے قرار۔ کسی کی آنکھیں اشکبار اور کسی کا دماغ نشہ لذت و فرحت سے سرشار۔ اپنی اپنی نسبتیں اور اپنا اپنا اعتبار۔ کہاں مدینہ کی سرزمین اور کہاں اس ننگ خلائق کی جبیں۔ کہاں سید الانبیاء کا آستانہ اور کہاں روسیاہ کا سر و شانہ۔ کہاں وہ پاک سرزمین کہ اگر اس پر قدسیوں کو بھی چلنا نصیب ہو تو ان کے فخر و شرف کا نصیب جاگ جائے اور کہاں ایک آوارہ اور ناکارہ بے تکلف اسے پامال کرنے کی جرات کر بیٹھے۔

مکہ کے معلموں کی طرح مدینہ میں بھی ایک پیشہ ور جماعت مزور کہلاتے ہیں۔ ہم سب لوگوں کے ٹھہرنے کا انتظام ریاست حیدرآباد دکن کی طرف سے ہو گیا تھا۔ بزرگوں نے افضل اور مستحب اس کو بتایا ہے کہ مدینہ پہنچتے ہی سب سے پہلے روضہ اقدس پر حاضری دی جائے۔ جلدی جلدی غسل کیا۔ کپڑے بدلے اور حرم شریف کی حاضری کی فکر ہوئی۔ اس وقت اپنے دل کا کیا حال ہو رہا ہے۔ کاغذ کے نقوش اور سیاہی کے حروف میں کیونکر منتقل کیا جائے۔

کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا

آج اگر کوئی کوئے حبیب کا متوالا حکم رب کی تعلیم میں اپنے آپ کو ہزاروں میل کے فاصلے سے دیار حبیب تک پہنچاتا ہے اور اپنے مظالم نفس کی تلافی اور عذر خواہی کے لئے اپنے ایمان اور اپنی بیعت کی تجدید کے لئے اپنی تباہ کاریوں پر پشیمان ہو کر اشک افشانی کے لئے حبیب تک نہ سہی آستانہ حبیب تک گرتا پڑتا جا پہنچتا ہے تو کیا اس پر "بدعت" و شرک کا فتویٰ لگایا جائے گا؟ جہاں اللہ کے سب سے بڑے پرستار نے نمازوں پر نمازیں پڑھیں۔ جہاں وہ آج جسد اطہر آرام فرما ہے۔ جس کے طفیل میں عرش بھی وجود میں آیا اور کرسی بھی، کوثر بھی، سبیل بھی۔ اس عظمت و جلالت والی اس برکت اور نورانیت والی زمین پر مقدس مکیں کے مقدس مکان پر بھی جبیں نیاز کو خم کرنا اگر "شرک" ہے "بدعت" ہے تو خدا معلوم کس مقام اور کس مکان پر بھی حاضر ہونا کس آئین "توحید و سنت" کے مطابق ہو سکتا ہے؟

اس کے بعد اب اس بحث میں الجھئے کہ نیت روزہ اقدس کی زیارت کی رکھنی چاہئے یا مسجد نبویؐ کی؟ مقصود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہونی چاہئے۔ ظاہر ہے کہ اب مادی آنکھوں سے اس کا امکان نہیں۔ اس مکان کے جس حصے کو مکین سے جس قدر زیادہ تعلق، جس قدر زیادہ نسبت، جس قدر زیادہ قرب ہوگا اسی قدر اس کی زیارت اہم تر و محبوب تر ہوگی۔ حجرۂ عائشہ صدیقہؓ ہو یا مصلیٰ و منبر۔ جس شے کو بھی زیادہ امتیاز و افتخار حاصل ہوا۔ اسی بنا پر حاصل ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے اس کا تعلق تھا اور بعض نے یہ خیال کیا کہ وہ شہیدوں اور صدیقوں کا سردار جب اپنی حیات طیبہ کے ساتھ اس وقت بھی زندہ و قائم ہے تو قدرۃً سب سے زیادہ شرف و احترام مٹی کی اس لحد کو حاصل ہے جس کے اندر جسد اطہر آرام فرما ہے اور اس لئے سفر کا اعلیٰ مقصود اس تربیت پاک ہی کی زیارت رہے تو بہتر ہے اور فقہاء حنفیہ نے غایت انصاف و اصابت رائے کے ساتھ یہ فیصلہ فرما دیا ہے کہ زیارت تربت مبارک کے ساتھ ہی ساتھ زیارت مسجد نبویؐ کی نیت کو بھی جمع کر لیا جائے۔

اس مسجد کے گوشہ جنوب و مشرق میں دالانوں کے اندر وہ سبز گنبد والا روضہ اقدس ہے جس کی زمین بقول محدث جلیل، قاضی عیاض مالکی کے بلا نزاع و اختلاف سارے روئے زمین سے بڑھ کر ہے اور بقول ہمارے فقہا کے زمین، آسمان، کعبہ، عرش، کرسی سب سے

افضل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ میں عالم ناسوت سے سفر آخرت اختیار فرمایا تھا۔ آپ کا جسد اطہر یہیں سپرد لحد کیا گیا۔ پہلو میں ادب کے ساتھ ذرا بائیں کی طرف ہٹے ہوئے صدیقؓ و فاروقؓ دونوں وزیر بھی یہیں آرام فرما ہیں۔ روضہء مبارک خانہ کعبہ سے ممتاز رکھنے کے لئے اسے بالقصد بجائے مربع کے مستطیل رکھا گیا۔ ایک مضبوط پختہ چار دیواری ہے جو حجرۂ صدیقہ کو پوری طرح گھیرے ہوئے ہے۔ چار دیواری کے اوپر کے حصہ میں خوشنما سبز غلاف ترکوں کے زمانہ کا اب تک پڑا ہوا ہے۔ مدینہ سے کعبہ سمت جنوب میں ہے۔ اس لئے روضہ اطہر کا جسے صدر دروازہ سمجھا جاتا ہے وہ جنوب رخ ہے اور یہی مواجہ شریف کہلاتا ہے۔ مدینہ پہنچتے ہی تڑپ تھی تو یہ، بے قراری تھی تو اس کی کہ جس قدر جلد بھی ممکن ہو اس آستانہ پاک تک پہنچتے لیکن اس ذوق وشوق اس طلب وتمنا کے باوجود یہ کیا ہے کہ ہمت کے قدم ڈگمگائے جا رہے ہیں اور ارادہ ہے کہ جم جم کر ٹوٹتا ہے اور ٹوٹ ٹوٹ کر جمتا ہے۔ الٰہی یہ آخر کیا اسرار ہے؟

طور کی چوٹیاں جس وقت کسی کی تجلیات جمالی کی جلوہ گاہ بننے لگیں تو باکوں کے باک اور دلیروں کے دلیر موسیٰ کلیمؑ تک تاب نہ لا سکے۔ معراج کی شب جب کسی کا جمال بے نقاب ہونے لگا تو روایات میں آتا ہے کہ اس وقت وہ عبد کامل جو فرشتوں سے بھی بڑھ کر مضبوط دل اور قوی ارادہ کا پیدا کیا گیا تھا۔ اپنی تنہائی کو محسوس کرنے لگا اور ضرورت ہوئی کہ "رفیق غار" کا تمثل سامنے لا کر آب وگل کے بنے ہوئے پیکر نور کی تسلی کا سامان کیا جائے۔

مغرب کی اذان میں چند منٹ باقی تھے کہ قسمت کی یاوری نے باب النساء کے متصل ایک ہندی بزرگ مولانا سید احمد فیض آبادی مدظلہ کی خدمت میں پہنچا دیا۔ موصوف حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدظلہ (جانشین حضرت شیخ الہند علیہ الرحمہ) کے حقیقی بھائی ہیں۔ فوراً اذان کی آواز فضا میں گونجنے لگی۔ ایک پرانا مصرع

مومن چلا ہے کعبہ کو اک پارسا کے ساتھ

ذہن میں پڑا ہوا تھا۔ اس گھڑی ایک "پارسا" کی دستگیری و رہنمائی غنیمت نہیں نعمت تھی۔ دھڑکتا ہوا دل کچھ تھما اور ڈگمگایا، پیر کسی قدر سنبھلے ادھر اذان کی آواز ختم ہوئی۔ مکان سے حرم کے داخلے کا دروازہ باب جبرئیلؑ اگر چند فٹ نہیں تو چند گز پر ہے۔ اتنا فاصلہ بھی خدا معلوم کتنے منٹ میں طے ہوا۔ اس وقت نہ وقت کا احساس نہ فاصلہ کا ادراک نہ

"زمان" کی خبر نہ "مکان" کی۔ دیکھا کہ نماز کو شروع ہوئے دو چار منٹ ہو چکے ہیں اور امام پہلی رکعت کی قرات ختم کر کے رکوع میں جا رہا ہے، جھپٹ کر جماعت میں شرکت کی اور جوں توں کر کے نماز ختم کی۔ یہ پہلی نماز وہاں ادا ہو رہی ہے۔ جہاں کی ایک ایک نماز پانچ پانچ سو اور ہزار ہزار نمازوں کے برابر ہے۔

لیجئے نماز ختم ہوگئی۔ فرض ختم ہو گئے۔ سنتیں ختم ہوگئیں اور روضہ اطہر کے دروازے پر ہر طرف صلوٰۃ وسلام کی آواز آنے لگیں۔ جس پر اللہ خود درود بھیجے۔ اللہ کے فرشتے درود بھیجتے رہیں۔ اس کے آستانہ پر بندوں کے صلوٰۃ وسلام کی کیا کمی ہو سکتی ہے؟ ہر طرف آوازیں ہیں تو یہی۔ ہر سمت صدائیں ہیں تو ایسی ہی۔ جسے دیکھئے مواجہ شریف کی طرف کھنچا چلا آ رہا ہے۔ اس وقت رخ قبلہ کی جانب نہیں بلکہ اس در اقدس کی جانب ہے جو دلوں کا کعبہ اور روحوں کا قبلہ ہے اور جس کے اردگرد خود پاکیزگی طواف کرتی رہتی ہے اور ہر شخص اپنے اپنے حال میں گرفتار ہر نفس اپنے اپنے کیف میں سرشار۔ گناہگاروں اور خطا کاروں کی آج بن آئی ہے۔ آستانہ شفیع المذنبین تک رسائی ہے۔

ادھر ایک ننگ امت۔ حیراں وششدر، فرط ہیبت وجلال سے گنگ ومضطر، حواس باختہ چپ چاپ سب سے الگ کھڑا ہوا ہے۔ نہ زبان پر کوئی دعا۔ نہ دل میں کوئی آرزو۔ سر سے پیر تک ایک عالم حیرت طاری۔ یا الٰہی! یہ خواب ہے یا بیداری۔ کہاں ایک مشت خاک، کہاں یہ عالم پاک۔ جہاں کی حضوری جبرئیلؑ امین کے لئے فخر کا باعث اور شرف کا سبب ہو۔ آج وہاں عبدالقادر دریا آبادی کا فرزند عبدالماجد اپنے گندہ دل اور گندہ تر قلب کے ساتھ بے تکلف اور بلا جھجک کھڑا ہوا ہے۔ دماغ حیران، عقل دنگ، زبان گنگ، ناطقہ انگشت بدنداں۔ نہ زبان یاوری کرتی ہے نہ لب کسی عرض ومعروض پر کھلتے ہیں۔ نہ دعاؤں کے الفاظ یاد پڑتے ہیں۔ سارے حوصلے اور ولولے یک لخت غائب! لے دے کے جو کچھ یاد پڑ رہا ہے وہ محض کلام مجید کی بعض صورتیں اور آیتیں ہیں یا پھر بھی عام ومعمولی درود وشریف اور زبان ہے کہ بے سوچے سمجھے بغیر غور وفکر کے انہیں الفاظ کو رٹے ہوئے سبق کی طرح اضطراراً دہرائے چلی جا رہی ہے۔

زیارت سے فراغت پا کر درود وسلام پڑھتے ہوئے مسجد کے اس حصہ میں آئے جس کی بابت زبان اقدس سے ارشاد ہوا ہے کہ

"میرے مکان (یا میری قبر) میرے منبر کے قریب درمیان میں جو کچھ ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔"

نزول رحمت اور حصول سعادت اگر یہاں نہ ہوگا تو اور کہاں ہوگا؟ کوئی اور مانے یا نہ مانے جن خوش نصیبوں کو اس خطۂ بہشتی کی زیارت ہو چکی ہے۔ ان کا دل تو پکارے گا۔ اتنا حسین، اتنا جمیل، اتنا دلکش، اتنا جاذب نظر، اتنا پر انوار قطعہ اس ناسوتی اور فانی دنیا کا ہو نہیں سکتا! یقیناً اسے جنت الفردوس ہی سے اٹھا کر لایا گیا ہے اور دنیا کی بربادی کے وقت اسے ہر قسم کی گزند سے محفوظ رکھ کر انشاء اللہ بجنسہ وہیں پھر اٹھا لیا جائے گا۔

مسجد نبویؐ کی زیارت ہو چکی۔ آستانہ نبوتؐ پر سلام عرض کیا جا چکا۔ صدیقؓ اور فاروقؓ کے دربار میں حاضری کے آداب بجالائے جا چکے، گھڑیاں اور گھنٹے گزر چکے۔ بقیع الغرقد یا عرف عام کے مطابق جنت البقیع وہ خاک پاک ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہیتے اور لاڈلے اللہ کے برگزیدہ اور پیارے ایک دو نہیں، دس نہیں خدا معلوم کتنے اور کس تعداد میں آرام فرما ہیں۔ آبادی سے الگ ایک نہایت وسیع چار دیواری اور اس احاطہ کے اندر کیا بتایا جائے کہ کیسے کیسے گوہر نایاب زیر خاک آسودہ ہیں۔ ایسے ایسے آفتاب اور ایسے ماہتاب جہاں زیر خاک ہوں اس زمین کی نورانیت پر اگر خود آسمان بھی رشک کرنے لگے تو کس کو حیرت ہو سکتی ہے۔ آستانہ رسول سے فرصت کس کو اور فرصت بھی ہو تو دل کس کا بقیع تک جائے۔ خواہ اس کا فاصلہ چند ہی قدم سہی۔

در بود و نبود من اندیشہ گماں داشتم

حکیم عبدالغنی انصاری خسرو شاہ نظامی

عصر سے پہلے مدینہ طیبہ کے دروازے پر لاری پہنچ گئی۔ طوفان گریہ امنڈ آیا۔ اللہ اللہ یہی وہ منزل ہے جو کشاں کشاں جسم زار و نزار کو کھینچ کر سرزمین حجاز پر لے آئی ہے۔ اسی پاک سرزمین طیبہ پر سر کے بل چلنے کی آرزو ایک مدت دراز سے دل میں درد بن کے جاگزیں ہو رہی تھی۔ اسی خطہ رشک فردوس میں سانس لینے کی تمنا سانس کی آمد و شد کے ساتھ پرورش پا رہی تھی۔ ولولہ بے اختیار شوق میں کبھی حضرت جامی کا یہ شعر ورد زباں تھا۔

کے شود یارب کہ او در طیبہ و بطحا کنم
گہ بہ مکہ سرزنم گہ در مدینہ جا کنم
آرزوئے جنت معلیٰ بروں کردم ز سر
گہ بہ باب جبرئیلؑ از شوق واویلا کنم

گاہے اپنے سرکار سلطان السلاطین، سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی کا یہ مبارک شعر گھنٹوں مصروف تواجد رکھتا۔

صبا بہ سوئے مدینہ روکن　　از یں دعا گو پیام برخواں
بگرد شاہ رسلؐ بہ گردد　　بصد تضرع سلام برخواں

"باب النساء" کی طرف سے اس جگہ جیتے جی داخلہ نصیب ہوا جو در حقیقت زمین پر ہر اعتبار، ہر نقطہ نظر، ہر جہت سے خطہ فردوس بریں ہے۔ جو واقعی جنت کا ٹکڑا ہے۔ حرم پاک نبوی علیہ الف الف تحیات والتسلیم میں قدم رکھتے ہیں، ایسا منظر چشم ناسوتی ظاہری کو نظر آیا جو وہم و خیال و تصور سے بھی بالاتر تھا۔ اس کے کمال احترام اور تقدس کے علاوہ چشم ظاہر کے لئے بھی تمام روئے زمین پر مسجد نبویؐ سے زیادہ حسین و جمیل مسجد کسی جگہ موجود نہیں ہے۔"

"پہلی بار داخلہ حرم پاک کے بعد عجیب حالت، عجیب کیفیت طاری ہوگئی۔ عقل، حواس،

ہوش، سب سلب تھے۔ نیم غشی کی حالت طاری تھی۔ دل تھرا رہا تھا۔ کلیجہ کانپ رہا تھا۔ صحن مسجد کے قریب، بالکل بائیں میں، ایک ستون کے پاس بیٹھ گئے تھے اور روضہ اطہر کی جالی پر جب نظر جاتی تھی، عجب حالت طاری ہوتی تھی۔ آخر کار مواجہ اقدس میں پہنچ گئے۔ جی چاہتا تھا کہ بار بار کہیں، ارے کوئی تو طریقہ بتلا دو کہ آنکھ سے کیسے چل سکتے ہیں۔ اللہ اللہ مجھ سیاہ کار، گناہگار، سگ کوئے نبویؐ، غلام غلاماں کی یہ رسائی کہ آج اس سرکارؐ کے حضور میں لے جایا جا رہا ہے، جس کے نام پاک پر عمر بھر تصدق و قربان ہوتا رہا۔ اس کے سامنے جا رہا ہے، جو جسد کونین کی روح ہیں، جو بالمومنین رؤف رحیم ہیں۔ ان کے ملاحظہ میں آج ایک کمترین غلام، ایک ادنیٰ ترین امتی پیش کیا جا رہا ہے، جن کا ارشاد ہے کہ جو امتی میری زیارت کے لئے میرے بعد آئے گا، اس نے گویا میری زندگی میں میری زیارت کی اور میری شفاعت اس کے لئے واجب ہوئی۔ اللہ اللہ، میری کیا بساط، میری کیا مجال، کس منہ سے سامنے جاؤں، کیونکر سامنا کروں۔ میرے پاس تو سوائے زنگ آلودہ دل، جنس کاسد گناہ، انبار در انبار، خروار در خروار لغزشوں اور خطاؤں کے اور کیا دھرا ہے۔ کیا کروں، کیسے سامنا کروں۔ کیا تحفہ میرے پاس ہے جس کو نذر گزران سکوں، سوائے ایک ان کی فدا کارانہ محبت و والہانہ جذبہ عشق و محبت کے۔ اسی پس و پیش حیص بیص میں کشاں کشاں بازو پکڑے ہوئے وکیل صاحب نے مواجہ اقدس کی جالی کے سامنے کھڑا ہی کر دیا۔ آنکھیں بند ہو گئیں۔ حواس تو پہلے ہی سے گم تھے، اب اس میں اور زیادتی ہو گئی۔ خواب کی سی حالت میں صلوٰۃ و سلام پڑھوایا، پڑھ دیا۔ مگر اس وقت اور اس موقع پر کوئی حضوری میسر نہ ہو سکی۔

وہاں سے ریاض الجنتہ کے مقام پر آ گئے اور ٹھہر گئے۔ نماز عشاء کی رکعت اول میں اس قدر شدید قلبی دورہ پڑا کہ قریب تھا، حرکت قلب رک جاتی مگر موت تو زندگی کی خود محافظ ہے اور وقت معینہ سے ایک لحظہ قبل ممکن نہیں کہ کوئی جامہ ہستی کو اتار سکے، اس لئے بچ گئے۔

حاضری مدینہ طیبہ کے ٹھیک نویں دن ہم کو نماز ظہر کے بعد پہلی بار محراب نبویؐ میں نماز نفل ادا کرنے کا موقع مل گیا۔ محراب نبوی صحیح معنوں میں حافظ کے اس شعر کی جامع تصویر ہے کہ

بہ مقامے کہ نشان کف پائے تو بود
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

سرکار (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی وفات ظاہری کے بعد افضل البشر، بعد الانبیاء، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سرکارؐ کے مقام سجدہ کو دیوار کھینچ کر مسطور کردیا اور جس جگہ سرکارؐ کے وہ مقدس و محترم پائے مبارک رہتے تھے، جو ہمیشہ بخشائش امت عاصی کے لئے نماز تہجد ادا کرتے کرتے متورم ہوگئے تھے، اس مقام کو دائما سجدہ گاہ عالم قرار دے کر محراب بنادی تھی۔"

اسی محراب پر سلطان عبدالمجید خاں صاحب نے بے حد حسین و جمیل حسن کاری کا مکمل نمونہ دیدہ زیب طلائی کام سے مزین اور قیمتی پتھروں سے مرصع محراب بنائی ہے۔ بہر حال دو رکعت نماز ادا کی۔ روح قلب، جسد، دماغ سب مافوق العادت غیر ارضی فردوسی لطیف خوشبو سے معطر ہوچکے تھے۔ پہلے مواجہ مبارک میں کمال خشوع و خضوع سے صلوٰۃ و سلام پڑھ کر بائیں اقدس کی طرف گئے۔ حاضری کا نواں دن اور عربی وقت کے ٹھیک نو بجے تھے۔ حضرتِ امجد کی علیہ ربائی بار بار بہ تکرار عجیب عالم وجد میں کمال سوز و گداز سے جبکہ آنکھیں مینہ برسا رہی تھیں، عرض کر رہے تھے۔

آقا ترے در پہ تشنہ کام آیا ہے
ٹوٹے ہوئے دل کا لے کے جام آیا ہے
خسرو پہ بھی اک چشم کرم ہوجائے
قدموں میں ترے تیرا غلام آیا ہے

یکا یک نعمت حضوری میسر ہوگئی۔ دیکھا کہ سرکار جالی مبارک سے لگے ہوئے تشریف فرما ہیں۔ مگر اس وقت قد انور اس قدر زیادہ غیر معمولی بڑا تھا کہ اندر جو محصورہ اصل حجرہ سیدنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اطراف غلاف سے ڈھکا ہوا ہے۔ اس کی بلندی سے بھی متجاوز تھا۔ جسم اقدس پر ایک سبز گہرا کاہی رنگ کا لبادہ تھا۔ بہت بلندی کی وجہ سے چہرۂ مبارک اور روئے انور اس وقت اچھی طرح نہیں دیکھا جاسکا۔

عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام

پروفیسر عبدالرحمٰن عبد

ہم سب روضۂ نبویؐ کے سامنے کھڑے تھے!

بالآخر لمحہ ادب آ گیا۔ روضۂ اطہر پر پہلی نظر پڑتی ہے تو دل کی عجیب کیفیت ہوتی ہے۔ یہ اس سید الانبیاء اور امام الابرار کا مرقد مقدس ہے، جس کی لوح دل، قرآن مجید کی پہلی رحل بنی۔ یہ وہ عظیم ترین ''بعد از خدا بزرگ توئی'' ہستی ہے، جس پر خود خالق کائنات اور تمام فرشتے درود بھیجتے ہیں۔ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

یہاں مواجہ سعادت کے سامنے اہل ایمان کا بے پناہ ہجوم ہے۔ ہم بھی دلوں میں جذبات کا طوفان اور آنکھوں میں شوق بے تاب لئے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔ میرے ہونٹوں پر نعت کا وہ بے مثال مصرعہ سرگوشی بنا ہوا ہے۔ ''لوح بھی تو، قلب بھی تو، تیرا وجود الکتاب'' کچھ حضرات کا ایک گروہ سامنے ہاتھ باندھے بہت مودب ہو کر کھڑا ہے۔ ان سب کی آنکھیں نم آلود ہیں۔ ان کے امام نے سیاہ قبا پہن رکھی ہے۔ گروہ کے سب لوگ ان کے دائیں بائیں اور پیچھے ساتھ لگ کر کھڑے ہیں۔ امام صاحب مواجہ سعادت کی طرف منہ کر کے دعائیں پڑھ رہے ہیں اور سارا گروہ ان کے ساتھ ان دعاؤں کو دہرا رہا ہے:

"یا جمال ملک اللّٰہ، نور عرش اللّٰہ، خیر خلق اللّٰہ، یا شفیع المذنبین، رحمتہ للعالمین، مقدم جیش المرسلین"

''میں آپ کی بارگاہ میں شفاعت کی امید لے کر حاضر ہوا ہوں۔''

لوگوں کے چہروں پر خوشی اور طمانیت ہے کہ اس لمحے، ان کی زندگی بھر کی تمنا پوری ہو گئی ہے اور وہ اس بارگاہ تک آ پہنچے ہیں، جس کے گرد حریم کائنات بھی گرم طواف ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ وہ عاقب ہیں، یعنی سب انبیاء کے بعد آنے والے ہیں۔ یارسول اللہؐ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ختم المرسلین ہیں، آپؐ ہر دل میں مکین ہیں، آپؐ ہی افضل ترین ہیں، آپؐ ہی ہماری دنیا و دین ہیں اور آپ کا اسوۂ حسنہ ہمارے لئے قرآن مبین

ہے۔

دل میں جذبات کا آتش فشاں ہے لیکن دربار رسالت کی ہیبت چھائی ہوئی ہے۔ اس بارگاہ کو چاروں جانب سے بند اور تاریک رکھا گیا ہے۔ اس سے ہیبت میں مزید اضافہ ہوتا ہے تاہم جہاں ہم کھڑے ہیں، خنک اور بھرپور روشنیوں نے اس قطعہ کو رشک فردوس بنادیا ہے۔ مجھے یوں لگتا ہے کہ میں مہر جلیل نیم روز کے حضور کھڑا ہوں اور میرا وجود تحلیل ہو کر عدم ہو گیا ہے۔ میں گونگا ہو گیا ہوں۔ ایسے میں ڈاکٹر نصیر احمد ناصر سے حروف و الفاظ مستعار لیتا ہوں کہ انہوں نے ہمارے قلبی احساسات کی ترجمانی کی ہے:

''روضہء اطہر پر نظر پڑی تو مدتوں کی مشتاق آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب امڈ آیا۔ دل پر ہیبت طاری ہوگئی۔ حرم کعبہ میں صرف الہ و رب تھا لیکن یہاں اس کے ساتھ اس کے حبیب بھی تھے۔ یہاں شراب محبت دو آتشہ تھی اور اس کا کیف و سرور دوگنا تھا۔ یہاں حسن الٰہی کے ساتھ حسن رسالت مآبؐ کے جلوے بھی تھے۔ یہاں خدا کا گھر بھی تھا، جو جنت نگاہ تھا اور اس کے حبیب کا گھر بھی موجود تھا، جو فردوس نگاہ تھے۔ نگاہیں دونوں پر فدا ہو رہی تھیں، اس لئے روح، الحاح و زاری اور دل، آہ و فغاں کرنے لگا۔ وہاں قریب قریب سب حاضرین ہی آہ و زاری کر رہے تھے۔ جذب و مستی کی ایک کیفیت تھی، جو قریب قریب بھی اہل جذب و شوق پر طاری تھی۔''

ہم بارگاہ رسالت مآبؐ میں چپ چاپ اور مودب کھڑے ہیں کہ یہی عشق کی منزل ہے۔ وہ سامنے ہیں، نظام حواس برہم ہے۔ نہ آرزو کی سکت ہے، نہ عشق میں دم ہے۔ بہت ہلکے سے کوئی کانوں میں سرگوشی کرتا ہے۔ ''ہم اس بارگاہ کے سامنے کھڑے ہیں، کہ...... آنجا دلبر است...... یہی مقام اقدس تو اس کائنات کا نقطہ نور ہے۔ اسی ہستی کے نام سے ہماری پہچان اور آبرو ہے اور یہی ہستی ہمارے درون دل میں بسی ہوئی ہے۔ در دل مسلم مقام مصطفیٰ ﷺ است، آبروئے ما زنام مصطفیٰ ﷺ است۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبہ کے آگے زمانہ اور وقت حقیر رہ جاتے ہیں۔ ابد الاباد ان کے سامنے ایک لمحہ سے بھی کم حیثیت رکھتا ہے۔ ''کمتر از آنے ز ادوار ابد، کاسب افزائش از ذاتش ابد۔'' جامی نے انہی کے بارے میں معانی سے لبریز شعر کہے ہیں اور ان کی مدح میں موتی پروئے ہیں اور فرمایا ہے کہ پوری کتاب کائنات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت کتاب کے حاصل اور

دیباچہ کی سی ہے۔ ہم بھی اس نظام عالم کے عام کارکن ہیں اور آقا اور قائد صرف وہی ایک ہیں۔

نسخہ کونین را دیباچہ اوست
جملہ عالم بندگان و خواجہ اوست

عشق کی ایک جست

میرے روحانی استاد محمد حسین ہیکل نے اپنی کتاب ''فی منزل الوحی'' میں بارگاہ رسالت مآب میں پہنچنے کے بعد اپنی دلی کیفیات قلمبند کی ہیں۔

''ہم حجرۂ مطہرہ اور قبر رسولؐ کے سامنے پہنچ گئے۔ میں اس مقدس ومحترم حجرہ کے سامنے اپنی جگہ مودب کھڑا ہوں۔ ڈرتے ہوئے کہ کہیں کوئی بے ادبی نہ ہو جائے۔ کیونکہ میں شہ کونینؐ کے حضور میں ہوں، جو سکون جان بھی ہیں اور قرار دل بھی۔ جو آیہ رحمت بھی ہیں اور حاصل حیات بھی۔ حسن اتم بھی ہیں اور مجسم کرم بھی۔ میں یوں محسوس کرتا ہوں گویا ایک شہنشاہ کے حضور کھڑا ہوں۔ نہیں یہ مقام شاہوں کی حاضری سے کہیں بڑا تھا۔ میں نے بادشاہوں سے باتیں کی ہیں، وہاں میرے دل پر یہ رعب طاری نہیں ہوا اور نہ وہاں میرا دل اس عظمت واکبار سے معمور ہوا۔ میں بادشاہوں، فراعنہ اور بزرگوں کی قبروں پر کھڑا ہوا ہوں لیکن وہاں یہ روحانی جلال نہیں دیکھا، جو اس وقت میرے ذہن پر طاری تھا۔ مجھے یوں لگتا ہے کہ جلال روحی کا ایک ہالہ میرے گرد بن گیا ہے، جو میری سوچ پر حاوی ہو گیا ہے۔

السلام علیک یارسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپؐ نے اللہ کے نبی اور رسول کی حیثیت میں اپنے رب کا پیغام پوری طرح پہنچا دیا اور اس کی راہ میں جہاد کیا۔ حتیٰ کہ اللہ نے اپنی مدد پہنچا دی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ انہوں نے ہمیں حکم دیا کہ اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں اور وہ وحدہ لاشریک ہے۔''

کتاب ''رفیق الحج'' بھی ہمیں ''ادب گاہیست زیر آسماں ایں جا'' کے بارے میں مودب رہنے کی تلقین کرتی ہے کہ زائر کو چاہئے ''زیارت کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شایان شان ادب ملحوظ رکھے۔ مواجہ شریف سے ہٹ کر کھڑا ہو اور مقصورہ شریف یا در دیوار کو ہاتھ نہ لگائے اور نہ ہی کہیں بوسہ دے۔ صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے اور بدعات سے بچے۔''

بدعات سے بچے، بالکل بجا۔ لیکن صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے، اس پر عمل کرنا اس جگہ ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں۔ آپ ذرا ان لوگوں کا تصور کریں جو ہزاروں میلوں سے ...... جز تو مارا منزلے نیست...... پکارتے آئے ہیں۔ وہ قریب سے قریب تر ہونے کی ضرور آرزو کریں گے۔ مواجہ کے سامنے پولیس کے دو شرطے یعنی سپاہی دائیں بائیں کھڑے ہیں تا کہ شمع رسالتؐ کے پروانے مناسب حد تک رہیں۔ وہ لوگوں کو سمجھا رہے ہیں کہ دیوار سے ہٹ کر رہیں۔ وہ خود بھی لوگوں کو ہٹا رہے ہیں لیکن لوگ پھر دھکم پیل کر کے مواجہ کی طرف ایک نگاہ ڈالنے کے اشتیاق میں آگے بڑھتے ہیں۔ گویا کہہ رہے ہیں ''یارسول اللہؐ نگاہے۔''

شرطے بیچارے لوگوں کے ساتھ زور لگا لگا کے بلکہ ''ہاتھاپائی'' کر کر کے اکتائے ہوئے لگتے ہیں۔ ایک طرف ان کی ڈیوٹی ہے کہ وہ لوگوں کو دیوار کیساتھ لگنے نہ دیں اور لوگ روضۂ اقدس کی جالی کو نہ چومیں۔ دوسری طرف تقبیل کے شوق میں پروانے دیوانہ وار آگے بڑھتے ہیں۔ شرطے فرض اور عشق رسولؐ کے گویا دو پاٹوں کے درمیان پس رہے ہیں۔ کبھی کبھار وہ چشم پوشی سے کام لیتے ہوئے نظر انداز بھی کر دیتے ہیں۔

اچھا تو یہ ہیں وہ دو شرطے اور پہریدار جن کا ذکر بچپن سے بار بار سنا تھا اور ایک نعت میں پروانہائے شمع رسالت کی طرف سے ان کی خدمت میں ترنم سے درخواست پیش کی گئی تھی کہ ''روضۂ اقدس کی جالی کو چومنے کی اجازت دے دو، خدا تمہارا بھلا کرے گا''۔

''تیری خیر ہووے پہریدارا، روضے دی جالی چم لین دے۔''

اسی جگہ مجھے صادق قریشی صاحب کا واقعہ یاد آتا ہے، جو انہوں نے اپنے سفر حجاز ''پھر سوئے حجاز'' میں لکھا ہے۔ اس واقعے کی یاد نے دل کو ہمیشہ گداز کیا ہے۔ یا اللہ ایسے ایسے عاشق رسول بھی دنیا میں موجود ہیں اور دل سے دعا نکلتی ہے کہ یا اللہ اس جذب عاشقانہ کی ایک رمق ہمیں بھی عطا ہو۔

وہ لکھتے ہیں کہ ۱۹۶۰ء کے لگ بھگ فیصل آباد کے ایک بزرگ نے اپنی زندگی کا سارا اثاثہ بیچا اور جیسے تیسے حجاز پہنچے۔ حج سے فارغ ہوئے تو اس روضے کی جالی چومنے کی تمنا انہیں کشاں کشاں مدینہ منورہ لے آئی۔ دیار حبیبؐ میں پہنچے اور بالآخر یہاں اپنی نگاہوں کی جنت میں پہنچ گئے۔ وہ دل بے قرار کے ساتھ جالی کے سامنے کھڑے رہے۔ آنکھوں سے

آنسو بہتے رہے اور ہونٹوں کو الفاظ کا یارا نہ رہا۔ وہ روضے کی جالی سے چمٹ جانا چاہتے تھے لیکن یہ شرطے کسی کو جالی کی طرف بڑھنے نہیں دیتے تھے۔ وہ ہزاروں میلوں کا سفر کر کے اور زندگی بھر کی جمع پونجی داؤ پر لگا کر یہاں پہنچے تھے۔ وہ بس اک جالی کو چومنے کی تمنا کی تکمیل تو چاہتے تھے۔ چنانچہ قلب تپاں کے ساتھ انتظار کرتے رہے اور جب شرطہ ذرا ایک طرف کو ہوا تو انہوں نے تیزی سے آگے بڑھ کر دوزانو ہو کر جالی کے ساتھ سر رکھ دیا۔ قبولیت کا لمحہ تھا۔ انہیں منزل مراد مل گئی تھی۔ خادم نے لپک کر کہا ''او حاج، او حاج'' مگر وہاں کون تھا جو جواب دیتا۔ ''عشق کی ایک جست نے طے کر دیا قصہ تمام۔'' وہ مہر و ماہ و مشتری بلکہ فلک الافلاک سے بھی آگے جا چکے تھے۔

اب جالی کے ساتھ تو ایک جسد بے روح باقی رہ گیا تھا!

بھری ہوئی جھولی

بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں کھڑے ہوئے پروانوں نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے ہوئے ہیں۔

میرا ہمدم، میرا دل کہتا ہے ''یہ مانگنے کی جگہ نہیں ہے یہ تو جھولیاں بھرنے کی جگہ ہے۔ یہ لوٹنے اور خزانے کی جگہ ہے۔ زائر! تم محبت اور رحمت کے سمندر کے کنارے کھڑے ہو۔ حب رسول ﷺ علم و حکمت، حسن وعمل اور تزکیہ نفس کے بحر بیکراں کے ساحل پر ہو۔ تم بارگاہ رسالتؐ میں ہو۔''

میں اس سے کہتا ہوں چلئے دعا نہیں کرتا، التجا کرتا ہوں۔ دونوں ہاتھوں کو ملا کر اوک بناتا ہوں۔ گویا میں صدیوں کا پیاسا ہوں اور تشنہ لبی کے ساتھ ساقی کوثر کے حضور کھڑا ہوں کہ وہ اس میں رحمت کے ڈول انڈیلتے جائیں۔ میں، شراب رحمت پیتا جاؤں، پیتا جاؤں۔ حتیٰ کہ پیاس باقی نہ رہے اور یوں دہلیز بارگاہ پر دعا پیرا ہوں۔

''اے ظہور تو شباب زندگی، جلوہ ات تعبیر خواب زندگی۔ آپ کی وجہ سے اس کائنات کا درجہ بلند ہے۔ از تو بالا پایہ ایں کائنات اور آپ کی وجہ سے جہاں کا گوشہ گوشہ اور ہر ہر پہلو روشن و تابندہ ہے۔ شش جہت روشن ز تاب روئے تو۔ آپ کی محبت سے ہمارے دل و دماغ قوی اور توانا ہیں۔ ہم خاک کے ذرے تھے۔ آپؐ نے ہمیں اٹھا کر فلک نشیں کر دیا۔ ستاروں کی طرح عالی جناب کر دیا۔ دل ز عشق تو، توانا می شود، خاک ہمدوش ثریا می شود۔

حضور آیۂ رحمت! میں بس نور کی ایک کرن کا خواستگار ہوں، جو میرے نہاں خانہ دل کو روشن و تابناک کر دے۔ میرا دل بیم و ریا سے پاک اور ظلم و طاغوت کے مقابلے میں بیباک ہو۔

میرے دیدۂ باطن پہ رازِ نظمِ قدرت ہو عیاں
اور ہو شناسائے فلک شمعِ تخیل کا دھواں
دل میں ہو سوزِ محبت کا وہ چھوٹا سا شرر
نور سے جس کے ملے رازِ حقیقت کی خبر

اے اللہ العالمین! یہ میرے ملے ہوئے ہاتھ نہیں ہیں، یہ کشکولِ دعا ہیں۔ اے اللہ! میرے ہاتھ خالی ہیں تو انہیں اپنی رحمت اور نعمتوں سے بھر دے۔"

اس پر ایک پہچانی ہوئی آواز گونجی۔ "نہیں..... نہیں۔"

اوہ یہ میرے دمساز، میرے دل کی آواز تھی۔ یہ آواز میرے دل سے آئی تھی اور اس نے ایک خود دار کی سی تاکید سے کہا۔ "یہ غلط ہے کہ میرے ہاتھ خالی ہیں۔ میرے ہاتھ خالی نہیں ہیں۔"

ایک دفعہ بند کھل گیا تو جیسے دل و ضمیر ایک سچے انسان کی طرح جھجک کو بالائے طاق رکھے بولے جا رہے ہیں۔

"میرے الرحمٰن! میرے ہاتھ خالی نہیں ہیں۔ میری جھولی بھری ہوئی ہے تیری عنایتوں سے۔ میرا دامن لبریز ہے تیری رحمتوں اور نوازشوں سے۔ میرا انگ انگ اس ساز کی طرح معمور ہے، جس کے ایک ایک تار سے الحمدللہ کی آواز آ رہی ہے۔ اے مرے خالق و مالک! تو نے ہمیں صحیح و سالم اعضاء دے کر فی احسن تقویم پیدا کیا، صحت کاملہ دی ہے، بہن بھائیوں کی خوشیاں دی ہیں، مسرتوں سے معمور گھرانہ اور بیوی بچے دیئے ہیں۔ نیک دعاؤں کی چھتری کی صورت میں ماں باپ دیئے ہیں۔ قلب مطمئن، رزق حلال، علم اور ایمان کی بے بہا دولت دی ہے۔ حج کی سعادت اور اس بارگاہ کی حاضری سے سرفراز کیا ہے۔ میری قوم کو آزادی اور میرے ملک کو دنیا اسلام میں سرفرازی دی ہے۔ امت مسلمہ میں احیائے اسلام کی تڑپ اور لہر پیدا ہو گئی ہے۔ غرض میں مانگنے کے لئے نہیں، شکر ادا کرنے کے لئے ہاتھ اٹھائے ہوئے ہوں۔"

میرے ضمیر نے مجھے ٹوکا۔ ''اس شکر گزاری اور ظاہری انکسار کے جام کی تہ میں دور کہیں دور غرور تو نہیں ہے؟''

میں دل ہی دل میں کہتا ہوں ''نہیں ایسا نہیں ہے۔ پھر بھی، جب بھی میں مانگتا ہوں تو اے میرے الملک القدوس! صرف تجھی سے مانگتا ہوں۔ اس لئے اے میرے اللہ! مجھے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے۔''

جے کوئی پچھے

روضہء رسولؐ کی مشرقی سمت میں تین در ہیں۔ ان بند دروازوں پر قدیم طرز کے قفل پڑے ہوئے ہیں۔ درمیان والے در کی جالی میں مٹھی بھر کھلے اور قریباً بیضوی جھرو کے ہیں، جن کے اردگرد سنہری پتری کے چکر لگے ہوئے ہیں۔ ہیکل کے الفاظ میں یہ تینوں سوراخ گویا کھلی آنکھیں ہیں جو ہر زائر کو بغور دیکھتی ہیں اور اس کی روح کی گہرائیوں میں جھانکتی ہیں۔

چند قدم اور چل کر میں پھر اصحاب صفہ کے چبوترے کے پاس پہنچ جاتا ہوں۔ یوں روضہء اقدس کے گرد میرا چکر مکمل ہو جاتا ہے لیکن میرا دل اس طواف حبیبؐ سے نہیں بھرا۔ اشتیاق دید مجھے مثال گردش پرکار ایک مرتبہ کشاں کشاں بارگاہ رسالت مآبؐ میں لئے چلتا ہے۔

ایک دفعہ پھر بارگاہ نبیؐ میں حاضر ہوں۔

سر روضہ سرکار دو جہاں کھڑا ہوں میں
پھر بھی خبر نہیں مجھے کہاں کھڑا ہوں میں

ایک دفعہ دل نے بڑے ناز سے کہا تھا ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بزم خاص ہوگی، مجھے بھی اذن کلام ہوگا'' اور اب یہی دل اس بارگاہ میں جیسے کلام کے لئے بے چین ہو کر مرغ بسمل کی طرح تڑپ رہا ہے۔ کوئی جانے کہ دل اپنی عضلاتی حرکت میں بند ہو رہا ہے اور کھل رہا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ وہ تو کیفیتوں کی رستخیز بنا ہوا ہے کہ جسے عربی میں فیما بینی و بین نفسی کے الفاظ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ جیسے یہ ایک آدمی کا دل نہ ہو، حصوں میں بٹ کر ''دلڑیاں'' بن گیا ہو کہ خود ہی سوال کرتا ہے اور پلٹ کر خود ہی جواب دیتا ہے۔ شاید اسے خود کلامی کہتے ہیں۔ شاید آپ بھی کبھی اس کیفیت سے گزرے ہوں۔ بہرحال

اس وقت یوں لگتا تھا کہ میں جدید "پکی روٹی" پڑھ رہا تھا۔

پکی روٹی پنجابی زبان کی ایک مشہور کتاب ہے، جس کے ٹائٹل پر لکھا ہوتا ہے۔ "حجم میں چھوٹی، مسائل میں موٹی، پکی روٹی۔" اس میں روزمرہ فقہی مسائل کی سادہ تعلیم دی گئی ہے لیکن اس کی اصل امتیازی خصوصیت اس کے منفرد اسلوب بیان میں ہے۔ سقراط کے طریق تدریس کی طرح سوال و جواب کا انداز اختیار کیا گیا ہے۔ اس کے دو ننھے منے فقروں کی تکرار حروف ابجد کی طرح ازبر ہو جاتی ہے اور وہ دو فقرے ہیں "جے کوئی پچھے" یعنی اگر آپ سے کوئی یہ مسئلہ دریافت کرے اور پوچھے تو "تو آکھ جی" یعنی آپ اس کے جواب میں یہ کہیں کہ جی......

بارگاہ نبویؐ میں کھڑا ہوں۔ چاروں جانب لوگوں کا ہجوم ہے لیکن میرا ہم نفس دل کی انجمن سجا لیتا ہے۔ گویا آئینہ کے مقابل آئینہ ہے کہ خود ہی سوال کرتا ہے "جے کوئی پچھے دنیا میں عرش الٰہی کہاں ہے؟"

اور دل کا مقابل خود ہی جواب دیتا ہے۔ "توں آکھ جی" مسجد نبویؐ میں روضۃ الجنۃ کے بائیں پہلو میں کہ دل ہمیشہ بائیں پہلو میں ہوتا ہے۔ یہی مقام جو کبھی حجرۂ عائشہؓ تھا پھر آنحضور اقدس اور ان کے دست و بازو کی آخری آرام گاہ بنا۔ اب یہ بارگاہ رسالتؐ ہے اور ابد تک کے لئے دنیا میں انوار الٰہی کا مرکز۔

جے کوئی پچھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب و بازو کون تھے؟ تو آکھ جی، شیخین۔ یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ۔ دیکھ لیجئے صدیق اکبرؓ اور حضور اقدسؐ کے سینے کے برابر سر رکھ کر ابدی نیند سوئے ہوئے ہیں اور جہاں تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بازو جا سکتا ہے، وہاں فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ محو خواب ہیں۔

جھکتا ہے مرا دل بھی مرے سر کے ساتھ ساتھ

کرنل غلام سرور

ہم لوگوں نے تھوڑی سی دیر اپنے کمرے میں آرام کیا۔ پھر غسل کرنے اور چائے پینے کے بعد مسجد نبویؐ کی جانب روانہ ہوگئے۔ مسجد میں قدم رکھتے ہی گھبراہٹ دور ہوگئی۔ بیت اللہ میں ہمیں جلال کی کیفیات سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ یہاں چار سو جمال ہی جمال دکھائی دیا۔ فخر و مسرت کا ایک عجیب احساس طاری ہوگیا۔ ہم داخل ہوئے تو نماز مغرب کی صفیں کھڑی ہو رہی تھیں اور یہ پہلی نماز تھی جو حرم نبوی میں ادا ہو رہی تھی۔ میں اس بات پر مطمئن تھا کہ یہاں ایک نماز ہزاروں نمازوں کے برابر ہے۔

نماز پڑھتے ہوئے مجھے کامل سکون نصیب ہوا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اللہ کے رسولؐ ہمیں دیکھ رہے ہوں۔ وسیع و عریض مسجد میں سکون کی کیفیت کارفرما تھی۔

نماز سے فارغ ہو کر ہم روضہ اقدس کی جانب آگے بڑھے۔ بہت ہمت کی مگر قدم اٹھتے ہی نہ تھے۔ آخر اللہ نے مدد کی اور میں وہاں پہنچ گیا جہاں پہنچنے کے لئے آیا تھا۔ روضہ مبارک کے روبرو تین بیضوی جھروکوں پر میری نگاہیں مرکوز ہوگئیں۔ پہلا جھروکہ سرور کونینؐ، دوسرا حضرت ابوبکر صدیقؓ کا اور تیسرا حضرت عمر فاروقؓ کا ہے۔ ان جھروکوں کو دیکھ کر میرے ضبط کے بند ٹوٹ گئے اور آنسو آنکھوں سے رواں ہوگئے۔ سسکیاں آہیں بلند ہونے لگیں۔ ہچکیاں بندھ گئیں۔ کلیجہ چاہتا تھا کہ پسلیوں کو پھاڑ کر باہر نکل آئے۔ دل کہتا تھا تڑپ کر حضورؐ پر نثار ہو جاؤں۔

کافی دیر بعد میری طبیعت سنبھلی۔ دل کو قرار نصیب ہوا۔ میں رحمت اللعلمینؐ کے دربار میں کھڑا تھا۔ میں نے دیکھا روضہ رسولؐ کے آس پاس انسانوں کا تانتا بندھا ہوا ہے اور سب اشکبار ہیں۔ اس حد تک تحیر ہے کہ ایک دوسرے سے کوئی آگاہ نہیں۔ ''لوگ آرہے ہیں، پہرے دار کھڑے ہیں اور راستہ بن رہا ہے، خلقت نکل رہی ہے اور دعائیں لٹ رہی ہیں، شمع روشن ہے، پتنگے جمع ہیں، گھٹتے نہیں بڑھتے چلے جاتے ہیں اور لو میں گھلے جارہے

ہیں، ملائکہ عرش الٰہی سے آ رہے اور سلام کے موتی نذر کر رہے ہیں، کیوں نہ ہو، یہ مقام عشق کا منتہی اور حسن کی جولاں گاہ ہے۔'' ہم مغرب اور عشاء کی نماز مسجد نبویؐ میں ادا کرنے کے بعد ہوٹل میں لوٹے۔ میری طبیعت ناساز تھی، جلد ہی سو گیا۔ اگلی صبح، مقررہ وقت سے بہت پہلے ہم لوگ باب السلام کے سامنے جا کھڑے ہوئے تاکہ ریاض الجنۃ میں جگہ مل سکے۔ اس مقام کی عظمت کا اندازہ لگایئے کہ حضورؐ نے خود فرمایا تھا کہ میرے گھر اور میری مسجد کے درمیان جو قطعہ زمین ہے۔ یہ جنت کے باغوں میں سے ایک ہے۔ ہم نے دیکھا کہ زائرین کی جماعتیں ریاض الجنۃ میں جگہ حاصل کرنے کے لئے بے قرار تھیں۔ دھکم پیل ہو رہی تھی۔ دروازہ کھلنے پر سب لوگ آگے بڑھنے لگے۔ میری ہمت جواب دے گئی۔ میں اپنی باری پر آگے بڑھا۔ اندر پہنچ کر دیکھا کہ قطاروں کی قطاریں انتظار میں کھڑی تھیں۔ ایک شخص نماز پڑھ کر اٹھتا تھا تو دوسرا جگہ لینے کے لئے تیار دکھائی دیتا۔ اللہ کا شکر ہے میری باری بھی آ ہی گئی۔ مجھے یہاں نماز ادا کرنے میں جو سرور حاصل ہوا، اسے کیونکر بیان کروں؟

سارے جہاں کو بھول گیا تیری یاد میں

غلام الثقلین نقوی

باب جبریل سے باہر جوتے اتارے اور جوں ہی مسجد نبویؐ کے صحن میں قدم رکھا، قلب ونظر کی حالت بدل گئی۔ نظر وہ کچھ نہیں دیکھ رہی تھی جو وہ دیکھتی ہے اور قلب کی دھڑکنوں میں بھی وہ کیفیت نہیں رہی تھی جسے دل خود پہچانتا ہے۔ اندر زائرین کا ہجوم تھا اور میں کسی چہرے کو نہیں پہچان رہا تھا۔ پہچان سے میری مراد یہ ہے کہ کوئی چہرہ مجھے چہرہ نظر نہیں آتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے ہیولوں کو چلتے پھرتے دیکھ رہا ہوں۔ نصیر اور طاہر میرے ہمراہ تھے۔ عورتیں علیحدہ حصے میں چلی گئی تھیں۔ میں نصیر اور طاہر کی موجودگی سے بھی بے نیاز ہو گیا تھا۔ دعاؤں کی جو کتاب ساتھ لے گیا تھا، اسے کھولا تو کوئی لفظ اپنے اصلی روپ میں نظر نہ آیا۔ ہر لفظ ایک آنسو تھا اور ہر سطر ایک ندی تھی۔ وہ دل جو کدورتوں، نفرتوں اور نفسانی خواہشوں کی آماجگاہ تھا، ان آنسوؤں میں ٹپک جانے کو بے قرار تھا۔ اتنے سوتے پہلے کبھی دل کی سرزمین سے نہیں پھوٹے تھے۔ اتنی رقت مجھے پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔ مجھے وہ اعمال ہی بھول گئے جو حرم نبیؐ میں داخلے کے بعد ضروری ہیں۔ قلب ونظر کا صحیفہ آنسوؤں میں ڈھل گیا تھا۔ روح کی اتنی بالیدگی پہلے کبھی نصیب نہ ہوئی تھی۔ عزیزم طاہر کے یاد دلانے پر ضروری اعمال بجالایا۔ پیشانی مسجد نبویؐ کے فرش پر اللہ کے حضور ٹکی رہی لیکن دل حریم نبیؐ کے اندر سجدہ ریز رہا۔ یقیناً یہ شرک تھا لیکن یہ شرک حلال تھا۔ اگر حلال نہ ہوتا تو گنبد خضرا کے مکینؐ کی طرف سے مدینے آنے کی دعوت پر اتنا اصرار کیوں ہوتا؟

استوانہ ابولبابہؓ کے قریب نماز ادا کی۔ منبر رسولؐ کے قریب سے گزرنے کی سعادت حاصل ہوئی لیکن ہجوم اتنا تھا کہ مسجد نبویؐ کا جو حصہ ریاض الجنت کے نام سے مشہور ہے، وہاں سربسجود ہونے کے لئے کوئی خالی جگہ نظر نہ آئی۔ ابولبابہؓ کتنے خوش نصیب صحابی ہیں کہ مسجد نبویؐ کا ایک ستون ان کے نام سے منسوب ہے۔ اپنے ایک جرم کا کفارہ ادا کرنے کے لئے انہوں نے اپنے آپ کو اس ستون کے ساتھ باندھ لیا تھا اور جب تک اللہ کی بارگاہ میں

ان کی توبہ قبول نہ ہوئی، وہ اس رضا کارانہ قید سے رہا نہ ہوئے۔ ان کی توبہ کو اتنا بڑا درجہ ملا کہ وہ ابد تک محفوظ و مامون ہو کر رہ گئی۔ کاش ہر شخص کی توبہ بارگاہ خداوندی میں اتنی ہی مقبول و مرغوب ہو۔ آمین۔

اب میں اور طاہر زائرین کے اس ہجوم کا حصہ بن گئے تھے جو ایک گرداب کی صورت میں روضہ رسولؐ کے گرد گھوم رہا تھا اور اس ہجوم کا اضطرار میرے سارے وجود میں سما گیا تھا۔ یہ ایک اجتماعی کیفیت تھی جو ایک برقی رو کی طرح میرے رگ و پے میں دوڑ گئی تھی۔ درود شریف کا ورد خود بخود ہر زبان پر جاری تھا۔ جالی کے پاس سے گزرتے ہوئے ہر زائر کی ذہنی، قلبی اور روحانی کیفیت دگرگوں ہو جاتی تھی۔ سبھی بے اختیار ہو کر جالی کو چوم لینا چاہتے تھے۔ جالی کے سامنے سپاہیوں کو دیکھ کر ان کے شوق میں کمی نہیں آ رہی تھی۔ یہ سپاہی صرف اس کام پر مامور تھے کہ کوئی زائر جالی کو ہاتھ نہ لگائے، نہ اس کے جسم کا کوئی حصہ روضہ رسولؐ سے مس ہو۔ جالی سے ہونٹوں کا مس ہونا تو ایک بہت بڑا جرم تھا۔

اس لمحے پنجابی نعت کا ایک شعر میرے ذہن میں مسلسل گنگناہٹ بن گیا تھا۔

تیری خیر ہووے پہرے دارا! روضے دی جالی چم لین دے
اساں ویکھنا ای رب دا نظارہ، روضے دی جالی چم لین دے

اور عین اسی لمحے طاہر نے میرے کان میں کہا: ''چچا جی، جالی چوم لیجئے۔'' میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو سپاہی کا دھیان اپنی طرف نہ پایا۔ میں نے سر جھکایا اور جالی پر ہونٹ رکھ دیئے............صرف ایک ثانیے کے لئے............ پھر کسی نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا ''یلہ......یلہ......'' یہ اس سپاہی کا ہاتھ تھا جو میرے کندھے کو سہلا رہا تھا۔ میں قدم آگے بڑھانے پر مجبور ہو گیا۔ پھر بھی جہاں جہاں مجھے موقع ملتا، میں روضے کی دیواروں کو ہاتھ سے مس کر لیتا اور پہرے دار کہتا ''شرک، شرک۔''

جانے شرک میں اتنی لذت کیوں ہے؟

کیا یہ واقعی شرک ہے؟

یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے!

اس جالی کے پیچھے گھپ اندھیرا تھا۔ اندر کوئی قمقمہ بھی روشن نہیں تھا۔ شاید اس لئے کہ نبیؐ اور [illegible] کی قبروں پر کسی کی نظر نہ پڑے کہ یہ شرک ہے۔ پھر ایک قمقمہ میرے دل میں

روشن ہوا اور میں در دوستؑ پر اپنی پلکوں سے جاروب کشی کرنے لگا اور میں اس قبر کی زیارت سے بھی مشرف ہوگیا جسے سو پردوں میں چھپا دیا گیا تھا۔ روضہ رسولؐ سے ملحقہ حجرے کے متعلق طاہر نے بتایا کہ یہ جنابہ فاطمۃ الزہراؑ کا گھر ہے اور بعض روایات میں آیا ہے کہ وہ مخدرۂ عصمت اسی حجرے میں دفن ہیں۔ اس حجرے کے باہر، دیوار سے لگ کر، ایک نہایت خوفناک قسم کا پہرے دار بیٹھا تھا جو دور ہی سے ہاتھ ہلا ہلا کر زائرین کو آگے بڑھ جانے کے احکام دے رہا تھا۔ چنانچہ طاہر اور میں آگے بڑھ گئے اور میرے آنسو پیچھے رہ گئے۔

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول، وہی آخر

فرید احمد پراچہ

روضہ، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مشتاقان زیارت کا ہجوم ہے۔ ہم بھی ہجوم کا ہی حصہ بن گئے۔ آہستہ آہستہ آگے بڑھتے گئے حتیٰ کہ روضہ، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عین سامنے اس جالی پر پہنچ گئے جہاں سے ہدیہ درود و سلام پیش کیا جاتا ہے۔ الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللّٰہ۔ ہماری زبانوں پر درود و سلام ہے۔ عجیب سماں ہے۔ ہر طرف محبت کا زمزم بہہ رہا ہے۔ مشتاقان دید صلوٰۃ و درود پڑھ رہے ہیں۔ ہم نہیں سن سکتے لیکن ان آوازوں میں فرشتوں کی آوازیں بھی شامل ہیں۔ یہ احساس ختم ہو چکا ہے کہ میں روضہ، رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر آیا ہوں۔ صرف یہی احساس باقی ہے کہ میں دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں کھڑا ہوں۔ اتنے بڑے دربار میں کہ جہاں سانس کی بے صبری بھی بے ادبی ہے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی تو فرمایا تھا کہ جس شخص نے میری وفات کے بعد میرے روضے کی زیارت کی تو وہ سعادت میں اسی شخص کی طرح ہے جس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔ آپ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ جس شخص نے حج کیا اور میری زیارت کو نہ آیا، اس نے مجھ پر ظلم کیا۔ میں لرز جاتا ہوں، اف کتنے ہی بدنصیب انسان ہیں جو استطاعت رکھنے کے باوجود اس دربار کی حاضری سے محروم رہتے ہیں۔ تیرا شکر ہے میرے مالک! تو نے یہ سعادت نصیب فرمائی۔

درود و سلام پڑھتے ہوئے میری آواز کانپ رہی ہے۔ مجھے یہ احساس شرمندہ کر رہا ہے کہ آقا میری آواز سن رہے ہیں۔ میری حاضری سے باخبر ہیں۔ میرے سلام و کلام کو سماعت فرما رہے ہیں۔ میں آواز پست کر دیتا ہوں مبادا کہ حد ادب سے گزر نہ جاؤں۔ جس ذات بابرکت کے حضور صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کو بھی یہ حکم خداوندی ملا۔ لاترفعوا اصوات کم فوق صوت النبی۔ وہاں میں کس طرح بلند بول سکتا ہوں۔ سلام پڑھتے پڑھتے ایک عجیب سرور محسوس ہونے لگتا ہے۔ خوشگوار کیف طاری ہو جاتا ہے۔ سکون کی عجیب لذت

نصیب ہوتی ہے۔ واقعی یہ ادب کہ محبت ہے۔ ہماری گستاخیوں، بداعمالیوں، ظاہری محبت اور کھوکھلے دعوؤں کے باوجود حضور رسالت مآب کا دست شفقت ہم پر ہے ورنہ ہم تو اپنے اعمال سے غضب خداوندی کو دعوت دینے والے ہیں۔ ہم تو حجت خداوندی کی آخری حدوں کو چھو چکے ہیں۔ میں حضورؐ کے روضہء اقدس کے عین سامنے کھڑے ہو کر اس شفقت و محبت کے لطیف جھونکے کو محسوس کر رہا ہوں جو آپ کو اپنی امت سے ہے۔ یہ شفقت نہ ہوتی تو ہم تو جیتے جی مر گئے ہوتے، ہم تباہ و برباد ہو گئے تھے۔ میرے لب پر ملت اسلامیہ کے لئے دعائیں ہیں۔ حضور رحم فرمایئے کہ آپ کی امت دکھوں کا شکار ہے۔ خدا سے سفارش کیجئے کہ وہ اس امت کے دن پھیر دے۔ اس کو قعر مذلت سے نکال کر بام عروج پر پہنچا دے۔ دنیا و آخرت میں سرخرو فرمائے، اپنے دین کو دنیا میں غلبہ عطا فرمائے۔

وہ تجلیوں کی ہماہمی کہ ہزار صبحیں نثار ہوں

ڈاکٹر فوزیہ سلیمی

مسجد نبویؐ پہنچی تو ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا تھا۔ مسجد نمازیوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ اس مسجد میں مسجد الحرام کے برعکس عورتوں اور مردوں کے لئے نماز کی علیحدہ علیحدہ جگہ مقرر تھی۔ میں آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس برآمدے تک پہنچ گئی۔ جہاں سے روضہ رسول کا سبز گنبد بالکل سامنے نظر آتا تھا۔ عورتوں کے درمیان مجھے تھوڑی سی جگہ مل گئی۔ میں وہاں بیٹھ کر ادھر ادھر نگاہ دوڑا کر مسجد نبوی کو دیکھنے لگی۔

اللہ تعالیٰ نے جب سے یہ زمین بنائی ہے۔ اس وقت سے یہ ایک ہی حالت میں نہیں رہی۔ ایک وقت میں کسی جگہ بستی ہوتی ہے تو دوسرے وقت میں وہاں ویرانے ہوتے ہیں۔ قبرستان باغوں میں اور باغ اور شہر کھنڈروں اور قبرستانوں میں تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جس جگہ پر آپؐ نے مسجد نبویؐ کی تعمیر فرمائی وہ دو نجاری یتیموں یعنی سہیل اور سہل کی تھی، جس کے کچھ حصے میں نماز جمعہ پڑھنے کے لئے ایک مختصری جگہ بنائی ہوئی تھی۔ باقی زمین میں کھجور کے درخت، مشرکوں کی قبریں اور گڑھے تھے۔ جب اس جگہ کو آپؐ نے ان یتیموں سے خرید لیا تو قبریں اکھڑوا کر ہڈیاں کسی دوسری جگہ دبا دی گئیں۔ درخت کاٹ دیئے گئے اور گڑھے ہموار کر دیئے گئے۔

مجھے ایسے محسوس ہونے لگا جیسے مسجد کی تعمیر میری نظروں کے سامنے ہو رہی ہو۔ تمام صحابہ کرامؓ بڑے جوش و خروش سے اس کی تعمیر میں حصہ لے رہے ہیں۔ یہ وہ مسجد ہے جس کے بنانے کے لئے حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنی چادر میں اینٹیں اٹھا کر لاتے تھے۔ وہ کون سی اینٹیں تھیں؟ میں بے صبری سے ہر طرف نگاہ دوڑا کر ان اینٹوں کو ڈھونڈنے کی کوشش کرنے لگی لیکن مسجد تو بہت بڑی ہے؟ جب یہ پہلی بار بنائی گئی تو اس وقت تو یہ مسجد اتنی بڑی نہیں ہوگی کیونکہ اس کی بنیادیں تو صرف تین ہاتھ تک پتھر کی تھیں۔ دیواریں کچی اینٹوں کی اور چھت برگ خرما کی قد آدم سے کچھ اونچی اور ستون کھجور کے تھے۔ میں ان

اینٹوں کو چومنا چاہتی تھی، اپنی آنکھوں کے ساتھ لگانا چاہتی تھی! یہ وہ اینٹیں ہیں جن کے بارے میں آپؐ نے فرمایا۔ ''اے ہمارے پروردگار! یہ اینٹیں خیبر کے تمر وزبیب سے زیادہ ثواب والی اور پاکیزہ ہیں۔''

مسجد الحرام کے بعد یہ مسجد افضل ترین ہے۔ یہاں ایک نماز کا ثواب ایک ہزار نمازوں کے برابر ہے جبکہ مسجد الحرام میں پڑھی جانے والی ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔ مسجد الحرام میں ہر طرف جلال ہی جلال تھا۔ ایک سنجیدہ ماحول اور ایک خوف سا طاری رہتا تھا۔ دیواروں اور پلرز پر صرف ''اللہ'' لکھا ہوا تھا اور خانہ خدا کے غلاف پر قرآنی آیات، پنکھے بہت تیز چلتے تھے اور روشنی کے لئے بلب استعمال کئے گئے تھے جس سے گرمی کا احساس ہوتا تھا۔ روشنی اتنی تیز تھی کہ دن اور رات کا فرق نہ رہتا تھا۔ دھوپ کی چمک اتنی تیز تھی کہ آنکھیں چندھیا جاتیں۔ سیڑھیاں اترتے احتیاط کرنی پڑتی کیونکہ روشنی کی وجہ سے فرش اور آخری سیڑھی کا فرق معلوم نہ ہوتا اور پھر خانہ کعبہ کا جاہ و جلال! اس کے برعکس مسجد نبویؐ میں روشنی کے لئے تمام ٹیوبیں ہی استعمال کی گئی ہیں جن سے ٹھنڈک کا احساس ہوتا ہے۔ مسجد میں دیواروں پر کلمہ طیبہ لکھا ہوا ہے۔ پرانی مسجد سرخ رنگ کی بنی ہوئی ہے۔ چھت پر گنبد ہیں جن پر مختلف رنگوں میں آیات لکھی ہوئی ہیں۔ برآمدوں میں سنہری اور سفید فانوس لٹک رہے ہیں۔ ان پر سنہری حروف میں لکھا کلمہ طیبہ بہت خوبصورت لگتا ہے اور اللہ کی وحدانیت کا احساس دلانے کے ساتھ ساتھ رسول عربیؐ کا اللہ سے تعلق بھی یاد کرواتا ہے!

روضہ رسولؐ کے احاطہ کے چاروں طرف سبز رنگ پر سنہری حروف میں آیات لکھی گئی ہیں۔ منبر مبارک پر نیلے، سرخ، سبز اور سنہری رنگ سے میناکاری عباسی سلطنت کی شان و شوکت، عمارت سازی میں ان کی مہارت اور ان کے ذوق و سلیقہ کی منہ بولتی تصویر ہے۔

منبر رسولؐ اور روضہ رسول کا درمیانی حصہ ریاض الجنتہ کہلاتا ہے۔ اس مقام کے بارے میں آپؐ نے فرمایا تھا ''جو جگہ میرے گھر اور منبر کے درمیان ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک ہے۔'' ریاض الجنتہ کے بارے میں روایت ہے کہ یہ جنت کا ٹکڑا ہے جو کہ روز قیامت اٹھا لیا جائے گا۔ اس حصہ میں سنگ مرمر کے ستون بنائے گئے ہیں جن کے نچلے حصہ میں سنہری خول چڑھے ہوئے ہیں۔ حضرت عائشہؓ کا ستون بھی ان ستونوں میں سے ایک ہے۔ شاید یہ ستون اسی جگہ پر واقع ہے جس کے بارے میں حضور پاکؐ نے فرمایا کہ

''میری مسجد میں ایک ایسی جگہ ہے کہ اگر اس کی اہمیت معلوم ہو جائے تو لوگ وہاں نماز پڑھنے کے لئے قرعہ نکالنے لگ جائیں۔'' کہتے ہیں کہ بعد میں حضرت عائشہؓ نے اس جگہ کی نشاندہی کی۔ اس لئے اس جگہ پر بنائے گئے ستون کو حضرت عائشہؓ کا ستون کہتے ہیں۔

ریاض الجنتہ میں حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا مصلیٰ مبارک بھی ہے جہاں آپؐ کھڑے ہو کر امامت فرمایا کرتے تھے۔ حضور اکرمؐ کے وصال کے بعد مصلیٰ رسولؐ کی تعظیم کو برقرار رکھنے کی غرض سے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے قدم مبارک کی جگہ چھوڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھنے کی باقی جگہ پر دیوار بنوا دی تھی تاکہ آپؐ کے سجدہ کی جگہ لوگوں کے قدموں سے محفوظ رہے۔ بعد میں ولید بن عبدالملک کے دور میں ولید کے حکم سے عمر بن عبدالعزیز نے جب مسجد نبویؐ کی توسیع کی تو اس جگہ محراب بنوادی۔ اب اگر کوئی شخص مصلیٰ رسولؐ کے سامنے کھڑے ہو کر نماز ادا کرے تو اس کا سجدہ حضور اقدسؐ کے قدموں کی جگہ پر پڑتا ہے۔ اس وقت جو مقدس محراب بنی ہوئی ہے وہ نو فٹ اونچے سنگ مرمر کے ایک ہی ٹکڑے کی ہے جس پر سونے کے پانی سے خوبصورت مینا کاری کی گئی ہے۔ دونوں جانب سرخ سنگ مرمر کے بے مثال ستون بنے ہوئے ہیں اور محراب کے اوپر سورۃ احزاب کی آیت نمبر 56 لکھی ہوئی ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

''ان اللّٰہ وملئکتہ یصلون علی النبی یا یھا الذین امنو صلوا علیہ وسلموا تسلیماً o''۔

''اللہ اور اس کے ملائکہ نبیؐ پر درود بھیجتے ہیں، اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔''

اس آیت کو پڑھتے ہی درود شریف کے الفاظ میرے ذہن میں گونجنے لگے۔ میں نے انجیل برناباس کے باب 39 کی آیات 14-13 اور 15 میں پڑھا تھا۔ ''پھر اللہ نے اپنی (طرف سے) انسان کو جان عطا کی اور اس وقت سب فرشتے یہ راگ گاتے تھے، بزرگ ہے تیرا پاک نام۔''

پس جبکہ آدم اپنے پیروں پر کھڑا ہوا تو اس نے آسمان میں ایک تحریر سورج کی طرح چمکتی دیکھی جس کی عبارت تھی۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ تب آدم نے اپنا منہ کھولا اور کہا۔ ''میں تیرا شکر کرتا ہوں اے میرے پروردگار اللہ کیونکہ تو نے مہربانی کی پس

مجھ کو پیدا کیا۔"

لیکن میں تیری منت کرتا ہوں کہ تو مجھے خبر دے کہ ان کلمات کے کیا معنی ہیں۔ محمد رسول اللہ

تب اللہ نے جواب دیا۔ "مرحبا ہے تجھ کو اے میرے بندے آدم اور میں تجھ سے کہتا ہوں کہ تو پہلا انسان ہے جس کو میں نے پیدا کیا اور یہ شخص جس کو تو نے دیکھا ہے تیرا ہی بیٹا ہے جو کہ اس وقت کے بہت سال بعد دنیا میں آئے گا اور وہ میرا ایسا رسول ہوگا کہ اس کے لئے میں نے سب چیزوں کو پیدا کیا ہے وہ رسول کہ جب آئے گا دنیا کو ایک روشنی بخشے گا۔

یہ وہ نبی ہے کہ اس کی روح آسمانی روشنی میں ساٹھ ہزار سال قبل اس کے رکھی گئی تھی کہ میں کسی چیز کو پیدا کروں۔"

کیا رتبہ ہے رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں کہ "میں نے ساری چیزوں کو اسؐ کے لئے پیدا کیا۔ اور آپؐ کا یہ حال ہے کہ نماز میں اپنے جد امجد حضرت ابراہیمؑ پر رشک فرماتے ہوئے اپنے اللہ سے دعا مانگتے ہیں۔

"اللّٰھم صلی علیٰ محمد و علیٰ ال محمد کما صلیت علیٰ ابراھیم و علیٰ ال ابراھیم انک حمید مجید ٥ اللّٰھم بارک علیٰ محمد و علیٰ ال محمد کما بارکت علیٰ ابراھیم و علیٰ ال ابراھیم انک حمید مجید ٥"

"اے اللہ تو سلامتی بھیج محمدؐ پر اور آل محمدؐ پر، جس طرح تو نے سلامتی بھیجی۔ ابراہیمؑ پر اور آل ابراہیمؑ پر، بے شک تو بے حد تعریف والا اور بزرگی والا ہے۔ اے اللہ تو برکت بھیج محمدؐ پر اور آل محمدؐ پر جس طرح تو نے برکت بھیجی۔ ابراہیمؑ پر اور آل ابراہیمؑ پر۔ بے شک تو بے حد تعریف والا اور بزرگی والا ہے۔"

مسجد نبویؐ کے قدیم حصہ کی پشت پر قبلہ کی سمت تین فٹ اونچی پیتل کی جالیوں کی دیوار بنی ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ محراب النبیؐ کے دائیں بائیں پیتل ہی کے دو دروازے بنے ہوئے ہیں۔ ان دروازوں اور جالیوں کے آگے کا حصہ حضرت عمر فاروقؓ کا اضافہ کردہ ہے۔ آج کل امام صاحب اس حصہ کے اگلی طرف امامت کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔

ریاض الجنۃ میں دو رکعت نماز تحیۃ المسجد پڑھتے ہوئے میرا سارا جسم کانپنے لگا اور دل میں خیال آیا۔

"کھتے مہر علی کتھے تیری ثناء
گستاخ انکھیں کیتھے جاں لڑیاں!"

ایک دم میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا شروع کر دیا۔ "اے اللہ میں گناہگار اس قابل کہاں تھیں لیکن تو نے اپنی خاص رحمت سے مجھے دنیاوی زندگی میں ہی جنت کے فرش پر سجدہ کرنے کا شرف بخشا!" ایک دم مجھے اپنے اردگرد کا ہوش نہ رہا۔ مجھے ہر طرف دھکے پڑ رہے تھے لیکن میں اپنے ایک کے بعد دوسرے بچے کے لئے دو دو نفل ادا کرتی جا رہی تھی۔

روضہ رسولؐ کے پاس کھڑے ہو کر جب میں دعا مانگنے لگی تو اپنی کوتاہیوں کا احساس شدت سے ہونے لگا لیکن سورۃ النساء کی آیت 64

"وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللّٰہ ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جآئوک فاستغفروا اللّٰہ واستغفر لھم الرسول لو جدوا اللّٰہ توا رحیماً o"

"اگر انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہوتا کہ جب یہ اپنے نفس پر ظلم کر بیٹھے تھے تو تمہارے پاس آ جاتے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے اور رسولؐ بھی ان کے لئے معافی کی درخواست کرتا تو یقیناً اللہ کو بخشنے والا اور رحم کرنے والا پاتے۔"

یاد آتے ہی میں زار و قطار رونے لگی اور کہنے لگی۔ "اے اللہ کے پیارے رسولؐ۔ میں بہت بری ہوں، گناہگار اور خطاکار ہوں، لیکن میں تیرے پاس آ گئی ہوں تو اللہ جو کہ غفور الرحیم ہے اس سے میری بخشش کی سفارش کر۔" دل ایسے بے قابو ہو گیا تھا کہ کسی صورت سنبھل نہیں رہا تھا۔ شرطہ ہاتھ ہلا ہلا کر دعا کرنے کی اجازت نہیں دے رہا تھا۔ میں قبر مبارک کے سبز اور سرخ رنگ کے غلاف کو دیکھتی جاتی اور روتی جاتی۔ تھوڑی سی ڈھارس بندھی تو میں پھر روضہ رسول کو دیکھنے لگی۔ یہ ایسے لمحات تھے کہ پھر زندگی میں نصیب ہوں کہ نہ ہوں۔ میں قبر مبارک کی تصویر اپنی آنکھوں میں بسا لینا چاہتی تھی۔ عورتیں بہت زیادہ تھیں اور ہر کوئی مزار شریف کے قریب پہنچنا چاہتی تھی لہٰذا دھکے بہت پڑ رہے تھے۔ اسی حالت میں، میں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے مزاروں پر بھی حاضری دی۔ یہ مزارات بھی اسی احاطہ میں واقع ہیں۔ اندر بہت اندھیرا تھا اور دیوار میں جالی لگی ہوئی تھی۔ چار دیواری کے باہر کوئی تین چار فٹ کے فاصلے پر لوہے کے سنگلوں سے ایک دیوار بنائی گئی تھی تاکہ کوئی عورت دیوار کے نزدیک نہ جانے پائے اور نگرانی کے لئے شرطے کھڑے

تھے۔ کہتے ہیں کہ اس احاطہ کے اندر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی قبروں کے علاوہ ایک قبر حضرت عیسیٰؑ کے لئے رکھی گئی ہے۔ اندھیرے پانی اور دوری کی وجہ سے اندر صحیح طرح سے دیکھا نہیں جا سکتا تھا۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ سعودی گورنمنٹ کا اگر کوئی اہلکار مل جائے تو اس سے کہوں کہ آپ نے مزار مبارک سے عورتوں کو دور رکھنے کے انتظامات تو بہت اچھے کر لئے ہیں تاکہ وہ ''بدعت'' نہ کریں لیکن اگر آپ مزار کے اندر روشنی کر دیں تو عورتیں دور سے ہی مزار کی زیارت کر لیں!

میں پھر مسجد کو دیکھنے لگی۔ سرخ مسجد کی دیواروں پر سنہری کنارے والی سرخ پلیٹوں پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لکھے صحابہ کرامؓ کے نام ان کی اہمیت و عظمت کا احساس دلا رہے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے مشکل وقت میں پیغمبر اسلام کا ساتھ دیا۔ کافروں کے ظلم برداشت کئے اور ''اللہ احد'' ہی کہا۔ حق و باطل کی جنگوں میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا اور اللہ کی راہ میں اپنے مال کی قربانی بھی پیش کی۔ کیا جذبہ عشق تھا! اور پھر دوسری طرف بھی تو دیکھیں تو اتنی ہی پذیرائی بخشی جاتی ہے۔ ان کے لاڈ سے "الصلوٰۃ خیر من النوم" کہنے پر الفاظ تاقیامت فجر کی اذان کا حصہ بن جاتے ہیں۔

جو رسولؐ خدا کے وصال کے بعد آپ کو اپنے منبر پر نہ پا کر اذان نہ دے سکے! محبوب رسولؐ کے محبوب صحابہؓ۔

معراج نظر

مولانا کوثر نیازی

مسجد نبویؐ نماز عشاء کے تھوڑی دیر بعد بند ہو جاتی ہے۔ آج رات سعودی ''پروٹوکال'' والے مسجد بند ہونے کے ڈیڑھ گھنٹہ بعد اسے بطور خاص چند غیر ملکی مہمانوں کے لئے کھولنے والے تھے۔ میں اراکین حج وفد اور ان کی رشتہ دار خواتین کے ہمراہ ''باب السلام'' میں حاضر ہوا۔ خیال تھا شاید ہم سب اندر جائیں گے مگر پروٹوکال افسر نے بتایا کہ صرف میں ہی اندر جاسکتا ہوں۔ میری ذاتی درخواست پر وہ چار پانچ اور افراد کو بھی اندر لے جانے پر آمادہ ہوگیا، باہمی مشورے سے طے پایا کہ میرے ساتھ مردوں کی بجائے خواتین اندر جائیں۔ مردوں نے تو پھر کسی نہ کسی طرح ریاض الجنتہ میں نوافل ادا کر لئے تھے، مبارک جالیوں کے باہر کھڑے ہو کر سلام عرض کرلیا تھا مگر دربان خواتین کو تو ان مقامات کے قریب بھی نہیں پھٹکنے دیتے۔ مسجد نبویؐ میں اس لمحے نور کی بارش ہو رہی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے فرشتوں نے ہمارے سروں پر امن وسکون کی چادر سی تان دی ہے۔ ہم نے ایک ایک مقام پر خاص طور پر نفل پڑھے، دعائیں مانگیں۔ نور بھری جالیوں کے جھروکوں سے جمال نبویؐ چھن چھن کر باہر آرہا تھا۔ ساتھی کہتے تھے کسی طرح قبر مبارک کھلوا کر اندر حاضری دو۔ میں انہیں کیسے سمجھاؤں خانہ کعبہ کی اور بات ہے وہاں ان دیکھے خدا کا دربار ہے مگر یہ اس قرآن مجسم کی بارگاہ اقدس ہے جو پیکر انسانی میں نزول فرمائے کائنات ہوئے تھے۔ بشریت اس کے رشتے سے وہ کیفیات یہاں با آسانی موجزن ہوتی ہیں جو شرم وندامت اور احساس روسیاہی سے عبارت ہیں۔ غالب نے کہا تھا۔

کعبے کس منہ سے جاؤ گے غالب

اور اقبالؒ اس مقام کے بارے میں کہتا ہے۔

کعبہ را بیت الحرم کا شانہ اش

حضرت مولانا احمد رضا خان بریلویؒ کے الفاظ میں'' کعبے کے اس کعبے میں'' کس منہ

سے حاضری دوں، اس جمال جہاں آراء کو جالیوں کی حدود سے گزر کر بے نقاب دیکھنے کی ہمت کہاں سے لاؤں۔ ابھی تک تو انہی جذبات کا غلبہ ہے، سال آئندہ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے اگلی بار وہ خود ہی اندر بلا بھیجیں، تب تاب نظارہ بھی انہی کی عطا ہوگی۔ ابھی تو میرے لئے جالیوں کی زیارت اور گنبد خضراء کا دیدار ہی بہت ہے۔

میں گنبد خضراء کی طرف دیکھ رہا ہوں
کوثر میرے نزدیک یہ معراج نظر ہے

باخدا دیوانہ باش وبا محمد ﷺ ہوشیار

بریگیڈیئر گلزار احمد

سامان شارع جدید والے مکان کے ''شفہ'' میں رکھنے کے بعد حرم شریف کے قریب پہنچے تو کہنے لگے ''باب جبرئیل سے داخلہ افضل ہے'' ضرور ہوگا۔ مسجد نبویؐ میں داخل ہونے کے لئے باب جبرئیل سے بہتر دروازہ کون سا ہوسکتا ہے۔ حجرہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دیگر امہات المومنینؓ کے حجروں میں پیغام کی امانت پہنچانے کے لئے جبرئیل امین کا بھی یہی راستہ ہوتا ہوگا۔ اسی راستے اللہ کا آخری پیغام نبیؐ آخرالزماں سید المرسلین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچا کرتا ہوگا۔ قیام گاہ خیرالبشر اور مقر قیادت شہنشاہ دوراںؐ میں پیغام لانے کے لئے اور حاضری دینے کے لئے اس سے بہتر راستہ کوئی نہیں ہوسکتا۔ اپنے رہنما سے مزید سوال پوچھنے کا مقام نہ تھا۔ اضطراب اور اضطرار اور سکون وطمانیت کا ملا جلا احساس قلب وذہن پر چھایا ہوا تھا۔ مدتوں کی آرزو، آج محرم ۱۴۱۳ھ کو پوری ہو رہی تھی۔ رہنما جس راستہ سے لے جاتا میرے لئے وہی باعث سعادت تھا۔

باب جبرئیل حجرہ عائشہ صدیقہؓ سے قریب ترین دروازہ ہے۔ جہاں اس وقت حجرہ اقدس کا گلی کی جانب والا دروازہ تھا، وہاں اب ایک کھڑکی ہے۔ یہی جبرئیل امین کے آنے کا راستہ ہوا کرتا تھا اور اوائل میں باب جبرئیل عین اس جگہ تھا۔ اب جگہ سے ہٹا کر دروازہ چند گز شمال کی جانب کر دیا گیا ہے۔ جبرائیل کی پرواز اس جگہ پہنچ کر رک جایا کرتی تھی۔ مسافر جب اس دروازہ پر پہنچتا ہے تو وہ بھی اس دروازہ کے سامنے آکر رک جاتا ہے۔ اس کا سفر اختتام کو پہنچ چکا ہوتا ہے۔ وہ نہایت عجز وانکسار کے ساتھ ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کہہ کر اور پھر درود پڑھتے ہوئے اس دروازے سے شہنشاہ دو عالمؐ کے دربار میں داخل ہوتا ہے۔

اندر ہجوم ہوتا ہے۔ سینکڑوں ہزاروں مسافروں کے منہ سے والی زبان سے نکلے ہوئے درود وسلام کے الفاظ کی آواز ایک عجیب سی قلبی کیفیت پیدا کرتی ہے۔ ہجوم کے باوجود بار

مصطفویؐ کے سامنے پہنچنے کا کوئی راستہ ازخود بنتا جاتا ہے۔ یہ دربار رحمت للعلمین ہے۔ یہاں کوئی کسی سے تعرض نہیں کرتا، کوئی کسی پر خفگی کا اظہار نہیں کرتا۔ یہاں مہر و محبت کے دریا بہتے ہیں، یہاں جلال کی جگہ حسن و جمال ہے، یہاں ہر مسافر کو شرف قبولیت بخشا جاتا ہے۔ اس لئے کوئی کسی پر سبقت لے جانے کی کوشش نہیں کرتا اور یہاں یہ دستور ہے کہ

''باخدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار''

اس لئے یہاں ہر ایک کے لئے ازخود راستہ بنتا جاتا ہے۔

بائیں کو گھوم کر حجرہ فاطمۃ الزہراؓ سے گزر کر حجرہ عائشہ صدیقہؓ کے جنوب مشرقی کونے سے گھوم کر دائیں کو مڑتے ہیں۔ مسافر کو محسوس ہوتا ہے کہ پورا عالم اسلام نہایت نظم و ضبط کے ساتھ سلام پیش کر رہا ہے۔ اس کے باوجود مواجہ مبارک کے سامنے جگہ مل ہی جاتی ہے۔ وہ خاموشی سے ساکت و صلاۃ اسلام کے پہلے سپہ سالار اعظمؐ کے سامنے ایستادہ ہو جاتا ہے۔ غیر شعوری طور پر اس مسافر کے دونوں پاؤں ''خبردار'' حالت میں مل جاتے ہیں اور اس کا بدن یوں تن جاتا ہے جیسے رِل کے لئے تیار ہو رہا ہو۔ جب ایک ثانیہ کے بعد اس کا ذہن بیدار ہوتا ہے تو معاً اسے خیال پیدا ہوا کہ میں نے یہ کیا کیا۔ یہاں تو دست بستہ حاضری دی جاتی ہے مگر ذہن کے ایک خوابیدہ کنارے سے اشارہ ہوا کہ یہ بات نہیں۔ تمہارے تحت الشعور نے غلطی نہیں کی۔ تم نے سپاہ اسلامیہ کے اولین سپاہ سالار اور قائد کے حضور اپنا نذرانہ عقیدت عین سپاہیانہ انداز میں پیش کیا۔ حضور نبی آخر الزمانؐ تھے اور نسل انسانی کی جانب اللہ العالمین کے آخری پیغام رساں تھے، مگر ساتھ ہی ملت اسلامیہ کی پہلی ریاست کے سربراہ اور اسلام کی پہلی فوج کے سپہ سالار اعظم بھی تو تھے۔ اس خیال نے نہ معلوم ذہن کے کون کون سے دریچے وا کر دیئے اور مسافر کی آنکھوں کے سامنے سے بدر و احد اور خندق و حنین کے محیر العقول واقعات گزرنا شروع ہوئے۔

خیال کہاں سے کہاں جا پہنچا۔ یہاں ملت اسلامیہ کے اولین سپہ سالار کے اولین سالوں کی صبر آزما لڑائیوں اور مہموں کے منصوبے تیار ہوا کرتے تھے۔ یہاں دفاع ملک و ملت کے دفاعی اور معاشرتی امور پر غور ہوا کرتا تھا اور تجاویز زیر غور آیا کرتی تھیں۔ یہاں پر سالہا سال تک مادی قوتوں پر روحانی برتری کا ثبوت پیش کیا جاتا رہا۔ اسی مقام سے خوف خدا اور خالق ارض و سما پر توکل کرنے کے معنے بتائے جاتے تھے، جس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ

ملت کے ہر فرد کے قلب و ذہن سے ماسوا اللہ کا خوف مٹ گیا تھا۔ یہ بہر معنی دربار شہنشاہی بھی تھا اور بیک وقت مقر قیادت اسلام بھی تھا۔

مگر یہ کیا ہوا۔ یہاں تو اب عالم بالا کے مدارج کے حصول کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ یہاں ملت کے موجودہ مسائل پر کوئی غور وفکر نہیں کرتا۔ جس مقام سے خیر الوراء مسائل کی دوا کا اہتمام فرماتے تھے، وہاں سے صرف اسلام کی مدد کی دعا کی جاتی ہے۔ ''اس'' مقام کو تجویز دوا کے لئے صدیوں سے استعمال نہیں کیا گیا۔ ملت اسلامیہ کے مسائل کو حل کرنے کے لئے صدیوں سے لاتعداد دوسرے مقامات چن لئے گئے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ملت کی صد پارگی کی بخیہ کاری ناممکن بن گئی ہے اور ملت اپنے خالق کے احکام کی پابندی کے قابل نہیں رہ گئی۔ جب سے امور دنیا کو یہاں سے خارج کر دیا گیا ہے اسی وقت سے امور دنیوی کو حل کرتے وقت خوف خدا مٹ گیا ہے اور مسلمان اپنے مقصد حیات کو بھول گیا ہے اور شاید اسی لئے مسلمانوں کے امور دنیوی میں اب خیر و برکت کا فقدان پیدا ہو گیا ہے۔

یثرب پہنچ کر شہنشاہ دو جہاںؐ نے جو پہلا کام ہاتھ میں لیا تھا وہ اپنے صدر مقام مسجد نبویؐ کی تعمیر تھی۔ مسلمانوں نے یہی نکتہ فراموش کر دیا۔ یہی وہ مقام ہے جو شہنشاہ معظمؐ کا دربار کہلاتا تھا۔ اس دربار میں صرف ایک سال کے اندر اسی سے زائد مقامات کے وفود نے اپنی خودمختاری کو شاہ مدینہؐ کے قدموں میں پیش کیا تھا اور اپنی چھوٹی چھوٹی مملکتوں کی خودمختاری سے سبکدوش ہونے کے صلہ میں آزاد خودمختار مملکت اسلامیہ کی وسیع و عریض ریاست کے کاروبار میں شامل کر لئے گئے تھے۔ وہ حاضر تو اس لئے ہوئے تھے کہ ان کے پاس جو کچھ تھا وہ اس عہد کے سب سے بڑے اور کامیاب ترین فاتح کے قدموں میں نچھاور کریں مگر انہیں یہاں سے وہ کچھ ملا جو ان کے تصور سے بھی بالاتر تھا۔ انہوں نے جب اس دربار سے رخصت ہو کر دنیا کی وسعتوں پر نظر ڈالی تو کرۂ ارض کی وسعت انہیں سمٹتی ہوئی محسوس ہوئی اور وہ اس کی تسخیر پر کمر بستہ ہو گئے۔

یہ مسافر...... ہاں یہ گناہگار اور پر خطا و عصیان آشنا مسافر، اسے یہ سعادت نصیب ہو رہی تھی کہ وہ اس خاک نشین شہنشاہؐ کے دربار میں حاضری کے قابل سمجھا گیا تھا جس کے دربار میں بار بہ جوا اں آنے کی سعادت حاصل کرنے کے لئے اس شہنشاہ کے سینکڑوں مسند نشین غلام اپنے عز و جاہ کو قربان کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ خیال کی کڑیاں کہاں سے

کہاں جا پہنچیں اور یہ مسافر مواجہ مبارک کے عین سامنے آن پہنچا اس لئے کہ پاس سے رہنما کا اشارہ ہوا۔

''سلام پڑھئے''۔

مسافر چونک پڑا۔

مسافر کو اپنی بے بضاعتی کا احساس شاید اس سے قبل کبھی نہیں ہوا تھا۔ اس نے سوچا میں اور اس دربار شہنشاہی میں سلام پیش کروں۔ کیا میں اس قابل ہوں کہ مواجہ مبارک کی جانب سے نظر اٹھا کر دیکھوں اور ''السلام علیکم یا رسول اللہ'' کہہ سکوں۔ اپنی پر عصیاں زندگی کا لامتناہی سلسلہ تحت الشعور سے جھانک کر ندامت کے آنسوؤں کا سیلاب برپا کر رہا تھا اور زبان گنگ ہو چکی تھی۔ غیر معمولی کوشش و ہمت سے کام لیا اور بمشکل یہ الفاظ کہہ ہی لئے۔

''السلام علیکم یا رسول اللہ''

اور ہچکی بندھ گئی۔ ذہن نے جواب دے دیا اور وہ کچھ نہ سوچ سکا۔ کچھ یاد ہی نہ آ رہا تھا کہ کس طرح سے سلام پیش کروں۔ لاشعوری طور پر اپنے حافظے کو کوسنے کا خیال آیا اور چلا گیا۔ کتنے ہی ''سلام'' تھے جو سنے اور پڑھے تھے۔ اے کاش حفیظ کا سلام یا اس کے چند بند یاد کر لئے ہوتے۔ آج کچھ بھی تو یاد نہ تھا۔ پھر ذہن کی سطح پر یہ خیال ابھرا کہ اگر حفیظ کا کیا ہوا ''سلام'' یاد ہوتا یا ماہر القادری کے ''سلام'' کے کچھ اشعار یاد ہوتے تو اس سے کام نہ بنتا۔ دوسروں کے لکھے ہوئے ''سلام'' پڑھنے سے اپنے دل کی کیفیت کا اظہار نہیں ہوا کرتا ''

مدینہ ہم نے دیکھا ہے مگر نادیدہ نادیدہ

قدرت اللہ شہاب

بس ایک کشادہ سا روڑے دار راستہ تھا جو کہیں سے کچا تھا، کہیں سے سنگلاخ تھا، کہیں اونچا تھا، کہیں نیچا تھا اور بسیں اور ٹرک اور موٹر گاڑیاں اس پر ہچکولے کھاتی کشاں کشاں چلتی رہتی تھیں۔ شدید گرمی کی وجہ سے دن کے بیشتر حصے میں ٹریفک بند رہتا تھا اور ساری رات اس پر گاڑیوں کی گہما گہمی رہتی تھی۔ ہمارا قافلہ بھی رات بھر چلتا رہا اور صبح دس بجے کے قریب مدینہ منورہ سے چار پانچ میل اس طرف رک گیا۔ یہاں پر ایک کنواں تھا جس پر رہٹ چل رہا تھا۔ قافلے والوں نے یہاں اتر کر غسل کیا اور نئے کپڑے پہنے۔ کچھ عقیدت مند بسوں پر دوبارہ سوار ہونے کے بجائے یہاں سے احتراماً پیدل چلنے لگے۔ میں بھی ان کے پیچھے پیچھے پیدل روانہ ہو گیا۔ تھوڑی دور چل کر خیال آیا کہ دیارِ حبیبؐ میں جوتے پہن کر داخل ہونا بھی ایک طرح کی بے ادبی ہے۔ میں نے فوراً اپنے چپل کھول کر ہاتھ میں اٹھا لئے اور برہنہ پا چلنے لگا۔ دھوپ میں تپتے ہوئے سنگریزوں پر پاؤں پڑتے ہی میرے تلووں میں آگ کے شعلے سے لپکے اور حرارت کی لہریں بجلی کے کرنٹ کی طرح میرے جسم میں پھیل کر دماغ سے ٹکرانے لگیں۔ میں نے ادھر ادھر دیکھ کر چپکے سے اپنے چپل دوبارہ پہن لئے۔ اپنے جذبہ احترام کے اس بودے پن پر مجھے اس قدر جھنجھلاہٹ اور ندامت محسوس ہوئی کہ میں نے اپنے چپل پھر کھولے اور انہیں اٹھا کر سڑک سے دور جھاڑیوں میں پھینک دیا۔ اب ننگے پاؤں چلنا ایک امر مجبوری تھا لیکن میری خود فریبی اس مجبوری کو احترام کا نام ہی دیتی رہی۔

گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ چلنے کے بعد ایک موڑ آیا جس کی گولائی پر چند گاڑیاں رکی ہوئی تھیں اور بہت سے لوگ سڑک پر کھڑے والہانہ انداز میں درود وسلام پڑھ رہے تھے۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ ان حضرات کو اپنا گوہر مقصود نظر آ گیا ہے۔ میری عمر اس وقت بتیس تینتیس برس تھی۔ اس طویل عرصے میں میری آنکھوں نے زندگی کی کثافت اور رذالت اور رکاکت

اور خباثت کے علاوہ اور کچھ بہت کم دیکھا تھا۔ اب جی چاہتا تھا کہ گنبد خضرا پر نگاہ ڈالنے سے پہلے ان گناہگار آنکھوں کو کسی قدر صاف کرلوں۔ اس مقصد کے لئے شاہراہ مدینے کی خاک سے بہتر اور کیا چیز ہوسکتی تھی؟ میں نے اضطراراً چلتی ہوئی سڑک سے خاک کی ایک چٹکی اٹھائی اور اسے اپنی آنکھوں کا سرمہ بنالیا۔

مسجد نبویؐ تک پہنچتے پہنچتے میری آنکھیں سرخ ہوکر سوج گئیں اور راستہ نظر آنا مشکل ہو گیا۔ قدم قدم پر راہگیروں سے ٹکر لگتی تھی۔ مجھے اندھا سمجھ کر ایک بھلے آدمی نے میری رہنمائی کی اور مجھے باب جبرئیل تک پہنچادیا۔

باب جبرئیل پر عاشقان رسول کا ہجوم تھا۔ اندر جانے والوں اور باہر آنے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ ایک نورانی صورت بزرگ چٹائی پر بیٹھے لوگوں کے جوتے سنبھالنے میں مصروف تھے۔ میری آنکھوں میں اب تک دھندسی چھائی ہوئی تھی اور بھیڑ کے ریلے میں پھنس کر مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ میں آگے بڑھ رہا ہوں یا پیچھے جارہا ہوں۔ ایک مقام پر میں چند لوگوں سے ٹکرا کر بری طرح لڑکھڑایا اور جوتوں کے ڈھیر پر اوندھے منہ گر پڑا۔ جوتوں کی رکھوالی کرنے والے صاحب نے سہارا دے کر مجھے اٹھایا اور اپنے پاس چٹائی پر بٹھالیا۔ وہ ٹوٹی پھوٹی اردو بول لیتے تھے۔ میری آنکھیں سوجی ہوئی اور سانس پھولی ہوئی تھی۔ اپنی صراحی سے پانی کا گلاس پلا کر انہوں نے ازراہِ ہمدردی دریافت کیا کہ میری آنکھوں کو کیا مرض لاحق ہے۔ میں نے شاہراہ مدینہ کی خاک کی چٹکی والا واقعہ بے کم و کاست بیان کر دیا۔ اسے سن کر وہ بے اختیار رو پڑے اور مجھے وہیں بیٹھے رہنے کی ہدایت کی۔ عصر کی نماز سے پہلے وہ میرا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گئے اور جالی مبارک کے سامنے کھڑے ہوکر بڑے سوز و گداز سے درود و سلام پڑھایا۔ نماز کے بعد وہ مجھے پھر اپنے پاس باہر چٹائی پر لے آئے۔

یہ صاحب مشرق اور مغرب میں بہت سے ملکوں کی سیاحی کر چکے تھے۔ عربی تو ان کی مادری زبان تھی۔ اس کے علاوہ ترکی، فارسی اور انگریزی خوب جانتے تھے۔ کسی قدر فرانسیسی زبان سے بھی آشنا تھے۔ اٹھارہ انیس برس سے روضہ رسولؐ اور مسجد نبویؐ کی صفائی کے انتظامات کے ساتھ وابستہ تھے۔ حج کے زمانے میں جب زائرین کا رش بڑھ جاتا تھا تو یہ رضاکارانہ طور پر باب جبرئیل کے باہر جوتے سنبھالنے کے کام میں بھی ہاتھ بٹایا

کرتے تھے۔ انہوں نے میرا پاسپورٹ دیکھا اور ہنس کر بولے: "تم تو پڑھے لکھے آدمی ہو۔ میری اردو بڑی کمزور ہے۔ آؤ انگریزی میں گفتگو کریں۔"

جب انہیں معلوم ہوا کہ میرے رہنے کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے، تو مغرب کے بعد وہ مجھے اپنے گھر لے گئے جو مسجد نبویؐ کے بالکل قریب تھا۔ انہوں نے مجھے اپنے ساتھ کھانا کھلایا۔ اپنے کپڑوں کا ایک صاف جوڑا عنایت کیا۔ بازار سے نئے چپل لا کر دیئے اور ایک ڈاکٹر کی دکان پر جا کر میری آنکھوں میں دلوا ڈلوائی۔ ساتھ ہی انہوں نے فرمایا کہ میں رات بھی ان کے ہاں گزاروں۔ میں نے التماس کی کہ اگر وہ مجھے باب جبریل کے باہر اپنی چٹائی پر شب بسری کی اجازت دے دیں تو مجھ پر بڑا احسان ہوگا۔ اس پر وہ کچھ سوچ میں پڑ گئے اور پھر بولے: "اس کی اجازت تو نہیں، خیر عشاء کے بعد دیکھا جائے گا۔"

عشاء کے بعد جب مسجد نبویؐ کے دروازے بند ہو گئے تو وہ اندر ہی رہے۔ ڈیڑھ دو گھنٹے کے بعد اپنے سرکاری فرائض سے فارغ ہو کر باہر آئے اور مجھے ایک کاغذ دیا جس پر عربی میں کچھ لکھا ہوا تھا اور نیچے مہر لگی ہوئی تھی۔ فرمایا: "تم اس چٹائی پر رات گزار سکتے ہو، اگر کوئی اعتراض کرے تو یہ اجازت نامہ دکھا دینا۔"

تہجد کی اذان ہونے تک کئی سپاہیوں نے کئی بار آ کر مجھے ٹوکا، لیکن اجازت نامہ دیکھ کر وہ خاموش ہو جاتے تھے۔

ایک روز تو جوتے رکھنے والے صاحب نے اپنی کرم فرمائی کی انتہا کر دی۔ عشاء کے بعد جب مسجد نبویؐ کے دروازے بند ہونے لگے تو انہوں نے مجھے باہر نکالا اور تہجد کی اذان تک اپنے ساتھ اندر ہی رہنے دیا اور تھوڑی دیر کے لئے جالی مبارک کے اندر اس عرش بریں جیسی مقدس زمین پر مجھے اپنی پلکوں سے جاروب کشی کی اجازت بھی عطا فرمائی۔

اگلے روز انہوں نے مجھے مدینہ منورہ سے رخصت کر دیا۔ میں نے بہت عذر کیا کہ میرا یہاں سے ہلنے کو جی نہیں چاہتا لیکن وہ نہ مانے۔ فرمانے لگے: "پانی کا برتن بہت دیر تک آگ پر پڑا رہے تو پانی ابل ابل کر ختم ہو جاتا ہے اور برتن خالی رہ جاتا ہے۔ دنیاداروں کا ذوق وشوق وقتی ابال ہوتا ہے۔ کچھ لوگ یہاں رہ کر بعد میں پریشان ہوتے ہیں۔ ان کا جسم تو مدینے میں ہوتا ہے، لیکن دل اپنے وطن کی طرف لگا رہتا ہے۔ اس سے بہتر ہے کہ انسان رہے تو اپنے وطن میں لیکن دل مدینے میں لگا رہے۔"

وہ مجھے بسوں کے اڈے تک چھوڑ آئے اور جدہ جانے والی ایک بس میں مجھے ڈرائیور کے ساتھ والی اگلی سیٹ دلوادی۔ نصف راستہ طے کرنے کے بعد ہم نے ایک جگہ دیکھا کہ ایک سیاہ فام افریقی نوجوان ننگے سر دھوپ میں پیدل چلا آرہا ہے۔ اس کے ساتھ اس کی بیوی تھی۔ بیوی کی گود میں ایک ننھا سا بچہ تھا۔ اس شدید دھوپ میں بھی یہ جوڑا بڑے اطمینان سے پاپیادہ مدینہ شریف کی طرف جارہا تھا۔ ڈرائیور رحمدل آدمی تھا۔ بس روک کر اس نے ان مسافروں کو اپنی صراحی سے پانی پلایا۔ پانی دیتے ہوئے ڈرائیور نے بتایا کہ یہ پانی مدینے سے آیا ہے۔ یہ سنتے ہی ان کے چہرے خوشی سے جگمگا اٹھے۔ انہوں نے ایک گھونٹ اپنے بچے کے منہ میں بھی ٹپکایا۔ پانی کے کچھ قطرے زمین پر گر گئے تھے۔ میاں بیوی نے جھک کر بھیگی ہوئی ریت اٹھائی اور منہ میں ڈال لی۔

ہر ذرہ یہاں عزت تقدس حرم ہے

حافظ لعل محمد قادری

گنبد خضریٰ پر نظر پڑتے ہی جنت کی معطر ہوائیں جسم و روح میں رس گھولنے لگیں۔ وہ سبز گنبد جس کو دیکھنے کے لئے زندگی کا طویل عرصہ نشاط انگیز کرب کی حالت میں گزارا آج نگاہوں کے سامنے تھا۔

ایک عجیب عالم بے خودی میں چلتے چلتے آخر باب السلام کے راستے مسجد نبوی میں داخل ہوئے اور نماز تہجد کی ادائیگی کے بعد روضہء رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچے۔ یہاں آکر مواجہ شریف کے اوپر قرآن حکیم کی یہ آیات کندہ نظر آئیں کہ ''اے ایمان والو! اپنی آوازیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند نہ کرو اور اتنی اونچی آواز میں نہ بولو جس طرح تم آپس میں ہمکلام ہوتے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارے سب اعمال غارت ہو جائیں اور تمہیں اس کی کانوں کان خبر نہ ہو۔'' تو دل کانپ اٹھا۔ انتہائی عاجزی اور گناہوں کی شرمندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبے ہوئے دل کے ساتھ اس بارگاہ اقدس کے سامنے حاضری کی لازوال سعادت سے فیض یاب ہوئے تو آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی اور دل تشکر الٰہی میں ڈوب ڈوب گیا جس نے اپنی رحمت سے ہم عاصیوں کو اس انعام عظیم کا مستحق گردانا۔ دل میں کیا کیا حسرتیں پنہاں تھیں کہ بارگاہ جمال صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اپنے لئے اور اعزاء، اقربا و احباب کے لئے دنیا بھر کی دعائیں مانگوں گا۔ یہاں پہنچے تو زبان ہی گنگ ہوگئی اور تمام معاملہ دل اور آنکھوں کے راستے طے پانے لگا۔ بادشاہ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور سلام شوق پیش کرنے سے پہلے خوب جی بھر کر رویا۔ حافظ مظہر الدین رحمتہ اللہ علیہ کا شعر یاد آیا ۔

بے وضو عشق کے مذہب میں عبادت ہے حرام
خوب رو لیتا ہوں خواجہؐ کی ثنا سے پہلے

اپنے شکستہ و ریختہ انداز میں نذرانہ عقیدت بحضور شاہ امم صلی اللہ علیہ وسلم پیش کرنے

کے بعد دعاؤں کی باری آئی تو دعا کے لئے ہاتھ اٹھتے ہی دل بے ساختہ پکار اٹھا

کوئی دعا ہی نہیں میری اس دعا کے سوا
کہ جو دعا بھی مانگوں قبول ہوجائے

اس کے بعد جس طرح بھی بن پڑا، اپنے اور تمام مسلمانانِ عالم کے لئے (جو میری ہی طرح عشقِ رسولؐ ہاشمی کو اپنی متاعِ بے بہا سمجھتے ہیں) ہر قسم کی دعائیں مانگیں اور اسی کیفیت میں فجر کی اذان گونجی اور پھر سب کے سر رب العزت کے حضور جھک گئے۔ روضہء رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی حاضری کے دوران دل پر جو احساسات وارد ہوئے۔ اس کا اندازہ بہت پہلے جناب عاصی کرنالی کی ایک وجد آور نعت میں کر چکا تھا۔ یقیناً آج میری بھی وہی دلی کیفیات تھیں جس کا نقشہ اس عاشقِ رسولؐ نے اپنی اس نعت میں کھینچ کر اپنے آپ کو سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا مستحق ٹھہرالیا ہے۔ ان کے بے پناہ شکریہ کے ساتھ ان کی یہ مکمل نعت اس "سفرِ شوق" کا حصہ بنا رہا ہوں جو لاریب عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دلوں کی دنیا منور کر دے گی۔

نعت شریف

ان کے روضے کی پہلی جھلک دیکھ کر سارے آلام کا رخ بدلنے لگا
آہ رکنے لگی، اشک تھمنے لگے، جی بہلنے لگا، دل سنبھلنے لگا
غم بکھرنے لگے ہم نکھرنے لگے نقش ابھرنے لگے شعر اترنے لگے
طبع کھلنے لگی فکر اڑنے لگی نعت ہونے لگی ذہن چلنے لگا
صبح طیبہ تو پھر صبح طیبہ ہوئی شب کا عالم یہاں آ کے دیکھے کوئی
اس قدر دلکشی اس قدر روشنی جیسے راتوں کو سورج نکلنے لگا
ہم گناہگار تھے ہم سیہ کار تھے اس نے دیکھا تو ہم موجِ انوار تھے
پردۂ جاں سے کرنیں گزرنے لگیں دل کے اندر کا منظر بدلنے لگا
کثرتِ نور سے آنکھ معمور ہے ذہن شاداب ہے روح سیراب ہے
عمر بھر کی تمنائیں پوری ہوئیں زندگی بھر کا ارماں نکلنے لگا
عشقِ بے تاب کی لہر تھمی میں نہ تھا جذبہء شوق کی برق تھمی میں نہ تھا
روح جیسے فضاؤں میں بہنے لگی جسم جیسے ستاروں میں ڈھلنے لگا

کیوں نہ اس شہر میں مجھ کو موت آ گئی میں یہ آواز سننے کو زندہ رہا
ساتھیو جلد رخت سفر باندھ لو قافلہ شہر طیبہ سے چلنے لگا
واپسی ان کی بستی سے آسان نہیں آہ عاصی یہ لمحات حشر آفریں
پاؤں اٹھتے ہی حالت بدلنے لگی جان نکلنے لگی دل مچلنے لگا

اج سک متراں دی ودھیری اے

پروفیسر محمد اکرم مدنی

وہ مبارک سوموار کا دن تھا جب میں اپنے آقا و مولیٰ اشرف الانبیاء و المرسلین اکرم الاولین والآخرین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہوا۔ میں جس وقت باب عبدالمجید سے گزر کر مسجد نبوی میں پہنچا تو نماز ظہر کی جماعت کھڑی تھی۔ میں جماعت میں شامل ہوا۔ نماز سے فارغ ہو کر جب میں مسجد نبوی کے سرخ حصے کی طرف رواں ہوا، تو میری آنکھیں اشکبار تھیں اور دل اللہ تعالیٰ کے شکر سے لبریز تھا کہ اس نے ایام شباب میں ہی اس خواب کو حقیقت بنا دیا جو مستقبل قریب میں شرمندۂ تعبیر ہونے والا نہ تھا۔

میری پہلی حاضری تھی اور میرے ساتھ کوئی گائیڈ نہ تھا سوائے حب رسول اور ادب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جو ہر مشکل گھڑی میں بہترین رہنما ثابت ہوتے ہیں۔ ریاض الجنۃ سے ہوتا ہوا ایک چھوٹے سے سنہری دروازے سے گزر کر جب بائیں مڑا تو لوگوں کا کافی ہجوم میرے ساتھ ساتھ تھا۔ اشتیاق بڑھتا جا رہا تھا۔ سانس دبتا جا رہا تھا اور ادب کا غلبہ ہوتا جا رہا تھا۔ ایک گناہوں سے لتھڑا ہوا احقر انسان محبوب رب کائنات سراپا عفت و عظمت کو سلام عرض کرنے کے لئے جا رہا تھا جس پر مالک الملک اور رب العالمین خود ہر وقت اور ہر لمحہ درود پڑھتے رہتے ہیں جس کے قدموں پر سید الملائکہ جبریل امین بوسہ زن رہتے تھے جس کے روضہ اطہر پر ستر ہزار ملائکہ ادب کے پر بچھا کر صلوٰۃ و سلام کے نغمے الاپتے ہیں۔ کون ہے جو یہاں پہنچ کر صبر کر سکے۔ کون ہے جو اس وقت اپنی آنکھوں میں آنسو بہانے سے روک سکے۔ کون ہے جو اس وقت اپنے آپ کو سنبھال سکے۔ میں تو وہاں پہنچ کر حیران تھا کہ کس طرح لوگ یہاں جالیوں کو ہاتھ لگا لیتے ہیں اور کیسے یہاں بوسے دے لیتے ہیں۔ کس طرح انہیں یہ حوصلہ پڑتا ہے۔ کم از کم میرے جسم میں تو ہمت نہ تھی۔ مواجہ شریف کے سامنے ایک ستون پر شعر لکھا ہوا تھا جو میرے جذبات کی صحیح ترجمانی کر رہا تھا۔

نفسی فداء بقبر انت ساکنه
فیه العفاف والجود والکرم

ترجمہ: میری جان فدا ہے اس قبر مبارک پر جس میں آپ تشریف فرما ہیں۔ اس میں پاکدامنی، درگزر، سخاوت اور کرم مدفون ہے۔

مواجہ شریف کے سامنے سے گزر کر باب البقیع سے ہوتا ہوا مسجد نبوی سے باہر گیا لیکن کشش نے دور نہیں جانے دیا۔ پھر باب جبریل سے داخل ہو کر دوبارہ مواجہ شریف کے سامنے حاضر ہوا اور تھوڑی دیر توقف کیا اور دعا مانگی۔ اس وقت بھی میری آنکھیں اشکبار تھیں۔ میں تصور میں اپنے آقا کے قدموں میں بیٹھا ہوا دعائیں مانگ رہا تھا کہ روضہ اطہر کے ساتھ پشت لگا کر کھڑا ہونے والا ایک شرطہ آیا اور اس نے میرے ہاتھ نیچے کر دیئے۔ جذبات کو جو ٹھیس اس وقت پہنچی اس کا کبھی مداوا نہ ہوگا اور میں نے یہ بھی دیکھا کہ کئی لوگوں کو شرطے مواجہ شریف کے سامنے قبلہ رُو کر دیتے اور ان کی پشتیں روضہ پاک کی طرف ہو جاتیں حالانکہ سلف صالحین ہمیشہ مواجہ شریف کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوتے تھے۔

مسند امام اعظمؒ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ایک حدیث مروی ہے کہ جس میں آپ فرماتے ہیں، ''سنت یہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر شریف پر قبلہ کی جانب سے آوے اور قبلہ کی طرف پشت کر کے کہے، **السلام علیک ایھا النبی ورحمة اللہ وبرکاتہ**۔''

قاضی عیاض نے کتاب الشفاء میں لکھا ہے کہ عباسی خلیفہ ابوجعفر اور امام مالکؒ کے درمیان مسجد نبوی میں مناظرہ ہوگیا۔ دوران کلام ابوجعفر نے آواز بلند کی۔ امام مالکؒ نے کہا، اے امیر المومنین! رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد میں آواز بلند کرتے ہو، حالانکہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی کتاب میں ایک قوم کو ادب سکھاتے ہیں اور فرماتے ہیں: **لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی** ...... الایۃ، ترجمہ: (اپنی آوازیں بلند نہ کریں رسول پاک کی آواز سے) اور ایک قوم کی مدح میں فرماتے ہیں: **الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللہ اولئک الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقوی** ...... (ترجمہ: جو لوگ اپنی آوازیں رسول پاک کے سامنے پست کر لیتے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کا اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے امتحان لے لیا ہے)۔ اچھی طرح سمجھ لو رسول پاک صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کی حرمت وفات کے بعد بھی ویسی ہے جیسی آپ کی حیات مبارکہ میں تھی۔ امام مالکؒ کی یہ باتیں سن کر خلیفہ پر رقت طاری ہوگئی اور بہت زیادہ انکساری کرنے لگا۔ پھر کہنے لگا، اے ابوعبداللہ (امام مالک)! دعا کے وقت قبلہ کی طرف منہ کروں یا رسول اللہ کی طرف؟ امام صاحب نے فرمایا کس واسطے پیغمبر سے منہ پھیرتا ہے۔ حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تیرے اور تیرے باپ حضرت آدم علیہ السلام کے وسیلہ ہیں۔ ان کی طرف منہ کرو، ان سے شفاعت طلب کرو تاکہ وہ تمہارے شفیع بن جائیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے ''جذب القلوب الی دیار المحبوب'' میں آداب زیارت باب سولہ میں لکھا ہے کہ '' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام کرتے وقت اور آپ کے دربار میں حاضری کے وقت آدمی دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھے جیسا کہ نماز میں کرتا ہے۔ بہت خشوع وخضوع کرے۔ پھر پشت کو قبلہ کی طرف کر کے چہرہ انور کے روبرو کھڑا ہو پھر شرم وحیاء اور درمیانی آواز سے سلام عرض کرے۔'' (خلاصہ)

(اس بارے میں مزید تفصیلات کے لئے کتاب الشفاء اور جذب القلوب کا خود مطالعہ فرمائیے)

لیکن افسوس کہ ان آداب کے ساتھ وہاں سلام عرض کرنے سے روکا جاتا ہے۔ وہاں ڈیوٹی دینے والے حضرات زائرین کے جذبات مجروح کرتے ہیں۔ کاش یہ لوگ ادب مصطفیٰ اور مقام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آشنا ہوتے۔ جس طرح ظاہری قربت نصیب ہوگئی ہے اسی طرح باطنی قربت کے بھی متلاشی ہوتے مگر ان پر شرک کا خوف کچھ ضرورت سے زیادہ ہی مسلط ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں بھی محبت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دولت سے مالا مال فرمائے۔ (آمین)

بات کہاں سے کہاں تک پہنچ گئی۔ تذکرہ ہو رہا تھا اپنے حبیب لبیب کا جنہیں سلام عرض کرنے کے لئے میں مواجہ شریف کے سامنے حاضر تھا۔ سامنے چار ستون تھے جن کے اندر تانبے کی جالیاں لگی تھیں جن پر انتہائی خوبصورتی سے یہ کلمات بار بار لکھے ہوئے تھے۔

لا الٰہ الا اللہ   الملک الحق المبین

محمد رسول اللہ   صادق الوعد الامین

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں جو بادشاہ ہے، حق ہے اور روشن

ہے۔ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں جو وعدوں کے سچے اور امانت دار ہیں۔

ان جالیوں کے اندر سے سبز غلاف مبارک نظر آ رہا تھا جس پر قرآنی آیات، احادیث، کلمہ طیبہ اور درود شریف لکھا ہوا تھا۔ یہ غلاف مبارک کافی اونچائی تک نظر آ رہا تھا شاید گنبد خضراء کے نیچے سے لٹکایا گیا تھا۔

میں جب بھی ریاض الجنۃ میں نماز پڑھتا تو کوشش کرتا کہ روضے مبارک کے قریب صف اول میں جگہ مل جائے۔ وہ صرف اس لئے کہ میرا علم و وجدان کہتا تھا کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں سے اکثر میرے آقا کا گزر ہوتا تھا کیونکہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بار بار گھر آتے پھر مسجد نبوی میں مصلے اور محراب کی طرف تشریف لے جاتے اور اکثر آپؐ اس وقت مسجد میں تشریف لاتے جب جماعت تیار ہوتی۔ صفیں بنی ہوتیں تو قبلے والی دیوار کے ساتھ ساتھ مصلیٰ امامت پر تشریف لے جاتے۔ یہ جگہ میرے نزدیک جنت سے بھی زیادہ مقدس تھی۔ میں سجدے میں پڑا ہوتا تو ان جگہوں کو چومتا ہوتا کہ یہاں ایک مرتبہ نہیں بلکہ ہزاروں مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک لگے ہیں۔ بلاشبہ یہ جگہیں شعار اللہ میں سے ہیں، مبارک ہیں، ہدایت و رحمت ہیں۔ مدینہ طیبہ کی مٹی اور خاص طور پر مسجد نبوی، مسجد قباء اور احد کے مزارات ایک جیسی خوشبو بکھیرتے ہیں جو کافور سے زیادہ ملتی جلتی ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے

بطیب رسول اللّٰہ طاب نسیمھا
فما المسک والکافور والصندل الرطب

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشبو سے مدینہ طیبہ کی ہوائیں بھی مہک اٹھی ہیں۔ یہاں کی کستوری اور کافور کا کیا پوچھنا یہاں کی تو کھجوریں بھی صندل جیسی خوشبودار ہیں۔ اس مفہوم کے ساتھ ملتا جلتا ایک اردو کا شعر بھی ملاحظہ ہو۔

عرصہ ہوا طیبہ کی گلیوں سے وہ گزرے تھے
اس وقت بھی گلیوں میں خوشبو ہے پسینے کی
تعریف کے لائق جب الفاظ نہیں ملتے !!
تعریف کرے کوئی کس طرح مدینے کی

لیراں دی گل کفنی پا کے رلساں سنگ فقیراں ہو

محمد اکرم رانجھا

ٹھیک تین بج کر پینتیس منٹ پر تہجد کے لئے اذان ہوئی اور باب السلام کے پٹ وا ہوئے، لیکن میں حیران رہ گیا کہ مسجد کا ریاض الجنت والا حصہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ اس لئے حضرت عثمانؓ کے توسیع شدہ حصے میں نماز تہجد اور نماز فجر باجماعت ادا کی اور سبز جالی کی طرف کھسکنا شروع کیا۔ اس وقت میرے لبوں پر درود وسلام کے ساتھ بے اختیار شیر عالم نون کا بند آگیا۔ شیر عالم نون محبت رسولؐ میں جذب کے مقام پر پہنچ گیا تھا اور یہ بند ہر وقت اس کے لبوں پر ہوتا تھا۔ وہ اپنی مقامی زبان میں نغمہ سنج ہے۔

نرم زبان تے خلق والا مٹھاں اوس سرکار دا چاک ہووے
چلو ویکھیے خلقاں والڑے نوں متاں لاش اساڈری پاک ہووے
پل وچ گناہ بخشا دیندا سر تے چھتر سالہ لولاک ہووے
سرمہ اکھیاں میریاں دا شیر عالم شالا تیریاں قدماں دی خاک ہووے

اس بند نے فوری اثر کیا۔ ضبط کے بند ٹوٹ گئے۔ آنسوؤں کے چناب بہہ نکلے۔ سسکیاں آہیں بلند ہونے لگیں۔ ادھر پاس ادب روک رہا تھا اور ادھر مدتوں کے دبے ہوئے جذبات کہ سرکار دو عالمؐ کے امتی ہوتے ہوئے کن پستیوں میں ڈوب گئے۔ اسلام کے اجلے دامن پر دھبہ بن کر رہ گئے۔ آج کس منہ سے حاضری دیں، لیکن اگر یہاں حاضری نہ دیں تو کہاں جائیں۔

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی تو کہاں ملی
میرے جرم خانہ خراب کو تیرے عفو بندہ نواز میں

جب بھڑاس نکل گئی تو آہستہ آہستہ دل کو قرار آنے لگا۔ ایک ٹھنڈک سی مجرم ضمیر نے محسوس کرنی شروع کی۔ یہ رحمت للعلمین کا دربار ہے۔

مسجد نبویؐ کے حضرت عثمانؓ والے توسیع شدہ حصے میں جنوبی جانب مواجہ شریف ہے۔ اس طرف کی جالی اور مرقوم قرآنی آیات کسی چمکیلی دھات کی ہیں اور اس جانب حضور صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اور ان کے ہر دو رفقاء حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا منہ مبارک ہے۔ وہاں سے گزرتے ہوئے میں نے "الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ" کا زمزمہ آنسوؤں سے وضو کر کے پیش کیا۔ میری لرزتی آواز قلب کی گہرائیوں سے نکل رہی تھی۔ دل کا تقاضا یہ تھا کہ چیخ چیخ کر سلام پڑھوں لیکن جگہ وہ تھی کہ

نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

جب میں نے توجہ مبذول کی، تو حیران رہ گیا۔ امت مسلمہ کے مرد و زن، پیر و جوان، امیر و غریب، قطار در قطار، ہجوم در ہجوم آنسوؤں کی برکھا برسا رہے تھے۔ ہر کوئی چیخ چیخ کر رونا چاہتا ہے لیکن پاس ادب کے تقاضے دھاڑوں کو سسکیوں میں بدل رہے ہیں۔

میں روضہ اطہر کا چکر کاٹ کر باب جبرائیل کے سامنے سے ہوتا ہوا پھر ریاض الجنت میں داخل ہوا اور نفلیں پڑھیں۔ پھر ستون ابولبابہؓ کے قریب نفلیں پڑھ کر گناہوں سے توبہ کی اور خدا سے دعا مانگی کہ مجھے آئندہ زندگی میں ایک لمحے کے لئے بھی نفس امارہ کے حوالے نہ کرنا۔ پھر ستون عائشہؓ کے پاس بھی نفلیں پڑھیں۔

محراب رسولؐ میں بہت انتظار اور جدوجہد کے بعد جگہ ملی۔ حضورؐ کے قدم مبارک جہاں امامت کے وقت ہوتے تھے، وہاں سجدہ کرنے کی سعادت ملی۔ اس جگہ کو چوما بھی اور آنکھیں بھی لگائیں۔ اس پاک کھجور کے تنے کے مدفن پر بھی نماز نفل کی جگہ نہیں ملتی۔

جب نماز باجماعت کا وقت ہوتا ہے تو چوکیدار جالی مبارک سے ہٹ جاتے ہیں۔ اسی لمحے ایک ساٹھ سالہ حبشی بزرگ میرے آگے سے ہو کر روضہ شریف کی جالی اور ستون وفود سے لپٹ گیا اور ایسا لپٹا اور اس سے پیاسے لب جالی مبارک سے یوں پیوست ہوئے اور آنسو یوں رواں ہوئے کہ اذان مغرب کی آواز ہی اسے وہاں سے جدا کر سکی۔ میں حضرت بلالؓ کے اس ہم نسل کو قدر و عقیدت کی نظروں سے دیکھتا رہ گیا۔

گنبد خضرا کے سائے ہم پر پڑ رہے تھے اور ان ٹھنڈے میٹھے سایوں میں بیٹھے اپنے دکھ سکھ کی باتیں چھیڑے ہوئے تھے۔ سپر پاورز کی بات آئی تو نوجوان پروفیسر یکلخت جوش میں آ گیا: "دنیا میں ایک ہی سپر پاور ہے اور وہ میں ہوں۔"

میں نے تعجب سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا جو جوش سے سرخ ہو رہا تھا۔ مجھے متعجب دیکھ کر وہ مسکرایا اور کہنے لگا: "متعجب نہ ہوں، میں سچ کہہ رہا ہوں۔ وہ دیکھیں

میرے حبشی بھائی بیٹھے ہیں۔ انسانی قوت میں ان سے بڑھ کر دنیا میں کوئی قوم نہیں۔ وہ میرے کویتی بھائی ہیں۔ وہ آج دنیا بھر میں دولت کے لحاظ سے امیر ترین ہیں۔ میرے ترکی بھائیوں کے تمتماتے چہرے تمہیں نظر نہیں آ رہے؟ مجھے تو پوری دنیا کی امیدوں کے سورج ان چہروں سے ابھرتے نظر آ رہے ہیں۔ میرے ایرانی بھائیوں کو دیکھو جو آج شہنشاہ ایران اور امریکہ کی سطوت کے تختوں کو پاؤں کی ٹھوکر سے الٹ چکے ہیں۔ میرے افغانی مجاہدوں کو مت بھولو جو روس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ننگے پاؤں اور بھوکے پیٹوں لڑ رہے ہیں اور پوری دنیا کو بتا رہے ہیں کہ سپر پاور ہم ہیں۔ آج سپر پاور میں ہوں، کل بھی سپر پاور میں ہی تھا اور آنے والے کل کو ہر کوئی دیکھ لے گا کہ سپر پاور میرے سوا اور کوئی بھی نہیں ہوگا۔ میرے عزیز بھائی، وجہ اس کی یہ ہے کہ میرے سوا کسی اور قوم کے پاس نہ ایک خدا ہے، نہ ایک محمد رسولؐ ہے، نہ ایک کعبہ ہے اور نہ ایک یہ گنبد خضرا ہے۔"

اس نے گنبد خضرا کی طرف انگشت شہادت اٹھا کر اشارہ کیا اور اس کی آنکھیں چھلک پڑیں۔ اس کی تقریر دلپذیر ہی میرے لئے کافی تھی، اوپر سے اس کی آنکھوں کے موتی میرے دل کا قرار لوٹ لے گئے۔

اردگرد پوری امت ہماری طرح کے جھمیلوں ہی میں موتی رول رہی تھی۔

گنبد خضرا کے ٹھنڈے میٹھے سائے میں انفرادی اور اجتماعی دکھوں کی گٹھڑیاں کھولی اور باندھی جا رہی تھیں۔

نماز عصر میں نے اصحاب صفہ کے چبوترے پر جا کر پڑھی۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں سے علوم ظاہری اور علوم باطنی کے چشمے پھوٹے تھے اور جہالت مظلمہ کے پردے چاک کر گئے تھے۔ آج انہی چشموں کی بدولت پورا عالم انسانیت علم و حکمت سے سیراب ہے۔

میرے بائیں ہاتھ ایک نوجوان ایرانی عالم دین نماز پڑھ رہا تھا۔ اس نے ہاتھ کھول رکھے تھے۔ میں نے باندھ رکھے تھے۔ نماز کے بعد میں نے اس سے مصافحہ کیا اور پاکستانی کہہ کر اپنا تعارف کرایا۔ وہ سیاہ جبہ پہنے ہوئے تھا۔ سیاہ پگڑی باندھی ہوئی تھی۔ نظر کا چشمہ بھی سیاہ تھا اور خوبصورت سیاہ ڈاڑھی پر بڑا ہپب رہا تھا۔ میں نے اسے حجۃ الاسلام یا شاید آیت اللہ سے اپنی گفتگو کا آغاز کچھ اس طرح کیا: "امروز آیت اللہ خمینی امام المسلمین است۔"

وہ کھل کر مسکرایا اور اس نے کہا: "الحمد اللہ، الحمد اللہ درود بر امام۔"

میں نے بنی صدر کا نام ہی لیا تھا کہ اس کا چہرہ غصے سے لال بھبوکا ہو گیا۔

اب میری تو فارسی ختم ہو گئی تھی۔ انگریزی میں گفتگو کی دعوت دی۔ اس نے لالا کہہ کر رد کر دی اور عربی بولنے لگا۔ اس وقت مجھے افسوس ہوا کہ اگر ہماری دفتری زبان عربی ہوتی تو میں وکالت کرنے کی خاطر اسے سیکھ لیتا۔ پھر یہ الفاظ میرے کانوں میں رس گھول گئے۔

"شافعی، حنبلی، سنی، جعفری تمام برادر مسلم اند۔"

جی چاہا اس کا منہ چوم لوں۔ یہ جملے میں نے وطن کی فضاؤں میں کبھی نہیں سنے تھے۔

آج 19 ستمبر 1981ء کی فجر آ گئی۔ نماز صبح ادا کر کے میں نے روضہ پاک کی جالی کی طرف کھسکنا شروع کیا۔ الوداعی سلام کے لئے میرے منہ سے بار بار یہ الفاظ نکل رہے تھے

گیاوت نہ وطن بلالؓ حبشی جداں لگیاں تدھ دی جہات دیاں

غلام بلالؓ کو آزادی ملی، لیکن اس نے اپنی غلامی کو ابدی غلامی میں بدل لیا اور ہمیشہ کے لئے درِ رسولؐ پر بیٹھا رہ گیا۔

آج میں دس روز بعد ہی واپس جا رہا تھا۔ مجھے وطن بلا رہا تھا۔ بال بچے، کاشت کاری کے تقاضے اور وکالتی مخمصے آوازیں دے رہے تھے اور میں ان آوازوں پر لبیک کہنے پر مجبور تھا، تاہم میرے قلب کی گہرائیوں میں طوفان اٹھ رہے تھے۔ مجھے اپنی بدنصیبی اور سیدنا بلالؓ کی خوش نصیبی کا احساس تھا اور اسی لئے میں موازنہ کر رہا تھا

گیاوت نہ وطن بلالؓ حبشی جداں لگیاں تدھ دی جہات دیاں

اس کے آگے سسکیاں تھیں، آنسو تھے۔

واپسی کے لئے سامان سیارہ میں رکھا۔ میرے ساتھ اگلی سیٹ پر سرگودھا کے ایک صالح نابینا نوجوان حافظ صالح محمد بیٹھے تھے۔ روضہ پاک کے قریب سے گزرے تو نابینا آنکھیں پرنم ہو گئیں۔ حافظ صاحب نے آہستہ آہستہ گنگنانا شروع کیا۔

انھاں روندیاں تے کرلاندیاں تے
سے سے وار صدقڑے جاندیاں تے
شالا اہو آون وت گھڑیاں

حافظ صاحب کی پرسوز آواز، مدینہ طیبہ کی معطر ہواؤں میں ارتعاش پیدا کر رہی تھی۔ ضبط کے بند ٹوٹ گئے۔

شہر نبی ﷺ ہے کتنا معطر قدم قدم

علامہ محمد اسد

تیرہ سو برس گزر جانے کے بعد بھی ان کا روحانی وجود اسی طرح زندہ ہے جیسے اس وقت تھا، انہیں کی وجہ سے گاؤں کا وہ مجموعہ جس کا نام یثرب تھا مسلمانوں کا محبوب شہر بن گیا ہے، اتنا محبوب کہ دنیا کا کوئی شہر انہیں اتنا محبوب نہیں ہے۔ اس کا کوئی خاص نام بھی نہیں، تیرہ سو برس سے آج تک اس کو مدینۃ النبیؐ کہتے آئے ہیں، اس طویل مدت میں نہ جانے محبت کے کتنے طوفان اس طرح یہاں آکر ملے تھے کہ سارے اشکال اور حرکات نے ایک خاندان اور گھرانے کے ماحول کی سی صورت اختیار کرلی تھی اور مظاہر کے سارے اختلافات ایک مشترک نغمہ یا لے میں متحد ہو گئے تھے۔

یہ وہی مسرت وسعادت ہے جس کا یہاں ہر شخص کو ہمیشہ احساس رہتا ہے، ایک خاص قسم کی یکسانی اور ہم آہنگی، اگرچہ مدینہ کی آج کی زندگی نبیؐ کے نقشہ سے ظاہری تعلق رکھتی ہے، اور اگرچہ اسلام کا روحانی شعور عالم اسلام کے اور حصوں کی طرح یہاں بھی مدھم اور کمزور پڑ چکا ہے، پھر بھی اپنے شاندار ماضی سے جذباتی لگاؤ جس کی وجہ سے تصویر کشی کسی کے بس میں نہیں، آج بھی زندہ ہے۔ کوئی شہر ایسا نہیں ہے جس سے لوگوں نے کسی شخصیت کی وجہ سے اتنی محبت کی ہو جتنی کہ مدینہ سے، نہ دنیا میں کوئی ایسا شخص گزرا ہے جس نے اپنی وفات کے باوجود تیرہ سو برس گزر جانے کے اتنے انسانوں کے دلوں سے خراج محبت وصول کیا ہوا، سوائے اس شخصیت کے جو اس عظیم سبز گنبد کے نیچے آرام فرما ہے!

لیکن اس کے باوجود انہوں نے ایک دن کے لئے بھی اپنے کو مافوق البشر نہیں سمجھا اور نہ مسلمانوں نے کبھی ان کی طرف الوہیت کو منسوب کیا نہ جس طرح بہت سے انبیاء کے پیروؤں نے اپنے نبی کے ساتھ کیا تھا۔

ان کے ساتھ رہنے والوں نے ان سے اتنی جو محبت کی تو اس وجہ سے کہ وہ ایک بہتر انسان تھے اور دوسرے لوگوں کی طرح زندگی گزارتے تھے اور زندگی کے درد دکھ اور راحت،

آ ام دونوں سے ان کا واسطہ پڑتا تھا۔

ان کی وفات کے بعد بھی یہ محبت اسی طرح قائم رہی اور آج تک ان کے ماننے والوں کے دلوں میں زندہ ہے، ایک ایسے گیت یا ترانہ کی طرح جس کے متعدد لہجے اور طرز ہوں، وہ مدینہ میں آج بھی زندہ ہیں، اس کا ایک ایک پتھر اس کی شہادت دیتا ہے، آپ اس کو چھو کر یہ بات معلوم کر سکتے ہیں لیکن الفاظ میں آپ اس کو ادا نہیں کر سکتے۔"

روشن تیرے جلووں سے جہانِ دل و دیدہ

نواب محمد مصطفیٰ خان شیفتہ

دن کا پہلا حصہ گزر گیا تھا کہ زیارت طیبہ (مدینہ منورہ) کی سعادت کونین نصیب ہوئی۔ آداب ضروری بجالانے اور سلطان ہر دوسرا کے دربار میں حاضری سے مشرف ہونے کے بعد ہم نے جو کچھ کیا، وہ کیا۔

منشی کرامت علی شہیدی جو مشہور شاعر ہیں اور جن کا ذکر میں نے ''گلشن بیخار'' میں بھی کیا ہے، راستے میں وباء سے متاثر ہوگئے تھے۔ انہوں نے مدینہ منورہ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

قسمت نگر کہ کشتہ شمشیر عشق یافت
مرگے کہ زندگاں بدعا آرزو کنند

(قسمت تو دیکھئے کہ شمشیر عشق کے مقتول نے وہ موت پائی ہے کہ زندہ افراد بھی دعا میں جس کی آرزو کرتے ہیں)

جب نظر خواجہ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قبہ اطہر پر پڑتی ہے تو دیدہ و دل کے لئے کیف و سرور کا ایک عجیب عالم ہوتا ہے اور اس حریم قدس میں جو کیفیات ظاہر ہوتی ہیں، ان کا اندازہ وہی کرسکتا ہے جس کو اس دربار میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی ہو۔ جو اس بقعہ مبارکہ میں آگیا، واللہ! موت سے پہلے جنت میں اس کا گزر ہوگیا۔ اگر یہ بات کہنے پر کوئی مجھ سے الجھے تو وہ تھوڑی سی زحمت کرکے اہل علم سے مابین قبری و منبری روضہ من ریاض الجنۃ کے معنی پوچھ لے۔ اس بندہ کمینہ کو اللہ تعالیٰ نے اتنے انعامات سے نوازا ہے کہ اگر اسے عمر نوح مل جائے اور ہر سر مو کو طاقت گفتار مل جائے، پھر تمام عمر اس کا شکر ادا کرتے گزر جائے تب بھی اس کے کسی ایک انعام کا شکر مشکل ہی سے ادا ہوسکے۔ اب یہاں حاضری کی جو نعمت اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہے، وہ تمام انعامات سے بڑی نعمت ہے۔ الحمد اللہ ثم الحمد اللہ۔

مدینہ منورہ جس پر ہر آن نورالٰہی باران بہار کی طرح برستے رہتے ہیں، اس کے باشندے سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلق عظیم کی تاثیر سے نہایت متواضع اور مہمان نواز ہیں۔

وہ پہنچا قربِ خدا میں جو پہنچا مدینہ میں

سید منیر علی جعفری

حقیقت یہ ہے کہ آج میری قسمت کا ستارہ عروج پر تھا اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے خاص کرم سے اپنے ایک ادنیٰ حقیر گناہگار بندے کو یہ شرف عطا فرمایا تھا کہ وہ مقدس و مکرم سبز گنبد کا نظارہ کرے اور پھر اس کے حبیب پاک، رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے در مقدس پر حاضر ہو کر اپنے گناہوں، اپنی خطاؤں اور لغزشوں کی معافی مانگے اور آئندہ کے لئے بخشش و سلامتی اور ایمان کی تازگی کے لئے دعا مانگے۔ میری نظر میں دنیا میں وہ سب سے خوش قسمت انسان ہوتے ہیں جنہیں دربار رسالتؐ میں حاضر ہونے کا موقع ملتا ہے۔

آج میں بھی عظیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضری دینے کے لئے جا رہا تھا۔ جیسے جیسے گنبد خضرا، قریب آتا جا رہا تھا، میرا دل خوشی سے ناچ رہا تھا اور دیدار کی تڑپ میں اضافہ ہو رہا تھا۔ پندرہ منٹ بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ ہم مدینہ کی ایسی سڑک پر پہنچ گئے جہاں سے مسجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک اور حسین مینار نظر آنے لگے اور پھر مقدس ترین گنبد خضراء کا جلوہ نظروں کے سامنے آ گیا۔ پہلی دفعہ جب میری نظروں نے یہ حسین جلوہ دیکھا تو میری آنکھوں میں چکا چوندی ہوئی۔ میں نے فوراً اپنی آنکھوں کو ہاتھوں سے ملا اور نظریں اٹھا کر دوبارہ دیکھا۔ میں اس وقت کی کیفیت بیان ہی نہیں کر سکتا کہ میرے قلب و ذہن اور چشم و نظر کی کیا حالت تھی۔ بہر حال صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ ایک نور سا میری آنکھوں میں اترتا ہوا محسوس ہوا جو میرے قلب و ذہن میں اتر گیا اور میری زبان سے درود، سلام کی دعائیں صدائیں بلند ہونے لگیں۔

دربار رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں دو رکعت نماز تحیۃ المسجد پڑھنے کے بعد میں روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پاس ادب سے سر جھکائے ہوئے حاضر ہوا اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ لب پر درود و سلام بھی تھا اور دعائیں بھی۔ اس وقت بھی کچھ کھویا ہوا تھا لیکن اتنا ہوش میں تھا کہ میں جہاں موجود ہوں، وہ مرکز حبیب خدا علیہ التحیۃ والثنا ہے اور آقائے

معظم ومحترم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے غلام کی حاضری سے باخبر ہیں اور جو کچھ وہ عرض کر رہا ہے وہ سماعت فرمارہے ہیں۔ چنانچہ میں آہستہ آہستہ سلام بھی پیش کرتا رہا اور درود بھی۔ اس وقت جو میری حالت تھی وہ بیان سے باہر ہے۔ آنکھیں اشکبار تھیں، دل شرمسار تھا اور سر ندامت سے جھکا ہوا تھا۔ رونگٹا رونگٹا معافی وکرم کا طلب گار تھا۔ ایک طرف تو یہ حالت تھی، دوسری طرف دل مطمئن وشاد ماں تھا کیونکہ یقین کامل تھا کہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار اقدس سے کوئی سائل اور غلام کبھی مایوس نہیں جاتا، خالی ہاتھ نہیں جاتا۔ اس لئے اس غلام کی فریاد ضرور سنی جائے گی۔ گناہوں اور خطاؤں کی معافی بھی ملے گی اور ایمان کی سلامتی کی نوید بھی ملے گی۔

الٰہی بھیج دے ایسی ہوا مدینے سے
کہ لے کے آئے وہ دل کی دوا مدینے سے
تمنا میری بر آئے گی یا خدا کب تک
نہیں گوارا، رہوں میں جدا مدینے سے
وہ پہنچا قرب خدا میں، جو پہنچا طیبہ میں
بہت قریب ہے عرش علا مدینے سے

جالیوں سے چھن رہے ہیں روشنی کے آفتاب

محمد اقبال انجم

میں آنکھیں بند کئے اردگرد کے مناظر سے بے نیاز درود و سلام پڑھتا، دیار حبیبؐ کے تصور میں کھویا ہوا تھا۔ دل میں وفور شوق کی لہریں موجزن تھیں کہ اچانک

اک خاص مہک آنے لگی موج ہوا میں

آثار بتاتے ہیں مدینہ تو یہی ہے

میں اپنی آنکھوں کو روضہء رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کے لئے تیار کر رہا تھا۔ اپنے جذبات کو حد ادب میں رہنے کی تلقین کر رہا تھا کہ میرے ہمسفر نے مجھے نوید دی کہ یہ سن کر میری کم مائیگی کی کوکھ سے شادمانی کی ایک تیز لہر اٹھی اور میرے پورے بدن میں دوڑ گئی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں سبک اور ہلکا پھلکا ہو گیا ہوں۔ آج تک میں نے زندگی اور اس کی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھائے عمر کی طویل شاہراہ پر کٹھن سفر طے کیا ہے لیکن اس دن ہر ذمہ داری سے سبکدوش ہو کر عرش معلی کی طرف گامزن تھا۔ خلیفہ امام دین گجراتی کا وہ شعر خود ہی میری زبان پر مچل اٹھا۔

محمدؐ کا جہاں پر آستان ہے

زمین کا اتنا ٹکڑا آسمان ہے

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بارہ ربیع الاول کو دوپہر کے وقت مدینہ پاک پہنچے تھے۔ اس دن ۲۴ ستمبر ۶۲۲ء کا مبارک دن تھا، جن کے چہرۂ اقدس کو دیکھ کر یثرب کی بچیوں نے بدر سے تشبیہ دی تھی۔ بدر چودھویں رات کے چاند کو کہتے ہیں۔ اس چاند کی کرنوں سے روشن ہو کر وہ انسان دنیا کے سب سے محترم انسان بن گئے۔ ان کا فانوس بدن، اس چاند کی کرنوں سے منور ہو کر بجائے خود روشنیوں کا وجود بن گیا۔ آج بھی جس کے دل میں اس محبوب جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی جتنی محبت ہو گی، وہ زمانے اور زمانے والے (خدا تعالیٰ فرماتے ہیں کہ زمانے کو برا مت کہو کہ میں خود زمانہ ہوں) کی نگاہوں میں اس قدر محترم

ہوگا۔ کیونکہ ہر چراغ کی روشنی اسی آفتاب سے مستعار و ماخوذ ہے۔

سیارہ رک گیا۔ میں سوچ رہا تھا کہ جس طرح بیت اللہ اور برآمدوں کے اندر درختوں کی طرح مستور ہے، روضہء اقدس بھی اسی طرح نگاہوں سے پوشیدہ ہوگا لیکن سڑک پر ٹیکسی میں جب میری نگاہ گنبد خضریٰ پر پڑی تو محسوس ہوا جیسے یا ایھا المدثر قم فانذر کی آیت آج ہی نازل ہوئی ہے۔ خدا تو ازل سے پردوں میں مستور ہے۔ موسیٰؑ نے بے پردہ دیکھنے کی خواہش کی تو اس نور ازل کی ایک کرن کا مشاہدہ نہ کر سکے۔ لیکن اس امت مسلم پر خدا کا کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے وہ وجود اطہر و اقدس دنیا میں بھیج دیا، جو کائنات حسن بھی ہے اور حسن کائنات بھی۔ تاکہ دیدار الٰہی کی تمنا ان کی دید سے مشرف ہو کر تسکین پا سکے۔ آج ہماری کوتاہ نظریں ان کے وجود اقدس کو دیکھنے سے قاصر ہیں لیکن ہم درود و سلام کے ذریعے ان سے قلبی تعلق تو قائم رکھ سکتے ہیں۔ ساری کائنات کے انسانوں کی طرف سے بھیجا جانے والا درود و سلام رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کیا جاتا ہے۔ حضور میرام صلی اللہ علیہ وسلم کل بھی زندہ تھے، آج بھی زندہ ہیں لیکن ہم ان کی زندگی کا شعور نہیں رکھتے۔ ہم تو شہید کی زندگی کا بھی ادراک نہیں رکھتے۔ نبی کی زندگی کا شعور کیسے حاصل کر سکتے ہیں۔ جس طرح خدا موجود بھی ہے اور مستور بھی۔ اسی طرح رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم انسانی وجود سے آزاد ہو کر مستور و موجود ہو چکے ہیں۔ گنبد خضریٰ آپ کی ہستی مقدس کا ایک خوبصورت پرتو ہے۔ ایک زندہ جاوید وجود کی من موہنی صورت ہے۔ ترستی ہوئی آنکھوں کے لئے ایک سرسبز و شاداب منظر ہے۔ دل ویران کے لئے چشمہ آب حیات ہے، وفا کا ارمان ہے، عشق کا حاصل ہے اور عقل کی منزل ہے۔

اے دیکھنے والے نگاہیں ہٹانے کی خواہش ہی نہیں کرتے کیونکہ اسے دیکھنا اور دیکھتے رہنا دید کی معراج ہے۔ میں نے ایک نگاہ گنبد خضریٰ پر ڈالی تو اپنے آپ کو بھول گیا۔ مجھے یوں لگا جیسے میں اسی منظر کا حصہ ہوں یا اسی کہکشاں کا ایک ستارہ ہوں۔ گنبد خضریٰ سبز دستار اوڑھے، جہاں کی پاسبانی اور راہنمائی کے لئے استادہ ہے۔

نہ جانے یہ جنت کس کس کے قیام وجود کا مرکز ٹھہری ہوگی، کس کس کے سجدوں کی امین ہے، کس کس کی آہوں اور آنسوؤں کی شاہد ہے۔ یہاں فقیر بھی جھولیاں پھیلا کر آتے ہیں اور بادشاہ بھی جاہ و چشم کے باوجود یہاں سر جھکاتے رہے۔ بڑے بڑے آئمہ و فقہا اور

صالحین بھی دنیا کی اس جنت سے فیض یاب ہو چکے ہیں۔ میں تو اپنی خوش بختی پر جتنا ناز کروں، وہ کم ہے کہ میں ان شخصیتوں کی خوشبو میں، ان پاکیزہ روحوں کے جلو میں، ان مقدس یادوں کے نرغے میں اور اسلام کی تاریخ کے سنہرے ابواب میں بیٹھا ہوا ہوں۔

یہ اس زمین کی خاک کا مقدر ہے کہ اسے، ایسے گوہر نایاب میسر آئے ہیں۔ اس زمین کی سعادتوں کا کیا کہنا

جس زمین کی خاک میں مستور ہیں ماہ تمام
اس زمین کی خاک پہ عرش معلیٰ بھی نثار

نماز سے فارغ ہوتے ہی عشاق نمازیوں کے کندھوں سے گزرتے، اس قطار میں، جا کھڑے ہوتے ہیں جو قدم قدم آستانہ نبوت کی جانب بڑھتی ہے۔ جوں جوں میرے قدم بڑھ رہے تھے، دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی جا رہی تھیں۔ سانسیں اپنی ترتیب بھول رہی تھیں، نظروں کے سامنے آنسوؤں کی چلمن تن رہی تھی۔ نہ حاضری کا سلیقہ آتا تھا، نہ میں ادب کے کسی قرینے سے واقف تھا۔ بس سن رکھا تھا

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

مجھ جیسے گناہگار کو اپنے حواس پر بھی قابو نہیں تھا کہ یہاں کائنات کے سب سے افضل انسان سوئے ہیں۔ خدا نے جن کے لئے کائنات کو پیدا فرمایا اور پھر دنیا جس کے انتظار میں بنتی اور سنورتی رہی، انبیاء جن کی آمد کی نوید دیتے رہے۔ مجھ جیسے پندرہ سو برس بعد پیدا ہو کر کتابوں کے ذریعے اپنے تصور کو پختہ کرنے والے لوگ جب دیواروں اور جالیوں کو اپنے درمیان حائل پاتے ہیں تو ہمارے دل انہیں چھونے کو مچل اٹھتے ہیں۔ لیکن عربی شرطے اس فکر میں دبلے ہوئے جا رہے ہیں کہ کوئی جالیوں کا سونا اتار کر نہ لے جائے۔ کوئی اندر کا اجالا چرا کر نہ لے جائے۔ وہ اپنے دانست میں چتون چڑھائے چٹکیاں بجا بجا کر شرک کو بھگا رہے ہیں۔ یہاں آرزوئے وصل کی تکمیل نہیں ہو سکتی کہ

ہر چیز گراں ہو گئی بازار وفا میں
اک خون تمنا ہے کہ ارزاں ہے ابھی تک

مگر دل سے اٹھنے والے اور پلکوں پر لرزنے والے آنسوؤں کو کون روک سکتا ہے۔ سر

جھکانے پر پابندی ہوسکتی ہے مگر سر دینے سے کون سی طاقت روک سکتی ہے۔

چلوں میں جان حزیں کو نثار کر ڈالوں
نہ دیں جو اہل شریعت جبیں کو اذن سجود

یہ تصورات کی دنیا ہے۔ عقیدتوں کا جہاں ہے، محبتوں کی آماجگاہ ہے، عشق کی نگری ہے۔ یہاں دل کے معاملات دھڑکنوں سے بیاں ہوتے ہیں اور کوئی بھی تعلقات کے اس لطیف پیرائے میں حائل نہیں ہوسکتا۔

مکہ مکرمہ اسلام کا دماغ ہے اور مدینہ منورہ اسلام کا دل ہے۔ یہ لوگ دل کی دنیا میں رہ کر بھی دل سے خالی ہیں۔ نظر کی تشنگی ہمیشہ چھونے سے دور ہوتی ہے لیکن یہاں چھونے پر پابندی ہے۔ غور سے دیکھنے کی اجازت نہیں۔ دل مچلتا ہے، آنسو چھلکتے ہیں اور دھڑکنیں تیز ہوتی ہیں۔ وہ اپنی زبان بے زبانی سے، بہت کچھ کہنا چاہتی ہے مگر یہاں زیادہ دیر کھڑے رہنے پر قدغن ہے۔ عمر بھر کی پیاس بجھے تو کیسے؟ تصاویر و تصور میں کھویا رہنے والا انسان حقیقت کا مشاہدہ کیونکر کرے؟ ہزاروں میلوں کا فاصلہ طے کر کے آنے والے یہاں دو وقت کا فاصلہ طے نہیں کر سکتے۔

عاشقی صبر طلب اور تمنا بے تاب
دل کا کیا رنگ کروں خون جگر ہونے تک

ان پیاری سنہری جالیوں میں تین سوراخ ہیں۔ بڑا سوراخ حضور محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے رخ انور کی نشاندہی کرتا ہے۔ ساتھ والا چھوٹا سوراخ ثانی حضرت صدیق اکبرؓ کے چہرۂ مبارک کے سامنے ہے اور تیسرے سوراخ کے سامنے حضرت عمر فاروقؓ کا چہرۂ اقدس ہے۔ جالیوں کو غور سے دیکھیں تو محسوس ہوتا ہے جیسے یہ جالیاں نہیں، حسن ازل کا تبسم ہے۔ مقدس مہمان سرا کی چلمن ہے۔ اندر کے ماہ انجم کی روشنی ہے۔

جالیوں سے چھن رہے ہیں روشنی کے آفتاب

یہاں ستر ہزار فرشتے ایک وقت میں درود و سلام کے لئے حاضر رہتے ہیں۔ میں نے ایک جگہ پڑھا ہے کہ اگر روضہء اقدس کے سامنے ایک دفعہ ان اللّٰہ و ملٰئکتہ یصلون علی النبی یا یھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما تلاوت کرنے کے بعد ستر مرتبہ صلی اللہ علیک وسلم یا محمد الرسول اللہ پڑھا جائے تو فرشتے اس شخص

کا نام لے کر پکار کا جواب دیتے ہیں اور مانگنے والوں کی دعاؤں کو مولا کریم ثمر آور کرتے ہیں۔

درود و سلام میں بسا ہوا یہ ماحول انسانی قلب و ذہن پر کیا کیفیات طاری کرتا ہے۔ اپنے اپنے گھروں سے درود و سلام کی سوغاتیں بھیجنے والوں کو اذن حضوری دے کر وہ خود چلمن کے پیچھے چھپ کر بیٹھے ہیں۔ کاش میری نظروں کی پیاس بھی بجھ سکتی۔ کاش ان ترستی نگاہوں کو بھی مقصود نظر مل جاتا۔ کاش یہ کوتاہ نظریں چلمن کے پار زمین کی تہوں میں اتر کر اس چہرۂ منور کو دیکھ سکتیں، جس کی ضیاء سے سارا جہاں روشنیوں اور خوش بختیوں کی بھیک مانگ رہا ہے۔ اس وقت مجھ پر یہ کھلا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت بلالؓ نے جلاوطنی کیوں اختیار کر لی تھی...... ان کے نزدیک مدینہ صرف مدینۃ النبی تھا اور آنکھوں کی معراج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کی زیارت تھی، جو تب ممکن نہ رہی تھی۔ اسی لئے وہ شام چلے گئے تھے۔

خوشا وہ وقت کہ یثرب مقام تھا انؐ کا
جوشا وہ دور کہ دیدار عام تھا انؐ کا

مسجد نبوی کے دامن میں روضۂ اقدس اس طرح نقش ہے جس طرح حسن ازل کی انگوٹھی میں کوئی ملکوتی نگینہ پیوست ہو۔ جو پورے ماحول کا تشخص ہے، جو پورے مدینہ پاک کا حسن ہے، جو دو عالم کی رونق ہے، جو بزم وفا کی بہار ہے۔ میں کیا، خود خدا بھی اس شہر کے مقدر پر نازاں ہے۔ اس مٹی کے کتنے بھاگ ہیں، جس نے آپؐ کے جسم اطہر کو سمیٹ رکھا ہے۔ شورش کاشمیری نے کیا خوب کہا ہے۔

ازل کے دن سے مشیت کی مصلحت تھی یہی
کہ خاک طیبہ محمدؐ کا آستاں ٹھہرے

گنبد خضریٰ تک پہنچنے کے لئے ایک نہایت کشادہ راستہ ہے، جس کے دونوں اطراف لکڑی کے بہت بڑے چوکھٹوں کے اندر زیر زمین کھدائی ہو رہی ہے۔ آگے جا کر یہ راستہ دو حصوں میں بٹ جاتا ہے۔ دائیں شاخ جنت البقیع کو جا نکلتی ہے اور بائیں شاخ مسجد نبویؐ کے نو تعمیر شدہ حصے کی طرف۔ سامنے باب السلام اپنی آغوش محبت وا کئے آنے والوں کا منتظر رہتا ہے۔ لیکن مسجد کے دربان اسے عشاء کی نماز کے بعد بند کر دیتے ہیں اور تہجد کے

وقت کھول دیتے ہیں۔ رات کے تخلیے میں نہ مسجد میں جلوت آراستہ کی جا سکتی ہے اور نہ، روضہ اقدس پر خلوت۔ باب السلام سے مسجد نبوی میں داخل ہونے کا یہ فائدہ ہے کہ اس صراط مستقیم پر چلتے ہوئے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری سے پہلے انسان قدم قدم اپنے حواس مجتمع کرتا چلا جاتا ہے۔ درود و سلام کے نذرانے لئے، آنسوؤں کے چراغ سجائے، دل میں عشق و محبت کی شمعیں فروزاں کئے، آہستہ آہستہ بڑھتا ہے۔ آج جو راستہ روضہ اقدس کی طرف جاتا ہے، وہ یقیناً آپ کی گزرگاہ بھی تھا کیونکہ

جھکتا ہے مرا دل بھی مرے سر کے ساتھ ساتھ
محسوس ہو رہا ہے تریؐ رہ گزر نہ ہو

اس پر چلتے ہوئے دل یہی چاہتا ہے کہ یہ راستہ کبھی ختم نہ ہو اور میں تمام عمر اس پر چلتا رہوں۔ بعض راستے منزلوں کو پانے کے لئے ہوتے ہیں اور بعض صرف سفر کرنے کے لئے، کیونکہ منزلیں سفر اور شوق سفر کا اختتام ہوتی ہیں۔ منزل نہ ملے تو آرزو زندہ رہتی ہے، قدم بڑھتے رہتے ہیں۔ منزل مل جائے تو قدم رک جاتے ہیں اور آرزوئیں مر جاتی ہیں۔ علامہ اقبال نے کیا ترجمانی کی ہے۔

عالم سوز و ساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق
وصل میں مرگ آرزو، ہجر میں لذت طلب

لیکن یہ رہ گزر بھی تو منزل ہے۔ اس پر چلنا بھی سب کو کہاں نصیب ہوتا ہے۔ یہاں پر اٹھنے والا ہر قدم منزلوں پر پڑتا ہے اور انسان منزل بہ منزل اس آستاں کی طرف بڑھتا ہے، جس کے بارے میں مولانا ظفر علی خاں نے کیا خوب کہا ہے۔

سب کچھ تمہارےؐ واسطے پیدا کیا گیا
سب غائتوں کی غایت اولیٰ تمہیں تو ہو

۲۵ دسمبر ۱۹۹۱ء کو مدینہ منورہ میں میرا آخری دن تھا۔ جدائی کے تصور سے دل بہت پریشان تھا۔ وہ جدائی، جو نہ جانے کب تک کے لئے ہے۔ میری آنکھیں صبح سے کئی بار برس چکی تھیں۔ جب بھی گنبد خضریٰ پر نظر پڑتی، دل یہی چاہتا کہ میں رنگ و روغن کی پھوار بن کر گنبد خضریٰ سے لپٹ جاؤں۔ کاش میں بھی پلستر کا وہ ٹکڑا ہوتا جو روضہ اقدس کی دیوار سے پیوست ہے، لیکن نہ بدن تحلیل ہوتے ہیں اور نہ آرزوئیں پوری ہوتی ہیں۔ میں اس دن

ساری مسجد میں گھومتا رہا۔ ریاض الجنتہ میں مختلف جگہ، محراب نبوی کے سامنے، اصحاب صفہ کے چبوترے پر اور روضہ اقدس کی پائینتی کی طرف نوافل ادا کرتا رہا۔ مواجہ شریف کی چلمن کے سامنے حاضری بھر کر درود و سلام پڑھتا رہا۔ یہاں آنسو رکتے ہی نہیں۔ ہچکیاں تھمتی ہی نہیں، لیکن آواز نکالنا سوء ادب ہے۔ شہنشاہوں کے شہنشاہ کے دربار میں

لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام

اسی لئے درود و سلام کے تسلسل، گھٹی گھٹی سسکیوں اور تلاوت کی دھیمی دھیمی آواز میں دعائیں بھی جاری رہتی ہیں۔ کبھی کبھی کسی کے دل میں جالیوں سے لپٹ جانے کی خواہش انگڑائی لے کر بیدار ہوتی ہے لیکن قانون شکنی کا خوف اسے دبا دیتا ہے۔ جدائی کی گھڑیاں قریب آ رہی تھیں۔ میرے دل میں جذبات کا ایک طوفان اٹھ رہا تھا۔ میں سوچتا ہوں کہ صدیق اکبرؓ کا کیا حال ہوا ہوگا۔ آپؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی کا صدمہ کس طرح برداشت کیا ہوگا۔ یہاں سے جانے کو جی ہی نہیں چاہتا۔ سمندر کے کنارے کھڑا ہو کر پیاسا ہوں۔ اگر یہاں سے بھی پیاسا ہی چلا گیا تو مجھے کون سیراب کرے گا۔ اگر یہاں سے بھی ٹھکرا دیا گیا تو پذیرائی کہاں نصیب ہوگی۔ میں انہیں سوچوں میں گم تھا کہ اچانک خلیل صاحب نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا تو میں چونک اٹھا۔ میں نے اپنا چہرہ صاف کیا اور ان کے ساتھ باب البقیع کے راستے الوداعی سلام کے لئے جنت البقیع کو چل دیا۔ جنت البقیع کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ تیرہ سو برس تک شان و شوکت اور عقیدت و احترام سے سفر کرتے ہوئے کسی قافلے کو لوٹ لیا گیا ہو۔ وہاں سے بھی میں دل گرفتہ اور باچشم نم واپس آیا۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

محمد سرفراز

عصر کے وقت مسجد نبویؐ میں پہنچا۔ اس وقت میری حالت یہ تھی کہ میں نے گلے میں ایک پٹکا ڈالا ہوا تھا اور اسے ایک ہاتھ سے پکڑا ہوا تھا جیسے غلام اور خدام اور میری زبان پر یہ درود شریف جاری تھا۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یا سیدی یا رسول اللّٰہ
وعلیٰ الک واصحابک یا سیدی یا حبیب اللّٰہ

میں پڑھتا جا رہا تھا اور اس سلام کا جواب روضہء اطہر کے اندر سے سنتا جا رہا تھا۔ میں بالکل جاہل، گنوار اور دیہاتی سا انسان تھا۔ اس لئے آداب رسالت سے آشنا نہ تھا۔ میں نے ایک ہاتھ میں جوتے اٹھائے ہوئے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کرنے جا رہا تھا۔ اس وقت ایک بزرگ ظاہر ہوئے اور مجھے چپکے سے فرمایا۔

''مقام ادب ہے جوتے نیچے رکھ دو۔ بہت ادب سے چلو۔ جب جوتے پہنے ہوں تو جوتے زمین کے قریب رکھ کر پہنو تا کہ آواز نہ آئے۔ جوتے چٹخانے کی آواز پیدا نہ کرنا۔ جب مواجہ شریف کے سامنے سے گزر کر بقیع کی طرف جاؤ تو رسول پاک ﷺ کی طرف پشت نہ کرنا۔''

میں نے ان ہدایات پورا عمل کیا اور جب بھی میں مواجہ شریف کے سامنے جاتا تو الٹے پاؤں باب البقیع سے گزرتا۔ مواجہ شریف کے سامنے بہت نور پھیلا ہوتا۔ یہاں تک کہ زمین و آسمان نور سے بھرے نظر آتے۔ روضہء پاک کے اندر ایک بڑا شاہانہ تخت نظر آتا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوتے۔ اس تخت کی چمک دمک آنکھوں کو خیرہ کرتی اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار کی ایک جھلک دیکھنا تو کسی انسان کے بس کا کام ہی نہیں تھا۔ روضہء پاک دودھیا رنگ کے نور سے منور ہوتا اور سرخ رنگ کے گلاب کے پھولوں کی گلشن مہکے ہوتے۔

یہاں جو بات بہت ہی مزے دار اور گنہگاروں کی ڈھارس بندھانے والی میں نے دیکھی وہ میں بتا دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس راز کے افشا کرنے پر معاف فرمائے۔ گنہگاروں خوشیاں مناؤ کہ جو شخص بھی مواجہ شریف کے سامنے سے گزرتا تھا، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اسے ایک نظر دیکھتے تھے اور جوں ہی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ رحمت اس پر پڑتی تھی تو روضہء اطہر کے اندر سے تیز رحمت کی بارش کے چھینٹے اس پر پڑتے تھے جو اس کے گناہوں کو دھو ڈالتے تھے۔ وہ شخص نور نور ہو کر آگے چلا جاتا تھا۔ نیک و بد کی کوئی تمیز نہ تھی۔ ہر شخص پاک و صاف ہو کر جا رہا تھا۔ سبحان اللہ

عصیاں کی سیاہی کو دھو ڈالے جو پل بھر میں
ہوتی ہے وہ رحمت کی برسات مدینے میں

مدینہ منورہ میں آٹھ دن رہا۔ مجھے رات کو ستارے نظر نہیں آتے تھے کیونکہ فضائیں انوار سے بھرپور ہوتی تھیں اور سچ یہ ہے کہ آفتاب نبوتؐ کی موجودگی میں ستارے نظر بھی کہاں آسکتے ہیں۔ میں چاند کو دیکھتا تو وہ بھی روضہء پاکؐ کے پاس آ کر شرما کر دائیں بائیں ہو جاتا اور کبھی روضہء پاک کے مدمقابل نہ آتا۔ یہی حال سورج کا تھا۔ مجھے ہوائیں بہت ادب سے چلتی دکھائی دیتی تھیں۔ جب روضہء پاکؐ سے ٹکراتی تھیں تو جھک کر سلام عرض کرتی تھیں اور خوشبو میں بکھیرتی چلی جاتی تھیں۔ کبوتر اور دیگر پرندے بھی سراپا ادب تھے۔ وہ جب اڑتے روضہء پاکؐ کے قریب آتے تو جھک کر دائیں بائیں ہو جاتے اور کوئی پرندہ روضہء پاکؐ کے اوپر سے نہیں گزرتا تھا۔

میں جب جنت البقیع میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ یہاں بھی نور چھایا ہوا تھا۔ فرشتے صحابہ کی ارواح کی غلامی کر رہے تھے۔ وہاں جھاڑو دیتے، صفائیاں کرتے اور قربان ہو ہو جاتے تھے۔ ہر قبر ہی جنت کا ایک ٹکڑا تھی۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ "قبر یا تو جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہوتی ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہوتا ہے۔" روشن حقیقت کی طرح دکھائی دے رہی تھی۔ خاص طور پر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں، ازواج مطہراتؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت حسنؓ، حضرت حلیمہؓ اور حضرت ابراہیمؓ کی قبور تو جنت کا سا منظر پیش کر رہی تھیں۔

مدینہ منورہ میں، میں نے بہت برکت دیکھی۔ اگر ذرا سی چیز بھی لے لیتا تو کھا کھا کر

سیر ہو جاتا مگر وہ ختم نہ ہوتی۔ بے شک رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی برکتیں اور عظمتیں لامتناہی ہیں۔ یہاں رحمت و شفاعت کی خیرات ہمیشہ بٹتی رہے گی۔

چلے آئے گنہگاروں پہنچو بھی مدینے میں
بٹتی ہے شفاعت کی خیرات مدینے میں

آنچہ خوباں ھمہ دارند تو تنہا داری

خواجہ مبارک الدین ادیب

اور یہ ہی قلم ہے جس کے سرِ رقم سے محبوب خدا، فخر دو جہاں، خیر الوریٰ، سید کونین، شافع روز جزاء، شفیع المذنبین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان سرمدی اور شوکت اقدس میں، میں نے سلام و درود کا نذرانہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔
نطق زباں ہے کہ جو مدحت نور الہدیٰ کے لئے وقف ہے۔ نام نامی زبان پر آتا ہے تو درود و سلام کا ورد ہے جو جاری ہے۔ کچھ عجیب روحانی کیف ہے جھومتی ہوئی فضا ہے کہ ہر سمت طاری ہے، جذبہ الفت حب رسولؐ سے دل سرشار ہے، چشم پرنم ہے اشکبار ہے۔ اظہار ندامت ہے کہ پلکیں جھکی ہیں۔ مسلسل ایک ہوک قلب و جگر کی پہنائیوں سے اٹھتی ہے۔ نوک مژگاں پہ لرزتے ہوئے آبگینے اپنی چمک دمک کو زیادہ ہی فروزاں کئے ہوئے ہیں۔ سوز درون محبت آقائے دو جہاں سے یہ گوہر سیل رواں، یہ ابلتے ہوئے بیکراں آنسو میری چند روز زندگی کا بیش بہا سرمایہ ہیں۔ قدرت کے بخشے ہوئے اس ابدی خزینے کو سینے سے لگائے ہر شے سے بچائے۔ رموز حیات جسے خود سے بھی چھپائے۔ اب گوشہ عافیت کی تلاش میں یہاں دربار گاہ رسولؐ پر آپہنچا ہوں۔ سر منزل مجھے ذوق جنون دروں لے آیا ہے! حضور کے پرتو سے تخلیق عالم نے بقا پائی۔

حسن یوسفؑ، دم عیسیٰؑ، ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند، تو تنہا داری

جبل احد کی متبرک چٹانوں سے گھری ہوئی جنت نگاہ وادیاں ہوں یا باب العلوم کے خوشنما رہگذر یا سرزمین بطحا کی عطر بیز فضا میری توبہ و استغفار کی شاہد ہیں۔ روح بار عصیاں سے چور اور جسم ناتواں نحیف و نزار ہے۔ مضطرب بے چین و بے کل مسافر، مدینہ میں حاضر، بلند اور پر جلال سبز گنبد کی خوبصورت سنہری جالیوں کے قریب ریاض الجنتہ کے کسی مبارک ستون کا سہارا لئے دربار رسالت مآبؐ میں خجل و پریشان و نگوں سر استادہ ہے۔ باادب سراپا نیاز،

در دولت شاہ انبیاء پر حاضر ہے۔ بہ ادب و احترام و عجز و انکسار اپنے دونوں ہاتھ گدایانہ روضہء اقدس کی طرف اور بڑھا دیئے ہیں۔ کچھ معروضات پیش خدمت آقائے نامدار کر رہا ہے۔ یہاں تو بن مانگے نیک مرادیں پوری ہوتی ہیں۔ خالی دامن آنے والے ثمر مراد سے جھولیاں بھر بھر کے لے جاتے ہیں۔ عاصی نے تو خود دربار معلیٰ میں حاضر ہو کر رحمت جود و سخاوکرم سے سب کچھ ہی تو مانگ لیا ہے۔ دربار ہی ایسی شان و عظمت والے کا ہے۔ یہاں ہر ساعت اللہ کی رحمت برستی ہے۔ یہ بستی میرے حضور، میرے آقا، میرے سرکار کی بستی ہے۔ اس کرہ فانی پر اللہ کا پہلا گھر کعبہ اشرف اور پھر ہم یہاں ہی آکر

"چوم لیتے ہیں سنگ آستانے کا"

اللہ کے گھر بیت العتیق سے نبی کی نگری، مدینہ طیبہ تک سفر ایک ایسا حسین تصور ہے کہ جس کے حس سرور سے روح پر کیف اور جذبہ حب رسول سے سرشار ہو جاتی ہے۔ نور مجسم، فخر دو عالم، شافع محشر حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم بہ لطف و کرم، سلام و درود کا نذرانہ قبول فرمائیں تو ایک عاصی کا سفینہ مراد و کامرانی کے ساحل سے ہمکنار ہو۔ یہاں دعائیں مستجاب ہوتی ہیں۔

راز اس آتش نوائی کا میرے سینے میں دیکھ
جلوہ تقدیر میرے دل کے آئینے میں دیکھ

مکہ معظمہ سے مدینۃ النبی تک کولتار کی صاف و شفاف اور کشادہ سڑک وسیع میدانوں اور پتھریلی اور سنگلاخ راستوں پر بل کھاتی لہراتی دور افق سے سرگوشی کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ ادھر ہی سے زائرین کرام کے قافلے روز و شب رواں دواں رہتے ہیں۔

پروگرام کے مطابق میں اور میرے رفقاء بذریعے کار بعد نماز عصر مکہ معظمہ سے زیارت بارگاہ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے روانہ ہوئے۔ وادی بطحی سے گزرے تو سورج ڈھل رہا تھا۔ سہ پہر کے بعد شام کے سرمئی سائے بڑھتے ہی گئے۔ عروس شب کو مہتاب عالم نے اپنی چاندنی کی روپہلی چادر سے بقعہء نور بنا دیا۔

ہم وادی فاطمہ سے عفان ہوتے ہوئے تول پہنچے۔ یہاں سے ایک راستہ جدہ کی سمت بھی جاتا ہے۔ ہم مغرب کی نماز ادا کر چکے تھے۔ قضیہ سے گزر کر رابغ آئے۔ نماز عشاء کے لئے یہاں توقف کیا۔ مستورہ آئے۔ یہاں سے مدینہ جانے کے دو راستے ہیں۔ ایک

راستہ بدر سے ہو کر دوسرا راستہ بیئر الشیخ۔ ہم آخر شب بدر کے مقام پر آئے جہاں ۱۷ رمضان المبارک ۲ھ حق و باطل کے مابین ایک فیصلہ کن معرکہ بپا ہوا تھا۔ تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں فرزندان توحید اپنے مجاہدانہ عزم و استقلال کے ساتھ غالب اور فتح یاب ہوئے۔ غزوہ بدر کے معرکہ حق و باطل کے بعد حقیقی معنوں میں ایک اسلامی ریاست معرض وجود میں آئی اور آئین دین حق کی تشکیل ہوئی۔

ہمارے دلوں میں آرزوؤں کا ہجوم اور دل میں اس دعا کا ورد تھا کہ سحر ہونے سے قبل اور پو پھٹنے سے پہلے ہم دربار حبیبؐ پر غلامانہ حاضر ہوں اور اس ارض پاک پر اپنی پہلی نماز، نماز فجر مسجد نبویؐ میں باجماعت ادا کریں اور روضہء اطہر پر ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہونے کی سعادت میں اب ایک لمحہ کی تاخیر بھی گوارا نہ تھی۔ دل جذبہ کیف، ایمان سے معمور تھے۔ صبح کی پر سکون فضاؤں میں اللہ جل شانہ کی عظمت اور کبریائی کی صدا بلند ہوئی اور ہم بصد اضطراب و شوق مسجد نبویؐ کی طرف تیز خرام ہوئے۔ تکبیر تحریمہ کے ساتھ نماز باجماعت ادا کی۔ دل کی کلی باغ تمنا میں کھل کر مشکبار ہوئی۔ سامنے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا روضہء مبارک ہے۔ بڑے نصیب کی بات ہے۔ گنبد خضراء کا دلنواز اور حسین جلوہ آنکھوں سے اتر تا دل ناشکیب پر نقش دوام بن گیا۔

"نفس گم کردہ می آید مسیحا کلیم اینجا"

ادب سے سراپا نیاز ہو جائیے۔ درود و سلام کا نذرانہ لئے ریاض الجنہ سے گزر کر سنہری جالیوں کے روبرو آئیے۔ ذرا دیکھئے تو سہی دل سیماب وار کی کیا بات ہے۔ آنکھوں نے تو عمر کے جمع کئے ہوئے گہر ہائے نایاب کس طرح برسائے ہیں۔

ہزار بار بشوئم دہن زمشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبیست

روضہء اقدس پر حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ سنہری جالیوں کے سامنے سراپا نیاز ہو کر آپ کا رخ حضور پر نور، خورشید رسالت کے چہرۂ مبارک کی طرف ہوگا۔ درود و سلام پڑھئے۔ حضور اس نذرانے سے بہت خوش ہوتے ہیں۔ رحمتوں کی گھٹا برستی ہے۔ اب ذرا دائیں جانب حضرت ابو بکر صدیقؓ کی زیارت کریں۔ یہاں مواجہ شریف اور مقصورہ شریف ہیں۔ اس متبرک مقام پر حضرت ابو بکر صدیقؓ کا سر مبارک حضور تاجدار دو عالم صلی

اللہ علیہ وسلم کے سینہ مطہر کے برابر ہے اور حضرت عمر فاروقؓ کا سر مبارک حضرت صدیق اکبرؓ کے سینہ کے برابر ہے۔ ان کے علاوہ ایک قبر کی جگہ خالی ہے جس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے مخصوص بتایا جاتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ پر سلام پڑھنے کے لئے قدرے اور دائیں طرف آئیں تو حضرت عمر فاروقؓ کی زیارت ہوگی۔ یہ جلیل القدر صحابہ کرام میں سے ہیں۔ ہم اور آپ بہت خستہ قدم تھے مگر واماندہ منزل نہیں رہے۔ یہاں آکر آپ کی زندگی کے یہ سدا بہار لمحات درود و سلام سے مشکبار ہوئے ہیں۔ درود و سلام بہ کثرت وردِ زباں کیجئے، افضل ہے۔

حضرت فاطمہ زہراؓ کے لئے بھی اسی حجرۂ مبارک کے قریب دعا کریں۔ ان کی قبر اطہر کے بارے میں ایک روایت یہ بھی ہے جس کو روا رکھنا ضروری ہے۔

روح پہ وجد کچھ ایسا طاری ہوا، اپنی ہستی کے سارے نشاں کھو گئے

مولانا محمد اویس ندوی نگرامی

ہم بارہ دن مدینہ طیبہ (صلی اللہ علی صاحبہا) میں ٹھہرے۔ یقین کیجئے کہ مدینہ کے گلی کوچے، مدینہ کے بازار، مدینہ کے در و دیوار، اور مدینہ کی فضا میں کچھ ایسی کیفیت محسوس ہوئی کہ سو جان سے نثار ہونے کا جی چاہا، یہاں کی خاک پاک کے ہر ذرہ سے ہم کو محبت کی بو آئی، عہد نبوتؐ سے لے کر اس وقت تک یہاں کی اسلامی تاریخ کے سب اہم واقعے ہم کو یاد آئے۔

”نگاہ تصور نے مسجد نبویؐ میں بالخصوص روضۃ الجنۃ میں صحابہ کرامؓ کا مجمع دیکھا، محراب النبیؐ اور محراب التہجد کے پاس حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سربسجود پایا، اسطوانہ وفود کے پاس باہر کے آئے ہوئے وفود کو بارگاہ نبوتؐ میں باریاب ہوتے ہوئے دیکھا، اسطوانہ حرس کے پاس جاں نثاران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو اپنے دست مبارک سے کھول رہے ہیں۔ اسطوانہ سیدتنا عائشہؓ کے اردگرد خواص امت کے ہجوم کو دیکھا کہ نماز و دعا میں مشغول ہیں۔ گوش تخیل کو منبر شریف سے صحابہؓ کے درمیان حضورؐ کے مواعظ اور صفہ نبوی سے اصحاب صفہ کو تلقین و تعلیم کی آوازیں سنائی دیں۔

اور اس مبارک زمین کے اس مقدس حصہ کا حال آپ سے کیا بیان کیا جائے کہ جہاں سید المرسلین، حبیب رب العالمین حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مع اپنے دونوں رفیقوں اور وزیروں کے آج بھی جلوہ افروز ہیں۔ اللہ ہر مسلمان کو یہاں کی حاضری سے سرفراز کرے۔ وہ گھڑی بھولنے والی نہیں، جبکہ ایک سیاہ کار و گناہگار نے مواجہ شریف میں عرض کیا تھا کہ ”یا رسول اللہ کفار بھی اگر سائل بن کر اس دربار میں آئے تو محروم واپس نہیں گئے، ہم اپنے اعمال کے لحاظ سے جیسے بھی ہیں، مگر الحمد اللہ کہ عقیدۃً آپؐ کے دین کے ماننے والے اور آپؐ کے طریق کے چاہنے والے ہیں، اس لئے یا رسول اللہؐ ایسا نہ ہو کہ یہاں سے ہم محروم و ناکام واپس ہوں۔

قسم ہے رؤف و رحیم خدا کی اس نے "بالمومنین رؤف رحیم" جس ذات کی وصف اپنی کتاب مبین میں بیان فرمایا ہے اس کی رافت و رحمت نے ہر طرح کی دستگیری فرمائی۔

زباں سے درود، دل سے درود، آنسوؤں سے درود

مولانا سید محمد جعفر شاہ پھلواروی

بدر سے روانہ ہونے کے بعد آرزو تھی کہ کاش جلد پہنچ کر مسجد النبیؐ میں نماز عشاء باجماعت پڑھ لوں مگر یہ آرزو پوری نہ ہو سکی۔ کار کی رفتار سے کہیں زیادہ بے تابی کی رفتار بڑھتی جارہی تھی۔ کئی میل باہر ہی سے مسجد النبیؐ کے دونوں روشن مینار نظر آئے جو برقی قمقموں سے بقعہ نور بنے ہوئے تھے۔ دیکھتے ہی قلب الٹنے لگا۔ ایک چیخ نکلی اور آنکھوں سے اشک رواں ہوگئے۔ بچپنے سے ایک شعر یاد تھا وہ سامنے آگیا۔

ھناک روضۃ تفوح نسیما

صلوا علیہ وسلموا تسلیما

"یہ ہے وہ روضہ، جو خوشگوار نسیم کو پھیلا رہا ہے۔ اس پر صلوٰۃ وسلام بھیجو۔"

اتنا یاد ہے کہ زبان پر ورد جاری تھا۔ کون سا درود؟ یہ یاد نہیں۔ میری حالت دیکھ کر ایک رفیق سفر وحدہ واللہ کہہ کہہ کر مجھے تسکین دینے لگا۔ اسے کیا معلوم کہ

وان شفائی عبرۃ مھراقۃ

"بہتے ہوئے آنسو ہی میری تسکین وتشفی کا ذریعہ ہیں۔"

شوق پوری بے تابی کے ساتھ بڑھتا جارہا تھا۔ اے کاش میری نادم اور اشکبار آنکھیں پاؤں بن جائیں اور نگاہوں کے سہارے دیار حبیب تک سر کے بل چل سکتا۔ اس بے تابی کے باوجود محسوس ہو رہا تھا کہ کوئی چیز مجھے آگے جانے سے روک رہی ہے۔ عمر بھر کی نافرمانیاں، سیاہ کاریاں سامنے تھیں۔ اپنا اعمال نامہ آنکھوں کے سامنے تھا جسے میں پڑھ رہا تھا۔ بار بار خیال آتا تھا کہ یہ نجس قدم کس پاک سرزمین کو روندنے کے لئے جارہے ہیں۔ دل چاہ رہا تھا کہ اتر کر چپے چپے کی خاک کو اپنی آنکھوں سے لگاؤں۔ معلوم نہیں آقائے دو جہاںؐ کے قدم کہاں کہاں پڑے ہوں گے۔ اپنی ساری زندگی کی سیاہ کاریوں کے باوجود صرف ایک آس تھی جو مجھے کشاں کشاں لئے جارہی تھی۔

یہ ایک قرآنی آیت تھی جو ڈوبتوں کے لئے تنکے کا سہارا بن رہی تھی۔

ولو انهم اذ ظلموا جائوک فاستغفروا اللّٰه واستغفر لهم الرسول لوجدوا اللّٰه توابا رحیما

''یہ لوگ زیادتیاں کر کے اگر آپؐ کے پاس آتے اور اللہ سے طلب مغفرت کرتے اور رسول بھی ان کے لئے طالب مغفرت ہوتا تو وہ اللہ کو بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحمت والا پاتے۔''

شب کو ایک ہوٹل میں قیام کیا۔ تہجد کے وقت مسجد النبیؐ کے اندر اپنے معاصی کا بوجھ لئے ہوئے داخل ہوا۔ نماز صبح کی دعا سے فارغ ہوا اور ذرا دیر بعد اجالا ہوتے ہی اس قبہ خضراء پر نظر پڑی جس کے اندر حاصل کائنات اپنے دو مقدس رفیقوں کے ساتھ آرام فرما ہے۔

خاک یثرب از دو عالم خوش ترست
اے خنک شہرے کہ آنجا دلبرست
طور موجے از غبار خانہ اش
کعبہ رابیت الحرم کا شانہ اش

خوب کہا ہے کہنے والے نے۔

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو   کعبہ کو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو

دو اور شعر بھی سن لیجئے:۔

یا خیر من دفنت بالقاع اعظمه
فطاب من طیبهن القاع والاکم
نفسی الفداء لقبر انت ساکنه
فیه العفاف وفیه الجود والکرم

''اے وہ بہترین ہستی جس کی ہڈیاں زمین ہموار میں دفن ہیں اور جس کی خوشبو سے ہموار زمین اور ٹیلے مہک اٹھے۔ میری جان اس قبر پر فدا ہو جس میں آپ سکونت پذیر ہیں اور جس میں عفاف بھی ہے، جود بھی ہے اور کرم بھی۔''

روضہء پاک پر نظر پڑتے ہی اپنا سارا وظیفہ بھول گیا۔ دیوانوں کی طرح ادھر بھاگا۔

مجمعے کو چیرتا پھاڑتا روضے کے قریب پہنچا اور رک گیا اور آگے بڑھنے کی جرات نہ ہوئی۔ کبھی کہتا، اللّٰھم صلِّ علیٰ اور کبھی کہتا، صلی اللہ علیک یارسول اللہ۔ شوق نے جو کچھ کہلوایا، کہا۔ جو کچھ کرایا گیا، کیا۔ اگر شریعت میں کوئی گنجائش پاتا تو شاید سجدہ ہی کر لیتا۔ صرف فرمان رسول کا احترام تھا جو سجدے سے مانع رہا۔ معلوم ہو رہا تھا کہ سیلاب گریہ و بکا کے بند ٹوٹ گئے ہیں۔ جب بھی زور سے چیخ نکلی تو لاترفعوا اصواتکم نے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ شوق اور ادب میں ایک کشمکش جاری تھی اور میں دونوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ کبھی ادھر جاتا اور کبھی ادھر۔ زائرین کے دھکوں کا بھی مزہ لوٹتا رہا اور روحانی دھکوں کا بھی لطف لیتا رہا۔ ایک طرف میرا سیاہ نامہ اعمال اور دوسری طرف لاتقنطوا کی پکار۔ ادھر شرم و ندامت سے گردن جھکی ہوئی اور ادھر وبالمومنین رئوف رحیم کی آغوش رحمت کھلی ہوئی۔ رویا، چیخا، تڑپا، اشک ندامت سے تر کر کے صلوٰۃ وسلام کی ڈالی پیش کی۔ کیا بتاؤں مجھ پر کیا کیفیت طاری تھی؟ بس یوں کہہ لیجیے، گویا ایک انتہائی نافرمان و بدکردار فرزند اپنے روٹھے ہوئے باپ کے قدموں سے لپٹ کر طرح طرح سے منانے کی کوشش کر رہا تھا۔ باپ کی محض مثال ہے، ورنہ ہزاروں ماں باپ اس کی جوتیوں پر قربان ہوں، تو اس سے بڑی کوئی سعادت نہیں۔ اس بے خودی کے عالم میں کس کس طرف گیا، یاد نہیں۔ کیا دعائیں کیں یہ بھی یاد نہیں۔ یہ ایک کیف تھا جس نے سب کچھ بھلا دیا تھا۔

ز رحمت کن نظر بر حال زارم یارسول اللہ ﷺ

ڈاکٹر محمد عارف

دو پہر کا وقت ہو رہا تھا اور گرمی بڑھتی جارہی تھی کہ سبزے کے آثار نظر آنے لگے۔ تھوڑی ہی دیر میں کھجوروں کے باغات پر نظر پڑی تو دل نے گواہی دی کہ مدینہ قریب ہے، جس نے اللہ کے مہاجر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی آغوش الفت میں جگہ دی تھی۔ یقین نہیں آتا تھا کہ ہم وہ راہیں طے کر رہے ہیں جن پر انصار اور مہاجرین کی اخوت کی لافانی مثالیں مرتب ہوئی تھیں۔ ہوس کے ہاتھوں ٹکڑے ٹکڑے ہونے والی نوع انسانی کے لئے یہاں کے سنگریزے بھی اکسیر ہیں۔ مسجد نبویؐ سے نکل کر انہی راستوں سے گزرنے والے بے سرو سامان قافلوں نے محض ذوق یقین کے سہارے تاریخ عالم کی بساط کو الٹ کر رکھ دیا تھا۔ دنیا میں برسنے والی رحمت کی بدلی یہیں سے اٹھی تھی اور قیصر و کسریٰ کے خزانوں کے ڈھیر یہیں لا کر ایک بوریا نشین اور خرقہ پوش امیر المومنین کے قدموں میں ڈالے گئے تھے مگر جب شہر کے در و دیوار پر نظر پڑی تو اس کی سادگی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول "الفقر فخری" کا جیتا جاگتا مظہر نظر آئی۔ دور ہی سے مسجد نبویؐ کے بلند اور نازک مگر باوقار مینار اور روضہء اطہر کا سبز گنبد نظر آنے لگا۔ فضا میں ایک عجب سکون اور آسودگی ہے۔ اس سکون کے باوجود روضہء اطہر کی زیارت کا شوق دل میں طوفان اٹھا رہا تھا، دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں، جسم میں ارتعاش پیدا ہوا اور آنکھیں اس منظر کو سمو لینے کے لئے بے قرار ہوگئیں، زبان پر بے اختیار آ گیا۔

بلغ العلیٰ بکمالہ کشف الدجیٰ بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ صلوا علیہ وآلہ

ٹیکسی آہستہ آہستہ شہر میں داخل ہوئی اور اس کے کوچہ و بازار میں سے گزرنے لگی۔ سڑکیں قدرے تنگ تھیں، عمارات سادہ تھیں اور شہر کی زندگی میں ٹھہراؤ محسوس ہوتا تھا۔ چہروں پر تشکر بھی تھا اور سنجیدگی بھی۔ جب ٹیکسی مسجد کے بڑے دروازے باب عبدالمجید کے

سامنے رکی تو مسجد سے ظہر کی اذان کی دلنواز صدا بلند ہوئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اپنے شہر میں ان کی نبوت کی تصدیق باآواز بلند ہو رہی تھی۔ ذہن میں فوراً اس منظر کا خیال آ گیا جب بلال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہوئے اذان میں ان کی نبوت کی شہادت دیا کرتے تھے۔

کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی اس کی

اب وہ مناظر کہاں؟ ہاں اگر قلب منور ہو جائے تو زمان و مکان کے فاصلے مٹ سکتے ہیں اور انسان سب کچھ دیکھ سکتا ہے۔

ہوٹل پہنچ کر غسل کیا اور کپڑے بدل کر دربار نبویؐ میں حاضری کی تیاری کی۔ کمرے کی کھڑکی سے باہر جھانکا تو گنبد خضراء، مینار اور مسجد کا صحن بالکل سامنے تھے۔ چند لمحوں کیلئے نگاہیں وہیں جم گئیں اور یقین نہیں آتا تھا کہ ہم مسجد کے اس قدر قریب ہیں۔ مسجدیں تو لاتعداد ہیں مگر یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کی امین بھی ہے اور اس کی بنیادوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ بھی شامل ہے۔ کچی اینٹوں اور کھجور کے تنوں سے بننے والی یہ دنیا کی عظیم ترین مسجد تھی۔ اس وقت اس کا طول ۱۳۵ فٹ اور عرض ۹۰ فٹ تھا۔

اندرون مسجد کی خوبصورتی اور زیبائش ہمارے سامنے تھی۔ سنگ مرمر کے فرش کو سینکڑوں نرم اور خوبصورت قالینوں نے ڈھانپ رکھا تھا۔ چھت سے بے شمار چمکتے ہوئے فانوس لٹک رہے تھے اور بلند و بالا ستون خود بخود زائروں کی توجہ کا مرکز بن جاتے تھے۔ یہ مسجد کا جدید حصہ ہے۔ ہزار ہا لوگ نفل پڑھنے اور قرآن حکیم کی تلاوت میں مصروف تھے۔ فضا میں اثر انگیزی تھی۔ اس کے بعد مسجد کا صحن ہے جہاں ہزاروں کبوتر دانہ چگ رہے تھے جو زائرین بڑے شوق سے ڈالتے ہیں۔ پھر مسجد کا وہ حصہ ہے جو ترک دور کی یادگار ہے۔ اس کے آگے مسجد کا قدیم ترین حصہ ہے اور بائیں جانب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روضۂ اقدس ہے۔

روضۂ اطہر سے ملحق دائیں جانب مسجد کا جو حصہ ہے اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کا باغ قرار دیا تھا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اپنے منبر اور روضے کی درمیانی جگہ ہے (موجودہ منبر قبلہ رخ توسیع کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر سے خاصا آگے ہے)

مقصورہ تقریباً پچاس فٹ مربع ہے۔ پیتل کی جالی سلطان قایت بے نے لگوائی اور گنبد خضراء سلطان محمد نے بنوایا۔ احاطے کے تمام دروازے مقفل رہتے ہیں۔ قبلہ رخ تین دروازے ہیں جن میں جالیاں لگی ہیں۔ اندر روشنی نہیں ہے بلکہ انتہائی دبیر سبز پردے ڈال کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دونوں خلیفوں کے مزاروں کو نگاہوں سے اوجھل کر دیا گیا ہے۔ یہ پردے اس قدر بلند ہیں کہ چھت تک جا پہنچتے ہیں لیکن چونکہ محافظ جالیوں کے قریب نہیں جانے دیتے اور روشنی بھی بہت کم ہوتی ہے، اس لئے ان کا اوپر کا حصہ نظر نہیں آتا۔ پردوں پر سفید رنگ میں ایک خوبصورت طریقے سے قرآن کی وہ آیت بار بار چھاپی ہوئی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی باہمی محبت اور کفار کے مقابلے میں اولوالعزمی کا ذکر ہے۔ چھت کے قریب پردوں پر سرخ رنگ کے بینرز لگے ہیں جن پر سنہرے حروف میں مختلف آیات لکھی ہیں۔ سبز پردوں پر جانب مغرب تین سرخ چوکھٹے لگے ہیں جن پر سنہرے تاروں میں عربی میں لکھ کر تینوں مزاروں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ پردوں پر سنہرے تاروں سے ایک بڑا سا بیضوی نشان بھی بنایا گیا ہے تا کہ زائرین کو اندازہ ہو سکے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک کس جگہ ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ ایک پردہ نہیں بلکہ اس کے پیچھے دو پردے اور بھی ہیں تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہؓ کے مزار گرد و غبار سے محفوظ رہ سکیں، البتہ روشنی نہ ہونے کا کوئی جواز سمجھ میں نہیں آتا۔ سوائے اس کے کہ تسکین ذوق میں تشنگی کچھ زیادہ ہی رہے۔ ان تینوں دروازوں پر جو جالیاں لگی ہیں ان پر سنہری دھات میں اللہ کی حقانیت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا یہ اقرار بار بار کندہ کیا گیا ہے۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ملک الحق المبین۔ محمد رسول اللّٰہ صادق الوعد الامین

دیوار پر قرآنی آیات کے طغرے فریموں میں لگے ہیں۔ ان میں ایک تو وہ مشہور آیت ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔

''اے نبیؐ! ہم نے آپ کو گواہ، بشارت دینے والا، ڈرانے والا، اللہ کی طرف دعوت دینے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔''

روضے کے عین باہر ایک فریم میں وہ آیت لکھی ہے جس میں اہل ایمان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں آواز نیچی رکھنے کو کہا گیا ہے۔

ان جالیوں کے قریب پہنچے تو عرق انفعال کے قطرے ٹپکنے لگے کہ شاید شان کریمی موتی سمجھ کر چن لے۔ زبان گنگ تھی مگر دل کو جائی نے زبان دے دی۔

غریبم، بے نوایم، خاکسارم، یا رسول اللہؐ
زرحمت کن نظر بر حال زارم، یا رسول اللہؐ
توئی تسکین دل، آرام جاں، صبر و قرار من
رخ پر نور بنما، بے قرارم، یا رسول اللہؐ

نگاہیں اس بیضوی نشان پر اٹھتی تھیں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ پرنور کی نشاندہی کرتا ہے اور خودبخود جھک جاتی تھیں۔ قرآن نے اسی کو تو ''سراج منیر'' کہہ کر اس کی ضیاپاشیوں کی تصدیق کی ہے۔

حسن یوسفؑ، دم عیسیٰؑ، ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند، تو تنہا داری

عجب منظر تھا، بے شمار لوگ دنیا و مافیہا سے بے خبر زار و قطار رو رہے تھے۔ اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کر رہے تھے اور جھولیاں پھیلا پھیلا کر رحمت عالمؐ سے ہدایت اور شفاعت کی بھیک مانگ رہے تھے۔ ہم نے بھی بادیدہ تر عرض احوال کی۔ اپنی بے بضاعتی کا اعتراف کیا، عفو اور رہنمائی کے طلب گار ہوئے اور اپنے ملک اور قوم کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایات کی التجا کی۔

مسجد نبویؐ میں گزرے ہوئے وہ چند لمحے ہمیشہ یاد رہیں گے۔ قلب و ذہن کی عجیب کیفیت تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے منبر و محراب سامنے تھی۔ زمین وہ تھی جہاں تاریخ عالم کے سب سے برگزیدہ انسانوں نے سجدے کئے تھے۔ چوکھٹ وہ تھی جہاں سلاطین بھی سر جھکا کر اور عجز و نیاز کے ساتھ آتے تھے۔ در و دیوار وہ تھے جہاں ہر وقت انوار الٰہی کی بارش ہوتی تھی اور بائیں، جانب وہ ہستی محو خواب جس کے بارے میں کسی نے

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

کہہ کر دلی جذبات کا اظہار کیا اور کسی نے

زیب داماں ابد، طرۂ دستار ازل

کہہ کر کروڑوں دلوں کی ترجمانی کی۔

آنکھیں چمک اٹھیں، دل و جان مہک اٹھے

قاضی محمد سلیمان منصور پوری

مکان میں قیام کر کے ہم نہائے، کپڑے بدلے، پاک صاف ہو کر مسجد نبویؐ کی جانب جانے کو تیار ہوئے۔ اس وقت دل کی عجیب کیفیت تھی۔ شوق میں جان و تن مائل پرواز تھے اور روضۂ نبیؐ زیارت کی تمنا میں روح قالب عنصری سے پہلے پہنچ جانے کے لئے بے قرار تھی۔ دل و دیدہ میں رقابت سی معلوم ہوتی تھی اور جان و تن میں نفسا نفسی کی حالت نمایاں تھی۔

ہم شہرہ پناہ کے باب مجیدی سے داخل ہوئے تو سامنے مسجد نبوی تھی۔ یہ عمارت کسی قدر نشیب میں واقع ہے، ارگرد کی زمین بلند ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اصلی سطح کو قائم رکھا گیا ہے۔ بلند کرسی کے دینے سے عمارت بلحاظ فن تعمیر بے شک زیادہ خوشنما ہو جاتی ہے مگر جو برکت اصلی سطح کی ہے وہ ضرور مفقود ہو جاتی ہے۔

ہم مسجد میں عجز و خشوع کے ساتھ داخل ہوئے۔ تحیۃ المسجد ادا کرنے کے بعد روضۂ اطہر کی جانب گئے اور وجہ اقدس و انورؐ کے سامنے باادب تمام کھڑے ہو کر سلام عرض کیا۔ پھر حضورؐ کے وزراء ابوبکر صدیقؓ و عمر فاروقؓ پر سلام پڑھا اور پھر نماز ظہر میں شامل ہو گئے۔

اللہ اکبر! اس فرحت شادمانی کا بیان نہ قلم سے ہو سکتا ہے۔ نہ زبان سے جو اس نعمت عظمیٰ اور منت کبریٰ کے حصول سے ہمیں حاصل تھیں۔

کمال فرط عقیدت سے جھک گئیں آنکھیں

راجا محمد شریف (بی۔اے)

بہر حال جب ہم روضہء اقدس کی جالیوں کے نزدیک گئے تو عجب سماں تھا۔ ہزاروں لوگ نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ گردنیں جھکائے دربار رسالتؐ میں کھڑے تھے اور اپنے دلوں کے زخم دکھا رہے تھے۔ ہر آنکھ پرنم تھی اور ہونٹوں پر خاموش فریادیں تھیں۔ میں اور میری بیوی آگے بڑھ کر اس ہجوم میں شامل ہو گئے جو دربار نبوتؐ میں حاضری دے رہا تھا۔ جونہی جالیوں پر نظر پڑی فرط عقیدت سے جذبات کا طوفان آنسو بن کر اُمڈ آیا۔ آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے۔ ہمارے لبوں پر درود و سلام کے الفاظ تھے مگر دل اپنے زخموں کو بالترتیب چشم نبوتؐ کے سامنے پیش کر رہا تھا۔ دل کی اختیاری کا یہ عالم تھا کہ بار بار جالیوں کو چومنے کو دل چاہتا تھا لیکن محافظوں کی موجودگی ہمارے اور جالیوں کے درمیان ایک دیوار کی صورت کھڑی تھی مگر لوگ پھر بھی دھکے وغیرہ کھا کر جالیوں سے اپنے ہونٹ مس کر آتے تھے۔ ہمیں اگرچہ اس قانون شکنی کی ہمت نہیں تھی پھر بھی ہم آنسو بھری آنکھوں سے ہی درگاہ عالی کو چوم رہے تھے اور سانس کے ساتھ دلی عقیدتوں کا نذرانہ پیش کر رہے تھے۔ علامہ اقبالؒ مرحوم و مغفور نے ان جذبات کی کیا خوبصورت عکاسی کی ہے:

تو ہم آں مے بگیر از ساغر دوست
کہ باشی تا لبد اندر بر دوست
سجودے نیست اے عبدالعزیز ایں
بروبم از مژہ خاک در دوست

علامہ اقبالؒ نے جس رکاوٹ کا ذکر اس شعر میں کیا ہے وہ اب بھی موجود تھیں اور میرا خیال تھا کہ یہ رکاوٹ نہایت ضروری ہے کیونکہ اگر چند لمحوں کے لئے بھی گنبد خضراء کے محافظ یہاں سے ہٹ جائیں تو لوگ فرط عقیدت اور والہیت میں نہ صرف جالیوں کے ایک ایک انچ پر بوسے دیں بلکہ تبرکاً جالیاں ہی اکھاڑ کر لے جائیں کیونکہ یہاں سب لوگ جس

دیوانگی اور شیفتگی میں کھڑے درود و سلام بھیج رہے تھے اور جو سیلاب عزت و احترام ہمارے دلوں میں حضور سرور کائنات کی ذات اقدس کے لئے موجزن تھا۔ اس کے تقاضوں سے بغیر کسی پابندی سے عہدہ براں ہونا مشکل تھا۔

ہم نے روضہء اقدس کی جالیوں کے پاس کھڑے ہو کر شیخین کو بھی سلام پیش کیا جو حضور سرور کائناتؐ کے قدموں میں ابدی نیند سو رہے ہیں۔ جالیاں اور ستون علیحدہ علیحدہ تینوں قبروں کی نشاندہی کرتے ہیں۔ محافظ خود بتلاتے رہتے ہیں کہ ان جالیوں کے پیچھے حضور سرور کائنات کا مزار اقدس ہے اور ان کے پیچھے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور سیدنا عمر بن الخطابؓ کی قبریں ہیں۔

گزرے ہیں وہ لمحے کہ سدا یاد رہیں گے

صاحبزادہ محمد مطلوب الرسول

توباشی انجا وباخاصاں بیامنیر　　　کہ من دارم ہوائے منزل دوست

راقم الحروف بمعہ چند نفوس مکہ معظمہ میں حاضری کے بعد مدینہ منورہ کی طرف جب روانہ ہوا تو عجیب کیف و مستی کا عالم تھا۔ یہ راستہ طریق الہجرہ کہلاتا ہے۔ جب حضور انور نے بمعہ اپنے یار غار حضرت ابوبکر صدیقؓ مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی تو اسی راستے چلتے چلتے ہی سرزمین مدینہ منورہ داخل ہوئے۔ اب حکومت نے اسی نشان راہ پر شاہراہ مدینہ منورہ بنادی ہے جبکہ پہلے براستہ جدہ رابغ اور وادی بدر سے گزر کر زائرین حاضر حضورؐ ہوتے تھے۔ طریق ہجرہ کے دونوں جانب سیاہی مائل پہاڑیاں اور سنگلاخ ٹیلے ہیں۔ یہ سڑک پہاڑوں کو چیرتی، اپنے منزل مقصود کو رواں دواں ہے۔ سبحان اللہ وہ کالی پہاڑیاں اور جنگل و بیاباں کا منظر دل و جان میں سمو جاتا ہے۔ سڑک اتنی ہموار اور صاف ہے کہ نیند غالب آجاتی ہے اور طبیعت پر جبر کر کے یہ عظیم نظارے جاگ کر دیکھنے کو جی چاہتا ہے۔ ناچیز بھی جبری بیداری سے راستے کا لطف لیتا رہا۔

یہ روحانی سفران تخیلات و احساسات میں گم ہوں کہ کبھی اسی راستے ہمارے آقا و مولاؐ اپنے مخلص غلام اور یار غار ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ گزرے ہوں گے۔ کسی شاعر نے کیسا اچھا کہا ہے:

درمنزلے کہ جاناں گاہے اشید باشد۔ باخاک آستانش داریم مرحبائے ایک دوسرا شاعر کہتا ہے:

کف پا بہر زمینے کہ رسد تو نازنین را　　　بہ خیال نود بھوسم ہم عمران زمین را

ایک پنجابی شاعر نے بھی حقیقت خوب بیان کی:

حشر تک اوہ پاک راہواں سجدہ گاہواں ہو گیا
جہاں رہواں تو میرے آقاؐ دا پھیرا ہوگیا

اب مدینہ منورہ کی پاک سرزمین میں اس آلودہ عصیاں کو بمعہ احباب حاضری کا شرف نصیب ہو رہا ہے جہاں میرے آقاؐ کا مسکن ہے اور رب کائنات کے محبوب کا وطن مالوف اور روضہء اقدس ہے۔

اسی پاک سرزمین کو تاقیامت یہ شرف حاصل ہے کہ اسی سے ہمیشہ نور کے چشمے اور تا قیام قیامت رشد و ہدایت کی شعاعیں ایک دنیا کو منور کرتی رہیں گی اور عشاق والہانہ جذبات کے ساتھ اسی زمین بوسی کا شرف حاصل ہوتا رہے گا۔

فان من جودک لدنیا وضر تہا ومن علومک علم اللوم والقلم

اسی شہنشاہ کونینؐ کے حضور عجب ہی کیفیات واردات کا ظہور ہوتا ہے وہاں نہ گھر نہ وطن نہ دوست و احباب یاد ہیں اور نہ دنیاوی آلودگیاں نزدیک پھٹکتی ہیں۔ بس ایک سرور ہے ایک لگن ہے، ایک مستی ہے، محویت ہے۔

بز تحیر عشق میں نہ جنوں رہا نہ پری رہی
نہ تو تو رہا نہ تو میں رہا جو رہی سو بے خبری رہی
شہ بے خودی نے عطا کی مجھے جب لباس برہنگی
نہ خرد کی بخیہ گیری رہی نہ جنوں کی پردہ دری رہی

اور پھر اس کیف و سرور میں لیل و نہار بسر ہوئے کہ اپنی تمام تر خامیوں کے باوجود حاضر ہو کر سرکارؐ کے قدموں پر نچھاور ہو گیا۔

چو اسی بکو کے دلبر بسیار جان مضطر کہ صبا دبار دیگر نہ اسی بدی تمنا

شاید کہ اتنے طویل سفر کا مقصد اسی خلاصہ کائنات کے قدموں میں مضمر تھا۔

تو فرمودی رہ بطحا گرفتم وگرنہ جز مارا منزلے نیست

حاضری کے دوران اس پناہ بیکساں کے حضور اپنے مافی الضمیر معروضات کچھ ایسے پیش کرتا رہا۔

یا اکرم الخلق مالی من الوذبہ سواک عندحول الحادث العمیم
ھوالحبیب الذی ترجی شفاعتہ لکل ہول من الا ھوال مقتحم
یارسول اللہؐ بسوئے تو پناہ آوردہ ام ہیچو کاہے عاجزم کوہ گناہ آوردہ ام
چہ کم ...... جاہے چونتو شاہے اگر گاہے کئی یوم نگاہے

سبز گنبد کی تابانیاں

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری

جتنے روز مکہ مکرمہ میں رہا، صبح کے بعد گیارہ بجے تک سیرت طیبہ پر نظر ثانی کی سعادت حاصل کرتا رہا۔ اسی جگہ بیٹھنے کے لئے ملی کہ نگاہیں جھکاتا تو سیرت کے جلوے نظر آتے اور نگاہیں اٹھاتا تو انوار کعبہ مقدسہ دل ونگاہ کو روشن کرتے محسوس ہوتے۔

جب سے محبوب رب العالمین ؐ کے نگر میں حاضری نصیب ہوئی ہے۔ صبح کی نماز کے بعد صحن شریف میں وہاں بیٹھتا ہوں جہاں سبز گنبد کی تابانیاں دل کو روشن کر رہی ہوتی ہیں اور میں سیرت طیبہ کا مطالعہ کرتا رہتا ہوں۔ بڑا ہی لطف آتا ہے جو نا قابل بیان ہے یوں محسوس ہوتا ہے کہ میرے آقا، میرے کریم آقا اپنے غلام، ادنیٰ ترین غلام کی اس کوشش کو قبول فرمالیں گے۔

تم بھی اپنی زندگی کو اپنے حبیب کریم ؐ کی غلامی کے لئے وقف کردو۔ بیٹا! جو لطف اور مزہ اس میں ہے وہ ہفت اقلیم کی سلطانی میں بھی نہیں۔ بخدا یہ سچی بات ہے اس میں بناوٹ نہیں، ذرا بھی تکلف نہیں۔

(صاحبزادہ محمد محسن شاہ کے نام حضرت کے مکتوب گرامی سے اقتباس)

نظر شرمندہ شرمندہ، بدن لرزیدہ لرزیدہ

محمد یٰسین شیخ

حرم نبویؐ میں داخلے کے لئے باب جبرئیلؑ کی طرف سے جانا ہو تو غیر شعوری طور پر نگاہیں اوپر کی جانب اٹھ جاتی ہیں۔ سبز گنبد لمحے بھر کے لئے بڑھتے ہوئے قدم روک لیتا ہے۔ اگلا قدم اٹھانے سے پہلے ایک بار اسے جی بھر کر دیکھ لینے کی خواہش ابھرتی ہے۔ چلتے چلتے ٹھہر جانا دیکھنا اور دیکھتے رہنا۔ اسی عمل سے سب کو گزرنا پڑتا ہوگا۔ بعض زائرین گروہ در گروہ باب جبرئیلؑ کے سامنے وسیع و عریض فرش پر مودب بیٹھ جاتے ہیں۔ وہیں سے دعاؤں کا ورد شروع کرتے ہیں، التجائیں حضورؐ کے گوش گزار کرتے ہیں، روتے ہیں، گڑگڑاتے ہیں اور اس کے بعد اندر داخل ہو کر سنہری جالیوں کے سامنے پرنم آنکھوں اور کانپتے ہونٹوں سے خدمت اقدس میں سلام پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ ہمیں آپؐ کے قدموں کی جانب سے اندر داخل ہونے میں بڑی راحت محسوس ہوتی ہے۔ زندگی کی چند شامیں "صفہ" پر بیٹھ کر ہم نے رفقاء رسولؐ کی سنت پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کی۔ اس محدود سے چبوترے پر بیٹھنے کے لئے ہزاروں افراد پہلو بدلتے رہتے ہیں۔ ہمیں کوئی ایک شخص نہیں ملا جسے یہ ملال رہ گیا ہو کہ وہ جگہ کی تنگی کے باعث وہاں چند لمحے بیٹھ کر دعائیں مانگنے سے محروم رہ گیا ہو۔ پتہ نہیں وہ چبوترہ اپنے اندر ہزاروں آدمیوں کے بیٹھنے کی گنجائش کس طرح پیدا کر لیتا تھا۔

روضہ رسول علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں حاضری کے موقع پر سنہری جالیوں کو دیکھنا اور ان کے سامنے کھڑے ہونا پہلا قدم ہے جس کے بعد درود و سلام اور دعاؤں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ یہ مرحلہ حقیقتاً بہت مشکل سے طے ہوا اور پتہ نہیں بالکل اسی طرح طے ہوا بھی یا نہیں جس طرح اسے طے ہونا چاہئے تھا۔ برسوں کی یہ تمنا کہ سنہری جالیوں سے لپٹ کر حال دل عرض کریں گے، مچلتی رہی، وہاں موجود خدام کی بار بار یہ تنبیہ کہ دعا کے لئے ہاتھ اٹھا کر اپنا رخ خانہ کعبہ کی جانب کرلیں، عجیب الجھن میں ڈالتی رہی۔ ہمارے دل میں کبھی

بھی یہ خیال نہیں آیا کہ اللہ کے علاوہ کسی اور کے آگے دست سوال دراز کریں۔ نہ ہی تصور میں بھی یہ بات آئی ہے کہ کسی اور سمت کو خانہ کعبہ والی سمت پر ترجیح دیں۔ لیکن وہاں پہلی بار ہم مشکل میں تھے۔ دعا کے لئے ہاتھ اٹھا کر اگر اپنا رخ خانہ کعبہ کی سمت کرتے ہیں تو ان سنہری جالیوں کی جانب پشت ہو رہی تھی۔ جنہیں اپنی زندگی ہی میں دیکھ لینے کی آرزو یہاں تک لائی تھی۔ جالیوں کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے تو اللہ کے اس پیارے کی ناراضگی کا ڈر تھا۔ جس نے ہمیشہ صرف اور صرف اللہ ہی سے مانگنے اور اسی کی عبادت کرنے کا درس دیا تھا۔ عجیب مخمصے میں تھے۔ دل اور ذہن کی کشمکش ناقابل بیان تھی۔ ایسی مشکل میں اسی نے دستگیری کی۔ دعا کے لئے اٹھنے والے ہاتھ ایک دوسرے سے جڑے ہوئے خود ہی ناف تک آ کر بندھ گئے۔ جھکی ہوئی نظریں اور جھک گئیں۔ ہمیں پھر یہ احساس بھی نہ رہا کہ ہم کس کے حضور ہاتھ باندھے کھڑے ہیں۔ میں حاضر ہوں۔ میں حاضر ہوں کی گردان جاری تھی۔ اس کے بعد کیا کہنا تھا ہم کیا کہنا چاہتے تھے لیکن وہ الفاظ ہچکیوں کے ساتھ اس طرح مدغم ہو جاتے کہ پتہ بھی نہ پڑتا جتنی دیر ہم وہاں رہے۔ میں حاضر ہوں میں حاضر ہوں کی آواز کبھی ہونٹوں سے اور کبھی دل سے باہر نکلتی رہی۔ بڑھتے ہوئے ہجوم کی وارفتگی نے جب ہمیں آنکھیں کھولنے پر مجبور کر دیا تو احساس ہوا کہ ہمیں دو نفل نماز شکرانہ ادا کر لینی چاہئے۔ ہم جالیوں سے اور آگے بڑھتے ہوئے عین باہر جانے والے دروازے کے قریب پہنچ گئے۔ رخ خانہ کعبہ کی جانب تھا۔ پشت پر آتے جاتے لوگ تھے۔ اسی عالم میں ہم نے دوگانہ نماز ادا کی۔ روضہ رسول علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر حاضری کے وقت نماز نے ہمیں جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ اس دن کے بعد سلام کے لئے حاضر ہوتے تو الٹے پاؤں صف پر لوٹ آتے۔ وہاں پتہ نہیں کب تک نماز پڑھتے رہتے۔ سنہری جالیاں اور سیاہ غلاف میں لپٹا ہوا بیت اللہ دونوں ہی ہماری سجدہ گاہ کے سامنے ہوتے تھے۔ صف پر آنے کے لئے بے تابی کا مفہوم انہی دنوں کچھ کچھ سمجھ میں آیا تھا۔

دو نفل مسجد نبویؐ میں ریاض الجنۃ بھی مشتاقان دید کی نگاہوں کا مرکز ہونے کے ساتھ ساتھ جبین نیاز جھکانے کا سب سے زیادہ مسحور کن آستانہ ہے۔ اس مقام کے بارے میں روایات یہی ہیں کہ سرکار دو عالمؐ یہاں کھڑے ہو کر نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ اس سے متصل وہ مقام ہے جہاں حضرت بلالؓ اللہ کی وحدانیت کا اعلان اور اس کی عبادت کے لئے

دعوت عام دیا کرتے تھے۔ ریاض الجنتہ میں سب کی نگاہیں اس محراب پر جمی رہتی تھیں۔ جہاں سب باری باری دوگانہ نماز کے لئے بیتاب رہتے تھے۔ پہلے دن ہم بھی اس صف میں شامل ہو گئے جہاں سب دوزانوں بیٹھے تھے اور آہستہ آہستہ سرکتے ہوئے آگے کی جانب بڑھ رہے تھے۔ ایک ڈیڑھ گھنٹہ قطار میں بیٹھے بیٹھے سرکنے کے بعد جب ہم محراب کے بالکل قریب پہنچ گئے تو ہماری نظریں دائیں جانب واضح طور پر لکھے ہوئے ''مصلیٰ رسولؐ اللہ'' پر پڑی۔ اک شعلہ سا لپکا اور پورے وجود کو لرزا گیا۔ ذہن میں گھنٹیاں سی بجنے لگیں۔ آنکھوں کے آگے روشنی کے جھماکے سے ہونے لگے۔ کوئی بار بار ہم سے کہتا کہ یہی وہ مقام ہے جہاں سرور کائناتؐ، اللہ کے حضور سربسجود ہوا کرتے تھے۔ کیا تم یہاں کھڑے ہونے کی صلاحیت رکھتے ہو؟ کیا تمہارا وجود اس قابل ہے کہ عین اسی مقام پر کھڑے ہوسکو؟ کیا تم نماز اور اس مقام کا احترام کرنے کی اہلیت رکھتے ہو؟ کئی سوالات یکے بعد دیگرے ذہن پر یلغار کرنے لگے۔ جذبہ وعقیدت موجود ہے لیکن جوش وولولہ پتہ نہیں کہاں غائب ہو گیا۔ اسی مقام پر سجدہ کرنے کی خواہش پر اپنی بے طاقتی اور کم ہمتی حاوی ہوتی چلی گئی۔ غیر محسوس انداز سے ہم نے اپنی نشست بدلی اور اس سے دو قدم پہلے ہی نیت باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ نماز کے بعد پھر حسرت بھری نگاہوں سے اس مقام کو دیکھا اور ہجوم کے درمیان شامل ہو کر باہر نکل آئے۔ دن بھر اپنی نقاہت پہ قابو پانے کی کوشش کرتے رہے اور صبح تک پھر اس خواہش کا غلبہ محسوس کر کے ریاض الجنتہ میں اسی ترتیب سے آگے سرکنے والوں کی قطار میں شامل ہو گئے۔ دوسرے دن بھی وہی کچھ ہوا جو کچھ پہلے دن ہو چکا تھا۔ قریب پہنچتے ہی حوصلے نے ساتھ چھوڑ دیا اور پھر اگلے دن کی امید پر واپس ہو لئے۔

تیسرے دن ہمت نہ ہونے کے باوجود ہم پھر اسی قطار میں شامل تھے۔ اب کی بار ہجوم اس قدر زیادہ تھا کہ گوہر مقصود تک پہنچنے کے بعد کم ہمتی کے سبب ادھر ادھر ہو جانے کی قطعا جگہ نہ تھی۔ اپنے آپ کو سنبھالا، ایک قدم اور پیچھے ہٹے۔ کانپتے ہاتھوں کو کانوں تک اٹھایا اور ہاتھ باندھ لئے۔ اس کے بعد ہمیں یاد نہیں کہ کیا کچھ پڑھنا تھا اور کیا پڑھا۔ کتنی دیر وہاں ہاتھ باندھے کھڑے رہے۔ اس کا بھی اندازہ نہ ہوسکا۔ چشم وا سے ایک بار ''مصلیٰ رسولؐ اللہ'' کے الفاظ دیکھے تھے۔ پھر آنکھیں کھولنے کی طاقت جاتی رہی۔ تصور کا بھی یارا نہ تھا۔ کہ ہمیں کسی اور دنیا میں لے جاتا۔ پہلی بار ایسا لگا کہ ہمارا جسم ہمارے ساتھ نہیں۔ روح اور جسم

کے باہمی تعلق کے قطع ہو جانے کا یہ تجربہ کس درجہ حیران کن تھا۔ نہ اس وقت بیان کیا جا سکتا تھا اور نہ آج اس کی وضاحت کے لئے الفاظ ڈھونڈے جا سکتے ہیں۔ ہم اس جگہ سے خود ہٹے تھے یا ہجوم کے دباؤ نے ہمیں ہٹنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اچھی طرح یاد نہیں البتہ کافی دیر بعد جب ہمارے ہوش و حواس بحال ہوئے تو ہمیں بڑی شدت سے اس بات کا خیال آیا کہ ہم نے اپنی حیثیت اور اوقات سے بڑھ کر ایک ایسے مقام تک جست لگائی تھی جہاں مدتوں ریاضتیں کرنے والے ہی پہنچ سکتے ہیں۔ اسی لئے اس دن کے بعد سے عافیت اسی میں جانی کہ ''اصحاب صفہ'' والے مقام پر جگہ تلاش کی جائے۔ شام ہوتے ہی ہم وہاں جگہ بنا لیتے۔
مدینہ کی شامیں اور صبحیں سب ہی نرالی ہیں لیکن صفہ پر تو شام کی بہار ہی کچھ اور تھی۔ روایت ہے کہ اس جگہ علم کے متلاشی بیٹھتے تھے اور اہل مدینہ ان کی ضرورت کی تکمیل کو نیک کام سمجھتے ہوئے ان کی میزبانی کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔ مدینہ والے چودہ سو سال گزرنے کے بعد بھی ایسے ہی شام کے وقت اس حصے میں دو عربی بیٹھے ہوئے لوگوں کو اٹھنے کی زحمت سے بچانے کے لئے گلاسوں میں ٹھنڈا ٹھنڈا زمزم بھر کر انہیں پہنچاتے رہتے۔ ایک صاحب اپنے ساتھ کھجوروں کا بڑا سا پیکٹ لائے تھے جو وقفہ وقفہ بعد کھجوروں سے حاضرین کی تواضع کرتے جاتے۔ خود یہ حضرات میزبانی کا فرض ادا کرتے رہتے۔ ہمارے جیسے ہزاروں لوگوں کی زبان سے یہ آشنا نہیں تھے لیکن اس کے باوجود ان کی نظریں استقبال کرتی ہوئی محسوس ہوتیں۔ ان کے ہاتھ گرمجوشی سے تھامنے کو آگے بڑھتے۔ ہم جب واپس لوٹ رہے تھے تو مدینہ والے کے کرم پر تو مسرور تھے ہی مدینے والوں کی شفقت اور محبت کو بھی اپنے دل میں محسوس کر رہے تھے۔

اب کے سفر میں جب اہلیہ نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ اگلے دن شام کو مسجد نبویؐ میں کھجوریں لے کر جائیں گی اور وہاں موجود خواتین کو اسی طرح تقسیم کریں جس طرح کہ کئی خواتین کرتی ہیں تو ہم نے انہیں منع کر دیا۔ بہت جز بز ہوئیں تو ہم نے سمجھایا کہ دیکھو ہم جیسے منگتوں کو اپنی اوقات میں رہنا چاہئے۔ مسجد نبویؐ میں ہاتھ پھیلائے رہنا ہی ہمارے لئے سب سے بڑی سعادت ہے۔ پھیلے ہوئے ہاتھوں پر کچھ رکھ دینا مدینہ والوں کو زیب دیتا ہے۔ عطا و بخشش انہی کا حق ہے۔ ہم لوگوں کیلئے تو یہی انعام بہت ہے کہ دینے والے ہاتھ ہم تک پہنچ رہے ہیں۔ اللہ انہیں سلامت رکھے اور رہتی دنیا تک ہی نہیں بلکہ اس کے بعد

بھی مدینہ والوں کی بخشش اور عطا کا سلسلہ جاری رہے۔ہمیں اہل مدینہ سے برابری کا حق نہیں۔ان کی ہم سری کون کرسکتا ہے۔دینا انہی کا حق ہے۔ہمارا حق تو لینا اور مانگنا بھی نہیں ہے۔یہ جو کچھ مل گیا ہے اسے بھی انہی کی مہربانی سمجھو اور چپکی بیٹھی رہو۔

اے شوق محل، اے پاؤں ٹھہر، اے دل کی تمنا خوب تڑپ

نواب مشتاق احمد خان

جوں جوں مدینہ قریب آرہا ہے، دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی جارہی ہیں۔ بیرِ علیؓ کے قریب جب دور سے گنبد خضریٰ کے مینار نظر آئے تو دل قابو سے باہر ہوگیا۔ اسی کیفیت کا نقشہ ایک شاعر نے کیا عمدہ کھینچا ہے۔

اے شوق محل، اے پاؤں ٹھہر، اے دل کی تمنا خوب تڑپ
دربار مدینہ آپہنچا دربار مدینہ آپہنچا

گزشتہ بار مدینہ منورہ میں میری حاضری **1974**ء کے حج کے موقع پر ہوئی تھی۔ ان چار برسوں میں مدینہ منورہ کا جغرافیہ بالکل بدل گیا ہے۔ مسجد نبویؐ کی توسیع کا کام مسجد غمامہ تک جا پہنچا ہے۔ آس پاس کی بہت سی عمارتیں منہدم ہو چکی ہیں اور بہت سے قدیم آثار ختم ہوگئے ہیں۔ ان آثار کے ختم ہونے کے ساتھ ان سے متعلقہ روایات بھی بھولتی جارہی ہیں۔

اللہ کے کرم سے رہائش کا انتظام ایسی جگہ ہوگیا جہاں الحمدللہ روضہ نبویؐ ہر وقت آنکھوں کے سامنے رہتا ہے۔ جلدی سے تیار ہو کر مسجد نبوی گیا اور نماز ظہر سے پہلے ہی مواجہ شریف میں حاضری دی اور باچشم پرنم سلام پیش کیا۔ شام کو مولانا ضیاء الدین صاحب کی خدمت میں حاضری دی۔ وہ ہمیشہ بڑی شفقت فرماتے تھے۔ دوران گفتگو انہوں نے خود میری اہلیہ مرحومہ کا ذکر کیا اور فرمایا کہ انہوں نے آپ کے والد محترم کی بڑی خدمت کی ہے اور اس کا انہیں بڑا اجر ملے گا۔ مغرب کے وقت میں نے مولانا غلام رسول صاحب کی خدمت میں حاضری دی۔ وہ باب جبرئیل کے پاس اپنی مخصوص جگہ پر تشریف فرما تھے۔ وہ صائم الدھر بزرگ ہیں۔ افطاری کے وقت اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے تمام لوگوں کو بھی شریک کر لیتے ہیں۔ حتیٰ کہ ایک بلی کا بھی اس میں حصہ ہوتا ہے۔ نماز مغرب کے بعد میں پھر حرم نبویؐ میں گیا اور وہاں ایک ایسی جگہ بیٹھ کر جہاں گنبد خضریٰ آنکھوں کے سامنے ہوتا، درود شریف پڑھتا

رہا۔ یکا یک جب خیال آیا کہ مجھ جیسے گناہ گار اور دنیا دار آدمی کی اس دربار میں کیسے پہنچ ہوگئی تو اپنی کوتاہیوں اور لغزشوں پر بے اختیار رونا آیا۔ اسی وقت میری زبان پر مشکور بیگ صاحب کی نعت کے یہ شعر جاری ہوگئے۔

کہاں میں کہاں ان کا دربار عالی
حقیقت بنی ہے مری خوش خیالی
دل مضطرب نے مراد اپنی پالی
نظر آ گئی تیرے روضے کی جالی

او پاؤں رکھنے والے! یہ جا چشم و سر کی ہے

مولانا ابوالنصر منظور احمد شاہ

ہر شخص ہماری آناً فاناً تیاری پر حیران ہے، نماز عصر کے بعد طواف الوداع کیا جارہا ہے۔ وصل وفصل کا عجیب سنگم ہے۔ کعبہ اطہر سے جدائی، حطیم کعبہ سے دوری، حجر اسود کا فراق، آب زمزم شریف سے علیحدگی، سب کچھ اس امید وتمنا میں برداشت ہے کہ اصل مقصود، روح حج کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

حطیم کعبہ جسے کعبہ کا ہی درجہ حاصل ہے جس میں ایک نماز پڑھنے کو بہت بڑی سعادت سمجھا جاتا ہے۔ اس وقت آغوش کھولے موجود ہے مگر ہم میں سے کسی نے دھیان نہ کیا کہ مدینہ طیبہ کی طرف روانگی ہے۔

آغوش مدینہ کھولے ہے جن کے لئے حطیم
وہ پھر کے دیکھتے نہیں یہ دھن کدھر کی ہے

شوق مدینہ اور فراق مکہ میں آنکھ آنسو بہائے جارہی ہے۔ ابھی مدینہ 300 میل ہے مگر دل میں لرزہ وکپکپی شروع ہوچکی ہے۔ سراج عمر نے ٹیکسی میں ہمارا سامان رکھوایا اور ایک دوسری گاڑی میں خود بیٹھ کر تنعیم چوکی تک ہمیں الوداع کہنے آئے ہیں۔ کاغذات کی تکمیل کے بعد ہمیں مل کر واپس ہوگئے ہیں۔

نماز مغرب جدہ شریف سے باہر نکل کر پڑھی، سڑک کی دونوں جانب پہاڑوں کا سلسلہ دور تک پھیلا ہوا ہے۔ رات کا وقت ہے اور صحرائے عرب، رابغ ''مستورہ'' بدر سے بڑھ رہے ہیں۔ جب ذرا تھکان کے سبب اونگھ آئی ہے تو اعلیٰ حضرت بریلویؒ کا شعر یاد آجاتا ہے۔

ہاں ہاں رہ مدینہ ہے غافل ذرا تو جاگ
او پاؤں رکھنے والے یہ جا چشم و سر کی ہے

جس مقدس لمحات کیلئے ہمیشہ متمنی رہا وہ لمحات قریب سے قریب تر چلے آرہے ہیں۔

رواں قدم قدم پہ کہ ہر ایک ہے جان نو
یہ راہ جانفزا میرے مولا کے در کی ہے

قریباً 15 میل سے ہی حسین وجمیل اور بلند نورانی میناروں کی روشنی نے دل کی ظلمتوں کو بھگانا شروع کر دیا ہے۔ بعض سوئے ہوئے ساتھیوں کو بیدار کر دیا ہے۔ صلوٰۃ وسلام کا نغمہ بے ساختہ زبان پر جاری ہو چکا ہے۔

نماز فجر سے ایک گھنٹہ قبل سرزمین طیبہ میں اتر چکے ہیں۔ اترتے ہی زمین اطہر کو چوما آنکھیں پرنم ہو گئیں۔ وہم نے بوکھلا کر کہا، ابو النصر! کہیں یہ خواب تو نہیں۔ ایمان و یقین نے تسلی دی کہ نہیں حقیقتاً تو مدینہ طیبہ میں ہے۔ خواب نہیں، بیداری ہے، ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ یہ تیری ہمت نہیں بلکہ آقا کا کرم ہے۔

اللہ اکبر اپنے قدم اور یہ خاک پاک
حسرت ملائکہ کو جہاں وضع سر کی ہے

حیدر الحیدری کے مقام پر اترے ہیں۔ میں اور میرے رفقاء حکیم طفیل محمد، جان محمد صاحبان نے غسل کیا۔ لباس بدلا، خوشبو لگائی کہ زندگی میں سب سے بڑی عید منانے کے لئے جانے والے ہیں۔ نماز شکرانہ وہیں ادا کی ہے۔ ہلالی مینار سے نہایت حسین وجمیل اور پیارے لہجہ میں، حی الصلوٰۃ، کا حکم نافذ ہو گیا۔ حی علی الفلاح، کا پیغام ملا۔ کامیابی کی طرف بڑھو۔ اس سے بڑی کامیابی کیا ہو گی۔ ہم جان کائنات ؐ کے حضور حاضری دینے والے ہیں۔

مکان سے حرم پاک چند قدموں کے فاصلے پر ہے۔ آنکھوں نے اپنا غسل شروع کر دیا۔ ساتھ ہی دل کے غبار دھلنے لگے ہیں۔ مسجد نبوی شریف میں حاضر ہو گئے ہیں۔ الحمد للہ! نماز کے بعد سر جھکائے، جھجکتے، ڈرتے، شرماتے، آنسو بہاتے آہستہ آہستہ مواجہ شریف کی جانب بڑھ رہے ہیں۔ اس کیف کو صاحب کیف ہی جان سکتا ہے۔

مجرم بلائے آئے ہیں جاؤ ک ہے گواہ
پھر رد ہو کب یہ شان کریموں کے در کی ہے

شہنشاہ کائنات کی حاضری اور اپنی سیاہ کاریوں پر نظر سے ایک عجیب سا سماں بندھ گیا ہے۔ جسم پر لرزہ طاری ہے۔ ہونٹوں پر کپکپی سی کچھ عرض بھی ہیں کیا جا سکتا۔ عشاق کا جمگھٹا ہے۔ بس یہ عالم ہے، ساقی کوثر پیارے حبیب مشتاقان جمال کو ان کے ظرفوں کے مطابق

پیالے پہ پیالہ جام پہ جام بھر بھر کے پلائے جا رہے ہیں۔ اونچی آواز سے اعمال ضائع ہو جانے کا ڈر ہے۔ آنسوؤں میں چیخ و پکار نہیں ہے، درد ہے آہ و بکا نہیں، محبت ہے شور غوغا نہیں ہے۔

ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

قطار در قطار بھکاری جھولیاں پھیلائے حاضر ہیں۔ منگتوں کو وہ کچھ دیا جا رہا ہے جو سلاطین عالم کو بھی نصیب نہیں۔

کیوں تاجدارو خواب میں دیکھی کبھی یہ ہے
جو آج جھولیوں میں گدایان در کی ہے

(اعلیٰ حضرت)

مانگنے والے مانگتے چلے جا رہے اور دینے والے دیتے جا رہے ہیں، یہ بھی ڈر ہے کہ کہیں مانگنے میں بے ادبی کا کوئی شائبہ نہ شامل ہو جائے۔ پھر عجز و انکساری سے یوں عرض کیے دیتے ہیں۔

سرکار ہم گنواروں میں طرز ادب کہاں
ہم کو تو بس تمیز یہی بھیک بھر کی ہے

اس زمیں کی خاک پر عرش معلیٰ بھی نثار

محمد ظفیر ندوی

میں روضہء اطہر پر حاضر ہونے کے لئے باب جبرئیلؑ سے داخل ہوا۔ بیگم کو باب النساء سے داخل ہونے کی اجازت ملی۔ درود پڑھتا ہوا میں اس جگہ جا کھڑا ہوا جہاں ام المومنین حضرت حفصہؓ کا مکان تھا، مواجہ شریف کے نام سے موسوم یہ جگہ بھی کتنی بابرکت ہے کہ لحد میں حضور اکرمؐ کے قدم اسی سمت میں ہیں۔ لاکھوں کروڑوں عاشقان رسولؐ اسی جگہ کھڑے ہو کر شہنشاہ کون و مکاں پر درود بھیجتے اور شرح صدر کے ساتھ دعا میں مانگتے ہیں۔

میں قبلہ رو تھا لیکن اپنے نبی کریمؐ کے قدموں میں تھا، آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے اور سانس کی رفتار بڑھ رہی تھی۔ درود پڑھتے پڑھتے گھگی بندھ گئی۔ دعاؤں کا سیلاب امڈ آیا۔ تھک گیا تو وہیں ایک گوشے میں بیٹھ کر روضہء اطہر کو تکنے لگا جہاں آقا دو جہاںؐ اپنے دو رفیقوں کے ساتھ محو استراحت ہیں۔ میں عالم استغراق میں کھو گیا، ماضی کے دریچے ایک ایک کر کے کھلتے چلے گئے، میرے نبی کا یہ مدفن، کبھی ام المومنین حضرت عائشہؓ کا گھر تھا، اس صدیقہؓ کا گھر جو حضور کو اپنی ازواج مطہرات میں سب سے زیادہ پیاری تھی جن کی شبیہ خواب میں حضور کو دکھائی گئی اور جن کی گود میں نبی کریمؐ نے زندگی کی آخری ہچکی لی۔ حضرت عائشہؓ نے خواب دیکھا تھا کہ آسمان سے تین چاند ٹوٹ کر آئے اور سیدھے ان کی جھولی میں آگرے۔ اس مدفن میں جو حجرۂ عائشہؓ تھا واقعی تین چاند رسالت مآبؐ، صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ جلوہ افروز ہیں۔

ظہر کی نماز کا وقت شروع ہوا، میں مواجہ شریف سے ہٹ کر اصحاب صفہ کے چبوترے پر دوزانوں بیٹھ گیا۔ روضہء نبویؐ کے شمال میں اس چبوترے پر کچھ لوگ قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے اور کچھ دعاؤں میں مصروف تھے۔ چودہ سو برس پہلے یہ دین کے ان پاسداروں کی جائے امامت تھی۔ جن کا کوئی ذریعہ معاش تھا نہ عزیز و اقارب موجود تھے۔ اس چبوترے پر بیٹھ کر حضرت بلالؓ، عمار بن یاسرؓ، سلیمان فارسیؓ، حضرت ابو ہریرہؓ اور صہیب

رویؓ نبی کریمؐ سے دین سیکھتے اور دور دراز سے آنے والے وفود کو اس سے بہرہ ور کرتے۔ یہ وہ فاقہ کش تھے جو تحفہ میں ملنے والی کھجوروں اور پانی کے چند کوزوں پر گزارا کرنے کے باوجود دنیا میں اسلامی انقلاب کے داعی اور پیش خیمہ بن گئے۔

لب وا ہیں، آنکھیں بند ہیں، پھیلی ہیں جھولیاں

نواب سر محمد صادق خامس عباسی

11 رفروری کو علی الصبح ہمارا قافلہ شہر نبویؐ میں داخل ہوا۔اس کے قریب پہنچتے ہی کسی نے زور دار آواز میں پکارا ''وہ مدینہ آگیا'' اس مژدۂ جانفزا کے سننے کے لئے عرصے سے کان مشتاق، دل مضطرب اور طبیعت بے قرار تھی۔ یہ مبارک کلمہ سنتے ہی کئی ایک کی آنکھوں نے سیلاب محبت بہانا شروع کر دیا۔ خدا جانے ان الفاظ میں کیا تاثیر تھی کہ دل سینوں میں اچھلنے لگے، کلیجوں میں سے بے ساختہ ایک ہوک سی اٹھی، رونگٹے کھڑے ہو گئے، بدن میں لرزہ پیدا ہو گیا، پسینے چھوٹنے لگے، آنکھوں نے ٹپ ٹپ قطرات اشک گرانے شروع کر دیئے۔ اس پیارے شہر کی ایک ہی جھلک سے آنکھوں میں نور، دل میں سرور پیدا ہو گیا۔ یاد نہیں ہم نے وہ نظارہ خواب میں دیکھا یا فی الواقع عالم بیداری میں محویت طاری تھی۔ دل کی کیفیت ناقابل بیان تھی۔ خبر نہیں ہم اس وقت کہاں تھے۔ خوشی کی ایک لہر آنکھوں کی راہ سے دل میں اتری جاتی تھی۔ پھر جوش میں تبخیر پا کر دماغ پر چھا جاتی تھی۔ ہوش و حواس جسم خاکی کو وداع کہہ رہے تھے۔ فرط مسرت و انبساط کا یہ عالم تھا کہ روح تحلیل ہوتی جاتی تھی۔ بدن کے تمام بے تاب رگ و پے سوز و گداز کے مرحلے طے کر رہے تھے۔ عقل گم تھی۔ کیف و وجدان کی وہ کیفیت کہ نہ زبان سے بیان ہو سکتی ہے نہ قلم اسے ضبط تحریر میں لا سکتا ہے۔

الحمدللہ آج ایسے مقام پر پہنچ گئے جہاں سے دیار مقدس اور گنبد خضرا کا دلکش منظر سامنے ہے۔ شمع معرفت کی تجلیاں خرمن صبر و قرار پر حملہ آور ہو رہی ہیں۔ وادی ایمن کے وہ بے حجاب جلوے دلوں میں تڑپ پیدا کر رہے ہیں۔ بے چین دل، اشکبار آنکھیں، زرد چہرے، سرخ اور پرداغ سینے، کوفتہ اور شکستہ اعضاء آج اپنے مشاغل کے لئے ایک نئی کیفیت محسوس کر رہے ہیں۔ سینے میں جو آگ مشتعل تھی، اب اس سے شعلہ جوالہ نکل نکل کر آہ آتشیں کی صورت اختیار کر رہے ہیں۔

پہلو میں کچھ میٹھا میٹھا درد اٹھتا ہے اور ٹھنڈے سانس کے ساتھ سیلاب اشک بہاتا ہوا

ایک دم بیٹھ جاتا ہے۔ دل خوش ہے کہ اس نے اپنے ارمانوں کا خزانہ پالیا ہے حسرتیں بے تاب ہیں۔ اس کا سرچشمہ سامنے چھلک رہا ہے۔ خوش قسمتی کا فرشتہ سامنے آواز دے رہا ہے۔

''اے خستہ دل، شکستہ پا مسلمانو! امید وبیم کے صحرا وسمندر طے کرنے والے جوانو! شمع حقیقت پر جان فدا کرنے والے پروانو! سفر اور انتظار کی کوفت، بیماری و کمزوری کے مصائب، کم مائیگی اور بے سروسامانی کی مشکلات کو خندہ پیشانی اور استقلال وصبر کے ساتھ برداشت کرنے والے انسانو! آؤ، آؤ، وہ سامنے حیات ابدی کا پر جوش اور ابلتا ہوا مقدس چشمہ، جس کے لئے تم تشنہ لب اور وقف اضطراب ہو، مصروف دعوت ہے اور تمہارا منتظر ہے۔

مبارک ہو، تمہاری محبتیں ٹھکانے لگیں، تمہاری دعائیں قبول ہوئیں، تمہاری دیرینہ آرزوئیں برآئیں۔ نخل تمنا بارآور ہوئی۔ منزل مقصود قریب آگئی ہے۔

تم حرم نبویؐ میں آگئے۔ تم حصار امن میں پہنچ گئے۔ تم رحمۃ اللعالمینؐ کے دامان رحمت میں ہو، تم محبوب خدا کے مہمان ہو، تم آقائے دو جہاں کے پاک آستاں پر آگئے ہو۔ تم نے اپنا مقصود حاصل کرلیا۔ دل کی مرادیں پالیں۔ درد دل کی دوا اور بیماریوں سے شفا کامل جانا تم کو مبارک ہو۔ یہ وہ شہر ہے جہاں آشفتہ سری کا علاج ہوتا ہے۔ وہ مقدس مقام ہے جہاں محبت کے دیوانے شفا پاتے ہیں۔ وہ پاک شہر، رسول اللہ کا مبارک وطن اور رشک فردوس مقام بھی ہے۔ جس کی محبت تمہیں کشاں کشاں یہاں لے آئی ہے۔''

شہر مقدس کے پہلے دروازے عنبریہ سے داخل ہوئے تو سعودی فوج کے دستوں نے سلامی سے ہمارے کارواں کا استقبال کیا۔ ہز ایکسلنسی امیر مدینہ مع اپنے سٹاف اور زعمار عمائدین شہر موجود تھے۔ استقبالیہ رسم سے فارغ ہوکر ریلوے سٹیشن مدینہ کے عالی شان ایوان میں داخل ہوئے جسے خاص اہتمام سے سجایا گیا تھا۔ قہوہ، شربت اور آب خورعنبری سے تواضع کے بعد قافلہ مع اپنے سالار کے حرم نبوی کی زیارت اور در رسولؐ پر حاضری کے لئے ادب واحترام کے ساتھ پیادہ پا روانہ ہوا۔ حرم پاک کے باب السلام پر پہنچ کر بے تابانہ سلام عرض کیا۔ ہم ناچیز وناتواں آستانہ مبارک پر پہنچ گئے۔ دل ودیدہ کی کیفیت عجیب تھی۔ روضۂ نبویؐ کے پروانے گنبد خضرا کے سایہ میں کھڑے ہیں۔ یہاں زائرین کا ہجوم

ہے۔ شمع منور پر پروانے متواتر گر رہے ہیں۔ ہر شخص اخلاص و عقیدت کے ساتھ صلوٰۃ و سلام، درود و نماز اور تلاوت و تسبیح میں مصروف ہے۔ صحن حرم خوش نصیب مسلمانوں اور شمع جمال نبویؐ کے پروانوں سے پر ہے مگر کیا مجال جو کوئی آواز بلند ہو۔ ہر دل پر ادب کا سکہ جاری ہے۔ کیف و معرفت کا دور چل رہا ہے۔ روحانیت کا سمندر موجزن ہے جس کو دیکھو مصروف مجاہدات اور محو تجلیات ہے کسی کو اپنی خبر نہیں۔ سب اسی جالی والے ایوان عظیم الشان کی طرف ٹکٹکی باندھے متحیر اور از خود رفتہ کھڑے ہیں۔ کوئی درود و سلام پڑھ رہا ہے، کوئی دلائل الخیرات کا ورد کر رہا ہے۔ کسی کی آنکھوں سے محبت کے سچے موتی ٹپک رہے ہیں، کوئی خاموشی میں ٹھنڈے سانس بھر رہا ہے۔ غرضیکہ ہر شخص اپنے اپنے دل کی کیفیت کو اپنی اپنی زبان سے محبوب کردگار کی جناب میں پیش کر رہا ہے۔ حضور رسالت مآبؐ میں ہدیہ ادارت و پیش کر کے شیخینؓ کی خدمت میں سلام عرض کرتے ہوئے مزار سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے سامنے پہنچے اور وہاں اظہار نیاز مندی ادا کیا۔

مدت کی آرزوئیں پوری ہوئیں۔ دل کے ارمان نکلے۔ نیاز مندانہ سلام سے فراغت پا کر صحن حرم کی شمیم جاں فزا سے معطر ہوتے ہوئے ہم سب اپنے بلند اقبال قافلہ سالار کی معیت میں اپنے کیمپ میں آ گئے۔

روح کی معراج

پروفیسر ڈاکٹر منظور ممتاز

جب ہوش آیا تو مجھے محسوس ہوا کہ میری پشت پر امتیوں کی ایک قطار ہے جو اسی دھول سے اپنے مقدر کو چمکانے کے لئے بے تاب ہے، جس سے میرے مقدر کا ستارہ چمکا ہے۔ میں خاموشی سے پیچھے ہٹ آیا اور در مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر جا بیٹھا اور مرمر کی دہلیز کو پکڑے چاندی کے قفل پر نظریں جمائے رہا جو میرے لئے سدرۃ المنتہیٰ تھا۔ مغرب کی آمد آمد ہوئی اور جنت کی یہ کیاری جنتیوں سے بھر گئی۔

مغرب کی نماز کے بعد میں جلدی جلدی کھانے سے فارغ ہو گیا اور خدا معلوم کیوں یہ بات میرے دل میں اٹھی کہ عشاء کے لئے دھلا دھلایا لباس پہنا جائے۔ میں سرائے میں آیا، وضو کیا اور سوٹ کیس سے جوڑا نکالا جو ہلکے سبز رنگ کا تھا۔ پہنا اور اسے عطر میں بسایا اور پھر در مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر چلا آیا۔ عشاء میں کچھ زیادہ وقت نہ تھا۔ جنت کی کیاری بھر گئی تھی مگر مجھے جگہ مل ہی گئی۔

عشاء کے بعد مسجد خالی ہونا شروع ہوئی اور ایک ایک کر کے دروازے بند ہونا شروع ہوئے۔ یہاں تک کہ صرف ایک دروازہ کھلا رہ گیا اور مسجد میں دو چار آدمیوں کے سوا سب چلے گئے جنہیں سپاہیوں نے نکالنا شروع کیا اور میں خاموشی سے سلام کے لئے مواجہ شریف کی طرف بڑھ گیا۔ اس جالی میں تقریباً چھ انچ قطر کے تین گول سوراخ ہیں۔ جو سرکار عالمؐ، حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی جائے آرام کی نشان دہی کرتے ہیں۔ سپاہی یہاں کھڑا تھا اور اس کے ہاتھ میں چھڑی بھی تھی مگر خاموش کہ اب ہجوم نہ تھا کہ وہ جالی کے چومنے والوں کو شرک شرک کہہ کر چھڑی کے زور سے الگ کرتا۔ صرف میں تھا اور وہ تھا۔ اس نے چند لمحے بعد مجھے جلدی سے چلے جانے کو کہا اور ساتھ ہی چھڑی کا اشارہ بھی کیا۔ میں اس کی طرف بڑھا اور میرا ہاتھ میری جیب کی طرف اور پھر اس کے ہاتھ کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا کہ دیکھنے والا تو کوئی نہیں اور میں نے اس طرف دیکھا جہاں سے

دیکھنے والا مجھے دیکھ رہا تھا۔ اس نے کاغذ کو پکڑا اور میں نے جالی کو...... صبر کا دامن چھوٹا، آنکھوں سے ساون پھوٹا اور لبوں کا بند ٹوٹ گیا...... ماہی بے آب کی طرح جالی سے لگا تڑپتا پھڑکتا رہا اور پھر تڑپتا پھڑکتا جسم اکدم مجسمہ سا بن گیا۔ روح اس کو چھوڑ کر چلی گئی...... روح کو اوپر ہی اوپر تیزی سے اڑتے میری روح ہی دیکھتی رہی ہوگی کہ میرے جسم کو معلوم ہی نہ ہو سکا کہ وہ کدھر گئی کہاں گئی...... بات میرے ادراک سے باہر ہوگئی اور پھر وہ اسی تیزی سے میرے جسم میں ایک جھٹکے کے ساتھ آن داخل ہوئی اور جسم میں پھر سے حرکت پیدا ہوئی اور میرے لب مسکرا دیئے۔ میں نے مسکرا کر حضورؐ اور صحابہ کرامؓ کو سلام عرض کیا اور اس چھڑی والے سپاہی کو بھی...... حیرانی کی بات ہے کہ وہ بھی مسکرا دیا۔

روح کا جسم سے خروج اور پھر سے اس کا دخول ایسا تجربہ تھا جو میرے جسم نے محسوس کیا اور اس کی اڑان میرے جسم یا پھر میری روح ہی نے دیکھی تھی۔ وقت جو اس تجربے میں گزرا۔ میں ماپ نہ سکا۔ مگر اس تجربے سے میرے جسم نے اک ان جانی، نا قابل فہم و نا قابل بیان مسرت حاصل کی جو زندگی بھر میں نے کبھی بھی ایک لمحہ کو بھی محسوس نہ کی تھی۔

خانہ بربادی کا تازہ تازہ دکھ، بیٹے، بیٹی سے جدائی کا رنج وغم، خاندان سے علیحدگی کی بے چینی و بے قراری اور وطن سے دوری کا حزن و ملال جو مجھ پر گزشتہ دو ماہ سے طاری تھا، ختم ہو چکا تھا اور مسرت میرے رگ و پے میں سرایت کر چکی تھی۔ اس کیفیت کے سرشار مسجد نبویؐ سے نکلا اور مسجد کا آخری دروازہ بھی بند ہو گیا۔

رخ قبلہ کی جانب ہے دل سوئے محمد ﷺ ہے

مولانا مناظر احسن گیلانی

بیر درویش کے بعد فاصلہ ختم ہو رہا تھا۔ زندگی کی آرزو، سب سے بڑی آرزو ایمان والوں کی پوری ہو رہی تھی کہ ہر ایک کھوتا چلا جا رہا ہے۔ اچانک اسی حال میں "مدینۃ النبی" (ﷺ) کی آواز سواق (ڈرائیور) کی زبان سے نکلی، کلیجے نکل پڑے، جانیں قالب کو معلوم ہو رہا تھا کہ چھوڑ دیں گی۔ ہم میں ہر ایک دوسرے کو بھول گیا۔ "مدینۃ النبی" (نبی کا شہر) اس کے سوا نہ اندر ہی میں کچھ باقی تھا اور نہ باہر میں۔ جذبات کا طوفان تھا جو ابل رہا تھا۔ اوروں کا حال معلوم نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ بلالؓ آ رہے ہیں۔ یہ ابوذر جا رہے ہیں۔ یہ فاروق اعظم ہیں۔ ادھر حضرت صدیق ہیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)۔ باب العنبریہ کب آیا۔ لاری سے لوگ کس وقت اترے، کیسے اترے، گھوڑے کی عرآبہ میں کب سوار ہوئے۔ شاید سیدنا حضرت مولانا حسین احمد المدنی کے برادر محترم حضرت مولانا سید احمد رحمۃ اللہ علیہ مہاجر مدینہ "باب عنبریہ" (جو مدینہ منورہ کا مرحوم حجاز ریلوے کا اسٹیشن تھا) وہاں تک تشریف لائے تھے۔ "دلے بربندش" کی شکل میں النبیؐ کے مدینہ میں پہنچا دیئے گئے۔ ایک سیاہ کار، سیاہ بخت، سیاہ عمل، مطلق تاریکی صرف سیاہی کو گھسیٹتے ہوئے اس دربار کی طرف لوگ لے جا رہے تھے جس دربار تک رسائی کا خیال بھی اس سراسر اثم و گندگی کے لئے ناقابل برداشت تھا۔ آج وہی گھسیٹا جا رہا تھا۔ بیعت کے بعد عہد کا توڑنے والا مجرم اپنے آقا کے آستانے کی طرف دھکیلا جا رہا تھا۔ بس اتنا ہوش تھا کہ ہوش باقی نہیں رہا ہے۔ معلم یا مزدور ہاتھ پکڑے ہوئے وہ کچھ کہتے جاتے تھے۔ آنسوؤں کی موسلا دھار بارش سے بند آنکھوں نے اس کا موقع باقی نہ رکھا تھا کہ کہاں ہوں۔ زبان ان ہی فقروں کو دہرا رہی تھی۔ معلم کہتے تھے کہ "سلام پڑھو" کن کو سلام کروں۔ آنکھوں میں اس کی قوت بھی باقی رہی ہے جو کسی طرف اٹھے، چیخ تھی، پکار تھی، گریہ تھا، بکا تھا، بے ہوشی تھی، بدحواسی تھی۔ کیا عہد کیا تھا عہد کرنے والے نے، مگر کیا کیا۔ حجاب، شرم، ندامت، اے اللہ کے رسولؐ! اے عالمین کی

رحمت! ڈھانک لے اس کی سیاہیوں کو جس میں سیاہی اور تاریکی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

کملی والے مجھے کملی میں چھپا لے آجا — ہوں سیاہ کار مرے عیب کھلے جاتے ہیں

نماز کا وقت بھی شاید قریب تھا۔ سب جہاں کھڑے ہوئے وہیں ہوش باختہ میں بھی کھڑا تھا۔ کیا ساتھ لائے۔ صرف پاپ، صرف گندگی، صرف آلودگی، سب باہر ہوئے ان کے ساتھ باہر ہوئے۔ چوبیس گھنٹوں تک کچھ پتہ نہ چلا کہ کہاں آرہے ہیں کہاں جارہے ہیں۔ مگر جیسے جیسے وقت گزرتا گیا۔ سکینت کا نزول قلب پر شروع ہوا۔ خود تو کیا پیدا ہوتی مگر ہمت پیدا کرائی گی اور اب آنکھ کھلی، ہم کھجور کے تنوں پر کھڑی ہوئی اس مسجد کو ڈھونڈ رہے تھے جس کی چھوٹی کھجور کے پتوں اور شاخوں سے کی گئی تھی۔ جہاں کے رسول، غریبوں کے لجا، یتیموں کے ماویٰ کا دولت خانہ وہ کہاں ہے جس کے چھپر سے کھڑے ہونے والا چھوا جاتا تھا جس کی دیوار کھجور کی چھڑیوں پر مٹی لپیٹ کر بنائی گئی تھی۔ ابو ایوب انصاریؓ کا وہ مکان کہاں ہے جو ہجرت کے بعد پہلی فرودگاہ اس آبادی میں تھی، ڈھونڈتا تھا ان کے گھروں کو مگر نہ وہ مسجد ہی تھی اور نہ وہ یہ مکانات، نہ ان کے رہنے والے، معلوم ہوا کہ انصاری صحابیوں کا کوئی خاندان اب مدینہ میں نہیں پایا جاتا اور نہ مہاجروں کا دیوانہ نئے مدینہ میں پرانے مدینہ کو تلاش کرتا رہتا تھا۔ اپنا دل اس نئی آبادی میں پرانے مدینہ کے پرانے باشندوں کو ڈھونڈتا تھا۔ اتفاقیہ مدینہ کے ایک مورخ بھی مہربان ہوگئے۔ ان کے طفیل میں سقیفہ بنی ساعدہ، بیر بضاعہ، العوالی بنی نضیر و بنی قریظہ کی گڑھیوں کے آثار اور اسی قسم کے بیسیوں مقامات کا پتہ چلا۔

حضرت مولانا سید احمد مہاجرؒ نے مدینہ منورہ کے غالباً مشرقی سمت میں ایک میدانی زمین کو قابل کاشت بنا کر زراعت کا طریقہ صدیوں کے بعد اس شہر میں مروج کیا تھا۔ مدینہ والے حرث سے قطعاً نا آشنا ہو چکے تھے۔ ان کا سرمایہ معیشت قیصر کے شہر کی وہ دکانیں تھیں جو النبی کے شہر پر کئی سال پہلے وقف ہو چکی تھیں۔ یا ارض فرعون مصر کا پانچواں حصہ جو حرمین پر وقف تھا۔ عصر کے بعد عموماً حضرت والا کی اس جدید کاشت کی طرف چلا جاتا اور مدینہ کے ان میدانوں میں ان ہی چیزوں کو ڈھونڈتا پھرتا جس کے ڈھونڈنے کے سوا مومن کا کوئی دوسرا لذیذ مشغلہ نہیں ہو سکتا۔ اس لطف کے مزوں سے اب بھی دل لذت گیر رہتا ہے، راستہ کھجوروں کے ہرے بھرے باغوں سے آراستہ تھا۔ باغوں میں کھجوروں کے سوا انار،

انگور کے درخت اور بیلیں بھی نظر آئیں۔ طرح طرح کے پرندے درختوں پر چہچہاتے۔ کبھی کبھی پانی کے گڑھے کے کنارے بگلے بھی اڑتے ہوئے دکھائی دیتے۔ کہیں فاختہ پر بھی نظر پڑتی۔ بیر ارلیس پر چرس چلتا رہتا۔ شفاف پانی نالیوں میں بہتا رہتا۔ ارلیس کے من پر بیٹھ کر پاؤں لٹکاتا۔ بیتے ہوئے دنوں کو یاد کرتا، ان ہی دنوں کو جو اس دنیا میں واپس نہ آئیں گے۔ ایک ہفتہ بعد ہی دل کی کیفیت یہ ہوگئی کہ مدینہ کے سوا کچھ یاد نہیں رہا۔ ہندوستان کے اعزاء واقرباء، جامعہ عثمانیہ کی پروفیسری ہر چیز دماغ سے نکل گئی۔ نہ اتنا مینو سواد ماحول، نہ یہ رعنائیاں، نہ زیبائیاں کہیں اور میسر آئیں گی۔ نیند جیسی وہاں آتی ہے کہیں نہیں آتی؛ سرور ونشاط سے دل جتنا لبریز ہوا۔ کبھی نہیں ہوا۔ دوسروں سے پوچھتا تھا تو وہ بھی یہی کہتے تھے۔ جنت میں داخل ہو جانے کے بعد اس سے باہر ہونے کی حماقت میں کون مبتلا ہوگا۔ دل اس سوال کو اٹھاتا اور اس ارادہ میں پختگی ہوتی چلی گئی کہ جب رفقاء جانے لگیں گے تو رفاقت سے وقت پر انکار کردوں گا۔

اے رہروان شوق یہاں سر کے بل چلو

مولانا محمد شفیع اوکاڑوی

ٹیکسی کار نئی تھی اور چلانے والا نوجوان، عمارات جدہ سے نکلتے ہی اس نے رفتار تیز کر دی۔ اب ٹیکسی ہوا سے باتیں کرنے لگی۔ بس میری نگاہیں تھیں اور مدینہ منورہ کی مقدس راہیں تھیں۔

ہاں ہاں رہ مدینہ ہے غافل ذرا تو جاگ
او پاؤں رکھنے والے یہ جا چشم و سر کی ہے

جوں جوں مدینہ منورہ قریب آرہا تھا۔ بحر قلب میں جذبات عقیدت ومحبت موجوں کی طرح اٹھ رہے تھے اور عجیب وغریب کیفیات طاری ہو رہی تھیں۔ احساس شرم، گناہ، دیوانگی، عقیدت ومحبت، شوق زیارت، مسرت قیام مدینہ، حاضری شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم اور خصوصاً یہ احساس کہ کہاں میں کمینہ اور کہاں وہ مقدس مدینہ، کہاں میں روسیاہ اور کہاں وہ شہنشاہ، کہاں میں بدکار اور کہاں وہ سید ابرار، کہاں ناپاک اور کہاں وہ شہ لولاک۔

نسبت خود بسگت کردم و بس منفعلم
زانکہ نسبت بسگ کوئے تو شد بی ادبی

الغرض ادب و نیاز عجز وانکسار کے ساتھ درود شریف پڑھتے ہوئے چلے جا رہے تھے۔ راستے میں ایک قہوہ خانہ پر ظہر کی نماز ادا کی، تقریباً ساڑھے پانچ گھنٹہ کا سفر کرنے کے بعد نگاہوں کے سامنے گنبد خضرا، مسجد نبویؐ کے مینار اور مدینہ منورہ کے در و دیوار تھے۔ نگاہیں فرط عقیدت سے جھک کر نذرانہ محبت پیش کرنے لگیں۔ قلب جذبات محبت سے لبریز ہو کر سجدہ ریز ہو گیا۔ زبان وقف صلوٰۃ وسلام ہو گئی۔

مدینہ کہاں اور کہاں میری قسمت تری رحمتوں کی فراوانیاں ہیں

سبحان اللہ کیسا عجیب اور نورانی منظر ہے کیسی مبارک ہوائیں اور فضائیں ہیں کتنا پیارا اور حسین خطہ ہے۔

من بے دل بجمال تو عجب حیرانم — اللہ اللہ چہ جمالست بدین بوالعجبی
نخل بستان مدینہ زتو سر سبز مدام — زاں شدہ شہرہ آفاق بہ شیریں رطبی
چشم رحمت بکشا سوئے من انداز نگر — اے قریشی لقبی ہاشمی و مطلبی
ماہمہ تشنہ لبانیم توئی آب حیات — رحم فرما کہ زحدی گزر و تشنہ لبی

سیدی انت حبیبی و طبیب قلبی
آمدہ سوئے تو قدسی پے درماں طلبی

بلاشبہ مکہ مکرمہ ہر مسلمان کو محبوب ہے لیکن مدینہ منورہ محبوب تر ہے اور کیوں نہ ہو جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی ہے۔

اللّٰھم حبب الینا المدینۃ کما حببت مکۃ او اشد

"اے اللہ تو مدینہ کو ہمارا ایسا محبوب بنادے جیسا کہ مکہ، بلکہ اس سے بھی زیادہ۔"
(مسلم شریف)

خاک طیبہ از دو عالم خوشترست
اے خنک شہرے کہ دروے دلبرست

سلسلہ تیرے کرم کا بے کراں ہے یا نبی ﷺ

ممتاز ظافر

سفر اجنبی ہونے کے باوجود یوں محسوس ہوا، جیسے یہ راستے شناسا اور مانوس ہیں۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر بسیں کچھ عرصہ کے لئے روک دی گئیں تاکہ حجاج نماز ظہر ادا کرنے کے ساتھ روٹی کھا سکیں اور اپنا سر دہلیز طیبہ پر رکھ کر محبوب محترم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی آمد کی اطلاع دے سکیں جس نے آج اس نعمت عظمیٰ سے نوازا ہے۔ جہاں ہم اتر کر پھر رہے تھے، یہ مدینے کی زمین تھی۔ مقدس اور پیاری پیاری۔ کبھی ہم اپنی طرف دیکھتے، کبھی مدینے کے پاکیزہ ذروں کی طرف۔ زمین سے مٹھی بھر ذروں کو اٹھا کر چوم لیا۔ ہمارے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیس کے ذرے تھے نا۔ کبھی آسمان کی طرف دیکھ کر احسان مندی کا شکریہ ادا کرنے لگتے۔ کبھی مدینے کی جانب رخ کر کے درود و سلام کی ڈالیاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کرنے لگ جاتے۔ یہاں جی چاہتا کاش ہم راہ گزر کے ذرے ہوتے اور لوگ ہم پر گزر کر مدینہ کی حسین گلیوں میں جاتے، ہم ان کے پاؤں کے ساتھ لگ کر ہمیشہ کے لئے طیبہ کی گلیوں میں بکھر جاتے۔

شہر مدینہ کے درختوں کے پتے تالیاں بجا بجا کر خوش آمدید کہتے دکھائی دیئے۔ مسرتوں کے دریچوں میں نشہ آور احساسات کی لہر دوڑ گئی۔ پژمردگیوں کے بادل یکسر چھٹ گئے۔ آسودگیوں کے لمحات آگے بڑھ کر آغوش میں لینے کی خاطر اضطراب کا مظہر بنے بیٹھے ہیں۔ ساکنان طیبہ کی اجلی اجلی روحوں اور پاکیزہ دلوں نے محبت سے مقدس سرزمین پر قدم رکھنے والوں کی بار بار بلائیں لیں۔ مقدر کو مبارک دی اور آگے بڑھ کر اپنی دیرینہ روایات کے مطابق اپنی آغوش کھول کر استقبال کیا۔ یہ سب کچھ اس گھر والے کے صدقے ہو رہا تھا جو ہمیشہ سے عاصیوں کو اپنے دامن رحمت میں پناہ دیتا چلا آ رہا ہے۔ واقعی عظیم بارگاہ کے غلام بھی عظیم اور فراخ دل ہی ہوا کرتے ہیں۔ مگر ہم آج عظیم بارگاہ کے عظیم غلاموں کے بھی ادنیٰ غلام بننا ساری کائنات کی سرداری سے افضل تصور کرتے ہیں۔ جب کسی سے خیرات

لیٹی ہو تو سائل اس کی خیر مانگتے ہیں، اس کے بچوں کی خیر مانگتے ہیں، اس کے غلاموں کا بھلا چاہتے ہیں۔ ہم بھی آج مدینے والے سے شفاعت کی بھیک مانگتے آئے ہیں۔ ساکنان طیبہ ایسے درخشندہ ستارے ہیں جو رہتی دنیا تک جگمگا کر آنے والی نسلوں کو منزل کی آگاہی کی خبر دیتے رہیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ محبتوں کے لافانی دیار میں جس طرف بھی نگاہ ن جولانیوں نے کرتب دکھائے، فہم و ادراک اور عقل و دانش حیرت کے سمندر میں ڈوب کر گھٹنے ٹیک گئی۔

ہر طرف خوشی کے حسین و لطیف سوتے پھوٹ نکلے۔ دیار نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکینوں کے چہروں کی بے پایاں مسکراہٹ اس بات کی غمازی کر رہی تھی کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے پناہ شفقتوں اور رحمتوں کی بارشوں نے بے شمار عاصی وجودوں کو دھونے کی خاطر اپنے گھر بلایا ہے۔ فضائیں بے دریغ محبت و چاشنی کی دولت لٹا رہی تھیں۔ الغرض طیبہ پاک کا ذرہ ذرہ بقعہ نور بن کر دلوں کو تابندگی اور ذوق تمنا کو جلا دینے میں ایک اہم کردار ادا کر رہا تھا اور ہمارے لئے نجات آخروی کا ایک جامع اور واضح نشان بن کر سامنے آیا۔

مدینہ منورہ دیار رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسن و لطافت کا مرقع، انوار و تجلیات کا مخزن، رحمتوں کا خزینہ، پیارا پیارا مدینہ، پرسکون فضاؤں کی آماجگاہ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزہ سانسوں سے رچا بسا ماحول، کھلی سڑکوں اور فلک بوس عمارتوں کا مسکن مدینہ المنورہ۔ قربان جاؤں اس کے ایک ایک ذرے پر جو نور علیٰ نور کا پیکر ہے۔

ہوا پاکیزہ پاکیزہ، فضا سنجیدہ سنجیدہ

مولانا محمد الیاس عطار قادری

الحمدلله علیٰ کل حال، پرسوز فضائیں پرکیف ہوائیں، ذرہ ذرہ رشک قمر، شجر و حجر، پرنکھار مدینہ بھی کیسا روح پرور شہر ہے۔

دھوپ ٹھنڈی ٹھنڈی ہے چھاؤں مہکی مہکی ہے شہر مصطفیٰ تیری بات ہی نرالی ہے

میں کتنا خوش نصیب ہوں کہ جس مدینے کا ذکر پاک سن کر جھوما کرتا تھا جس مدینے کے تاجدار صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی سن کر چوما کرتا تھا۔ سچ مچ اور واقعی اسی میٹھے مدینے میں اور اسی مدینے کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی دربار میں اپنے جسم ظاہری کے ساتھ حاضری سے شرف یاب ہو رہا ہوں۔

نہ پوچھ ہم کہاں پہنچے اور ان آنکھوں نے کیا دیکھا جہاں پہنچے وہاں پہنچے جو دیکھا دل کے اندر ہے

آج 16/ ذوالحجہ 1405 ہجری کی حسین و دلکش اور سہانی شام ہے اور میں واقعی مسجد نبوی شریف میں بیٹھا ہوا اور خدا کی قسم میرے بائیں طرف سامنے سبز گنبد اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ اپنے جلوے بکھیر رہا ہے۔ سورج غروب ہونے میں تھوڑی دیر رہ گئی ہے منظر بڑا ہی دل موہ لینے والا ہے۔ کاش! آپ کی آنکھیں کچھ دیر کیلئے مسجد گلزار حبیب کراچی سے اٹھا کر میں یہاں لانے میں کامیاب ہو جاتا تو آپ بھی دیکھتے کہ میرے قول میں کس قدر صداقت ہے۔

آہ! میں ایسا نہیں کر سکتا۔ خیر کوئی بات نہیں میں ایسا کرنے سے قاصر ہی سہی مگر میرے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم تو قادر ہیں وہ چاہیں تو سب کچھ ممکن ہے۔

حاصل ہو کمال ذوق نظر اے کاش کہ ایسا ہو جائے
جس وقت میں آنکھیں بند کرو روضے کا نظارہ ہو جائے

سبز سبز گنبد کے ساتھ ساتھ نورانی مینار کا حسن و جمال بھی بے مثال ہے۔ غروب آفتاب کا وقت قریب سے قریب تر آتا جا رہا ہے۔ گنبد خضراء کی کشش پر مزید چار چاند لگتے

جا رہے ہیں۔ واللہ العظیم! دنیا کی کسی بھی عمارت میں اتنی کشش نہیں جتنی جاذبیت میرے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے گنبد سبز میں ہے کیا آپ نے کسی حسین و فلک بوس عمارت کے دیکھنے والے کو فرط محبت سے اشکبار ہوتے دیکھا ہے؟ ہرگز نہیں اس لئے کہ۔ یہ لیجئے اذان مغرب شروع ہوئی۔

مدینہ مدینہ مدینہ مدینہ مدینہ مدینہ مدینہ مدینہ مدینہ

مدینہ مدینہ مدینہ مدینہ مدینہ مدینہ مدینہ مدینہ مدینہ

آج 17/ویں شب ذوالحجۃ الحرام ہے اور اس وقت رات کے تقریباً ساڑھے تین بجے ہیں۔ اہل مدینہ میٹھی میٹھی نیند کی آغوش میں ہیں۔ ہر طرف پرسکون ماحول ہے۔ الحمد للہ میں اس وقت واقعی پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے قدمین شریفین میں بیٹھا ہوا ہوں جبکہ میری داہنی طرف محمد بلال عبیداللہ قادری سر پر عمامہ سجائے گلے میں سبز تسبیح پہنے نعت شریف کی کتاب میں سے اشعار پڑھ رہے ہیں اور ایک آدھ گز دائیں طرف پیچھے امام بخش، داجا دلیٹا ہوا ہے بلکہ سو چکا ہے۔ واقعی اسے سبز سبز گنبد کی ٹھنڈی ٹھنڈی چھاؤں میں نیند آچکی ہے۔

دیکھ تو نیازی ذرا سو گیا کیا دیوانہ! ان کی یاد میں شاید آنکھ لگ گئی ہوگی

اللہ اکبر! اس وقت چند ہی گز کے فاصلہ پر عین میرے سامنے سبز سبز گنبد جلوہ گر ہے اور میں اپنے اندازے کے مطابق واقعی سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کی سیدھ میں بیٹھا ہوا یہ الفاظ لکھ رہا ہوں۔ کل بھی یہاں بیٹھ کر اور آج بھی آپ بھائیوں کے خطوط پڑھے۔ روزانہ انشاء اللہ تھوڑے تھوڑے پڑھنے کی کوشش کروں گا کم و بیش ایک ہزار خطوط ہوں گے۔

سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کے قدمین شریفین کی بات نکلی ہے تو عرض کردوں کہ اس وقت جبکہ میرا رخ قدمین شریفین کی طرف ہے تو پیٹھ پاکستان کی طرف۔ خوش نصیب دیوانو! جھوم جاؤ! جغرافیائی اعتبار سے ہمارے پاکستان کی طرف سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے قدوم انوار ہیں۔

تیرے قدموں میں جو ہیں غیر کا منہ کیا دیکھیں
کون نظروں پہ چڑھے دیکھ کے تلوا تیرا

''حدائق بخشش''

اور سنئے کعبۃ اللہ شریف کا دروازہ بھی پاکستان کی طرف ہے۔ بس رحمت کا دروازہ ہماری طرف ہے۔ رحمت بھرے قدم بھی ہماری طرف ہیں۔ پھر بھی اگر کوئی محروم رہے تو وہ پورا محروم ہے۔ ہم محروموں میں سے نہیں ہیں۔ ہم پر آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا کرم ضرور ہے۔ ہم آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کی بھیک مانگتے ہیں۔

گورے گورے پاؤں چمکا دو خدا کے واسطے نور کا تڑکا ہو پیارے گور کی شب تار ہے

عاشق ماہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مقدس قدموں کی مقدس ایڑیوں کی شان میں ایک نعت شریف لکھی ہے اس کے ایک دو اشعار پیش خدمت ہیں۔

جا بجا پر تو فگن ہیں آسماں پر ایڑیاں دن کو خورشید شب کو ماہ و اختر ایڑیاں

ایک ٹھوکر میں احد کا زلزلہ جاتا رہا رکھتی ہیں کتنا وقار اللہ اکبر! ایڑیاں

اے رضا طوفان محشر کے تلاطم سے نہ ڈر شاد ہو ہیں کشتی امت کو لنگر ایڑیاں

کل رات کو بھی جبکہ ہم اسی طرح قدمین شریفین کی سمت بیٹھے ہوئے تھے تو آدمیوں نے سلام کیا اور دعا کے لئے کہا اور سبب ایک نے یہ بتایا کہ آپ چونکہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کی سیدھ میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس لئے میں نے سلام کر کے دعا کیلئے کہا۔ ان دونوں میں سے سرور حسین صاحب سمجھدار اور تجربہ کار معلوم ہوتے تھے۔ چار سال سے عرب شریف میں اور اس دوران ایک سال مدینہ منورہ میں مقیم ہیں۔ ان سے ہمیں کافی معلومات حاصل ہوئیں۔ سرور حسین نے ایک آنکھوں دیکھا پر سوز واقعہ سنایا۔ اسی کے الفاظ میں آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

"تقریباً دو سال پہلے کا واقعہ ہے میں دربار رسول کی حاضری کیلئے آیا۔ باب جبرئیل سے ایک شخص بڑا خوب رو اور حسین کہ نظر نہیں ٹھہرتی تھی داخل ہوا۔ میں بھی اس کے پیچھے پیچھے تھا وہ غالباً سنہری جالیوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ابھی راستے میں ہی تھا۔ سبز جالیوں کی طرف عین اس سمت پہنچا تھا جہاں آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے قدمین شریفین ہیں اچانک گرا اور روح آقا کے قدموں پر قربان ہوگئی۔"

پیارے دیوانو! کس قدر خوش نصیب تھا وہ نوجوان، میں نے تمنا کی کہ کاش! اس خوش نصیب عاشق کے مبارک پاؤں کا ایک جوتا میں ہوتا اور الیاس بن کر دنیا میں درد کی

ٹھوکریں کھانے نہ آتا۔ سرکارؐ کے در پر جسے موت آجائے واللہ وہ بہت ہی خوش قسمت ہے۔

مولانا حسن رضا خان علیہ الرحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں۔

اس کی قسمت پہ فدا تخت شہی کی راحت — خاک طیبہ پہ جسے چین کی نیند آئی ہو
مر کے جیتے ہیں جو ان کے در پہ جاتے ہیں حسن — جی کے مرتے ہیں جو آتے ہیں مدینہ چھوڑ کر

کاش! ہم پر بھی نگاہ کرم ہوجائے ہمارا بھی آقا کے قدموں میں دم ٹوٹ جائے ورنہ حقیقت یہی ہے کہ مدینہ سے لوٹنے کے پھر وہی دنیا کے جھنجھٹ وہی معاش کی فکر گھریلو مسائل، مصائب و آرام، زندگی کی تلخیاں وغیرہ وغیرہ۔ اگر مدینے میں موت آجائے تو سارے معاملات درست ہوجائیں۔

طیبہ میں مر کے ٹھنڈے چلے جاؤ آنکھیں بند — سیدھی سڑک یہ شہر شفاعت نگر کی ہے

دعا فرمائیں کہ

خاک مدینہ پر مجھے اللہ موت دے — وہ مردہ دل ہے جس کو نہ ہو زندگی عزیز
لاشہ میرا طیبہ کے بیاباں میں پڑا ہو — اور روح بنے بلبل بستان محمدؐ
فردوس کے باغوں سے ادھر مل نہیں سکتا — جو کوئی مدینے کے بیاباں میں گما ہو
جب تیری یاد میں دنیا سے گیا ہے کوئی — جان لینے کو دلہن بن کے قضا آئی
یوں مجھ کو موت آئے تو کیا پوچھنا مرا! — میں خاک پر، نظر تیری دیوار کی طرف

یہی تو حسرت رہی ہے دل میں مجھے اجل بھی وہیں پر آئے
جہاں پہ آقا ہے پیارا روضہ یہی تو ارماں سدا رہا ہے

آج 17/ ذوالحجہ 1405 ہجری کی سہانی شام ہے ابھی ابھی ہم نے بارگاہ بے کس پناہؐ میں حاضری دی آپ سب کا سلام عرض کیا پھر قدیم حرم میں عصر کی نماز ادا کی۔ میں جہاں نماز پڑھ رہا تھا۔ اس وقت میرے سیدھے ہاتھ پر چند ہی فٹ کے فاصلے پر ایک ایسی پرسوز جگہ تھی کہ آپ اس کا ذکر سن کر تڑپ جائیں گے۔ وہ جگہ تھی جہاں آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے لاڈلے دیوانے حضرت بلالؓ کھڑے ہو کر اذان دیا کرتے تھے۔ ذرا وہ وقت تو یاد کیجئے کیا خوب سماں ہوتا ہوگا جب سرتاج انبیاء سونہرے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم منبر اقدس پر رونق افروز ہوتے ہوں گے۔ عاشق زار بلالؓ اذان پکارتے ہوں گے پھر سوز و گداز بھری اذان کے ان کلمات اشہد ان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب بلالؓ پہنچتے ہوں گے تو فرط شوق

سے شہادت کی انگلی سرکاری صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب اٹھا دیتے ہوں گے اور آقا پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے تبسم ریز ہونٹ فرط شفقت سے پھیل جاتے ہوں گے۔ رحمت بھرے لبوں کی مسکراہٹ سے ہزاروں دیوان گان عشق کے غم غلط ہو جاتے ہوں گے۔ کئی ستم زدہ دل کھل اٹھتے ہوں گے۔ کئی خزاں رسیدہ کلیاں بہار سے ہمکنار ہو جاتی ہوں گی۔ اے کاش! سگ مدینہ کی پوری زندگی قیمتاً لے لی جائے اور اذان بلال و مسکراہٹ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جھلک دکھا دی جائے۔

جو ہم بھی واں ہوتے خاک گلشن لپٹ کے قدموں کی لیتے اترن
مگر کریں کیا نصیب میں تو یہ نامرادی کے دن لکھے تھے

مغرب کی نماز کا وقت قریب آرہا ہے اس وقت میں صحن حرم میں بیٹھا ہوا ہوں۔ امام بخش داجا میری داہنی طرف بیٹھا ہوا ہے۔ میری بائیں طرف سامنے سبز سبز گنبد و نورانی مینار اپنی بہاریں دکھار ہے ہیں۔ عجیب نورانی سماں ہے۔ میرے پاس الفاظ کہاں جو میں منظر کشی کرسکوں۔

نظر کیا سبز گنبد آرہا ہے کہ دل کا رنگ بدلا جارہا ہے

آپ سب کے لئے میری دعا ہے کہ اللہ عزوجل بار بار آپ کو بھی یہ نظارہ دکھائے۔

سبز گنبد کی فضاؤں میں بلالو سب کو ۔ تیرے عاشق ہیں پریشان مدینے والے

دل مضطر تھا، میں تھا اور تھیں بے تابیاں میری

صاحبزادہ محمد مقصود الرسول

بہت عرصہ پہلے میں نے ایک خواب دیکھا تھا کہ

در سلطان بدرویشے کشادند

پھر مرور زمانہ کے باعث یہ خواب طاق نسیاں کی زینت بن گیا۔ البتہ دل کے اندر ایک حسرت تھی جو بدستور خلش پیدا کرتی رہی اور میں سوچا کرتا کہ دنیا کے عظیم ترین دربار میں باریابی کی سعادت اگر نصیب ہو تو

بپائے خواجہ چشماں رابمالیم

میں جب مدینۃ المنورہ پہنچا تو عجیب گومگو کی حالت تھی۔ کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ جس شہنشاہ کے لئے یہ دونوں جہان پیدا کیے گئے اس کا سامنا کس طرح کروں گا۔ میں سہما ہوا اور بالکل ششدر باب عبدالمجید سے مسجد مبارک میں داخل ہوا اور اسی حصہ میں ظہر کی نماز ادا کرنے لگا۔ دوران نماز میں نے محسوس کیا مسجد اقدس کا جمال اور فیضان نور میری تاب سے بہت زیادہ ہے۔ میرا سر چکرا گیا اور مجھے محسوس ہوا کہ شاید میں اپنے حواس پر قابو نہ رکھ سکوں۔ اللہ کے فضل وکرم سے نماز بخیریت تمام ہوئی۔ اب میں آگے بڑھنے کا ارادہ کر رہا تھا۔ مجھے کوئی اندازہ نہ تھا کہ روضہ اطہر کس سمت میں واقع ہے شائد اس لئے کہ میں مدینۃ المنورہ کے ہوائی مستقر سے سیدھا اپنی قیام گاہ تک پہنچ گیا تھا اور یہ وہ سمت تھی جہاں سے گنبد خضریٰ کا نظارہ ممکن ہی نہ تھا۔ ایک ایک قدم ناپ تول کر آہستہ آہستہ اٹھا رہا تھا۔ کچھ خبر نہ تھی کہ میں کس طرف جا رہا ہوں اور اصل منزل کہاں ہے۔ صرف

دل مضطر تھا میں تھا اور تھیں بے تابیاں میری

اسی حالت میں میرے ایک ساتھی کو میری اس اضطراری کیفیت کا علم ہو گیا۔ اس نے اشارہ سے سمجھایا کہ جالی مبارک تو یہ ہے۔ میری حالت پہلے ہی عجیب وغریب تھی۔ اس کے بعد تو دماغ بالکل سن ہو گیا۔ جب کچھ پرسکون ہوا تو اللہ جل شانہ کا شکر بجالایا کیونکہ

روبرو تھا روضہ شاہ جہاںؐ

گرد و نواح اور آس پاس کے ماحول کا انداز بالکل نرالا تھا۔ کسی کا کسی سے کوئی تعلق یا رابطہ نہ تھا۔ آنسوؤں کی خاموش جھڑی میں سر جھکائے پتہ نہیں کیا کہہ رہے تھے لیکن اس کے لبوں پہ فریاد تھی اور نہ ختم ہونے والی التجا۔ ایسی پرنور فضا اور سکون و طمانیت کی عجیب کیفیت میرے لئے ایک نیا تجربہ تھا۔ میں نہایت خاموشی سے ایک کونہ میں دوزانو بیٹھ گیا اور دیر تک سوچتا رہا کہ۔

میں کہاں اور روضہ اقدس کہاں
دیکھ شان رحمت رب جہاں

میں مدینہ یونیورسٹی میں فقہ اسلامی کی اعلیٰ تعلیم (ADVANCE STUDY) کے ضمن میں دو ماہ کے لئے مدینۃ المنورہ پہنچا تھا۔ ہم چھتیس شرکاء تھے۔ ہمیں "الحجاز پیلس" میں ٹھہرایا گیا۔ یہ ہوٹل باب حضرت عثمانؓ سے تقریباً سو گز کے فاصلہ پر تھا۔ مہر محمد نواز صاحب سیشن جج میرے شریک "غرفہ" تھے۔ وہ پابند صلوٰۃ اور متشرع آدمی تھے۔ صبح تہجد کیلئے اٹھتے تو مجھے بھی اٹھا دیتے جلدی جلدی تیار ہو کر باب جبرئیل کے باہر بیٹھ جاتے اور اذان تہجد کا بے تابی سے انتظار کرنے لگتے۔ اذان کے پہلے کلمہ کے ساتھ جب در اقدس وا ہوتا تو مسجد مبارک میں داخل ہونے کی سعادت نصیب ہوتی۔ بعض حضرات دوڑ لگا کر ریاض الجنۃ میں اپنی پسند کی جگہ پانے کی کوشش کرتے۔

میں نے روایت سنی تھی کہ ستون ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ پر نماز ادا کرنے کی بہت زیادہ فضیلت ہے لیکن باوجود کوشش وہاں پہنچنا نصیب نہ ہوتا اور اپنی سست رفتاری کے باعث اسی ناکامی پر کف افسوس ملتا رہ جاتا۔ چند روز بعد البتہ میں نے بھی دل کڑا کر کے تیز خرامی شروع کردی بلکہ ہلکی سی دوڑ بھی لگا کر استوانہ تک پہنچ جایا کرتا۔

ایک سحر میں اپنی "تیز خرامی" کے باعث ستون مبارک تک پہنچ تو گیا لیکن بے ادبی اور گستاخی کے شدید احساس نے مجھے اندر سے لرزا دیا۔ یہاں تک کہ میں روضہ اطہر کے سامنے نماز کی نیت بھی نہ کر سکا اور کھسک کر ستون کی اوٹ میں نماز ادا کی۔ اس کے علاوہ ایک اور تنبیہ بھی ہوئی جس نے میرا پورا وجود ہلا کر رکھ دیا۔

مجھے خیال آیا کہ جہاں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ جیسی ہستیاں دم بخود

حاضری دیتیں اور کسی ممکنہ بے ادبی کے تصور سے ہی ہمیشہ لرزاں و ترساں رہا کرتیں۔ نیز اصحاب کرام خدمت اطہر میں اس طرح بیٹھتے کہ گویا ان کے سر پر کوئی پرندہ بیٹھا ہو اور وہ ذرا سی حرکت سے اڑ جائے گا تو کسی اور کی کیا مجال؟ بقول عزت بخاری یہ تو عرش معلی سے بھی نازک تر مقام ہے جہاں بڑی بڑی نامور اور عالی مرتبت ہستیاں سانس روک کر حاضری دیتی ہیں۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ مے آمد جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

شدید احساس ندامت سے میری حالت ناگفتہ بہ تھی۔ میں نے اللہ جل و علیٰ سے صدق دل سے توبہ کر کے مغفرت طلب کی جب سے مجھے آہستہ آہستہ احساس ہونے لگا کہ شان کریمی نے میری جبین سے انفعال کے قطرے چن کر میری لغزش معاف فرمادی ہے۔

مہر محمد نواز صاحب کسی درویش کے صحبت یافتہ بھی تھے اور فیضان محبت کا اثر ان کے مزاج میں خاصا نمایاں تھا۔ دوپہر کے کھانے سے فارغ ہو کر ظہر کی اذان سے قبل ہی مسجد اقدس کے اندر قدمین شریفین والے حصہ میں حاضر ہوتا۔ میرا ایک معمول تھا اور بعض اوقات مہر صاحب بھی میرا ساتھ دیتے۔ یہاں جالی مبارک کے جھروکوں سے روضہ انور کی نورانیت سے اپنے آپ کو مالا مال کرنا خوش نصیب لوگوں کیلئے ممکن تھا۔ ایک روز میں جالی مبارک سے لگ کر روضہ اطہر کے اندر اتنی دیر تک جھانکتا رہا کہ اندر والی متبرک دیوار اور درمیان والے مبارک حصہ کا ماحول بالکل واضح صورت اختیار کر گیا۔ سبحان اللہ۔ میں آج بھی اکثر سوچتا ہوں کہ کیا کسی گناہ آلود مسلمان کے نصیب میں ایسی سعادت بھی ممکن ہے؟ میں اسی تحیر کے عالم میں تھا کہ مہر صاحب نے ایک شعر پڑھ دیا۔

تو بر نخل کلیمے بے محابا شعلہ مے ریزی
و بر شمعے یتیمے صورت پروانہ مے آئی

حضرت علامہ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں اپنی یہ مشکل پیش کرتے ہیں کہ یارب العزت یہ کیا معاملہ ہے کہ ایک کلیم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) پر تو بے دریغ شعلہ باری ہوئی اور وہ بے ہوش ہو کر گر گئے لیکن دوسری طرف ایک یتیم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اتنی نازبرداری کہ اس شمع پر آپ بار بار پروانہ کی صورت آتے نہیں تھکتے۔

مکتہ المکرمہ میں بیت اللہ شریف کی زیارت کا شرف ابھی تک حاصل نہیں ہوا تھا اور کئی وجوہات کی بنا پر یہ ارادہ معرض التوا میں رہا تھا۔ ایک جمعتہ المبارک کو مہر صاحب کی معیت میں یہ پروگرام بن گیا اور ہم ام القریٰ کی جانب رواں دواں تھے حضرت علامہ نے عالم تخیل میں روضہ اطہر پر حاضری دی تھی اور یہ شعر بھی اسی وجدانی کیفیت کا غماز ہے۔

تو فرمودی رہ بطحا گرفتم　　وگرنہ جز تو ما را منزلے نیست

(آپ نے ارشاد فرمایا تو میں نے مکتہ المعظمہ کا سفر تیار کیا۔ ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ میری منزل آپ کی ذات اطہر کے سوا کوئی دوسری نہیں)

بیت اللہ شریف کی زیارت ایک الگ داستان ہے جو انشاء اللہ کسی اور موقع پر بیان ہوگی۔ بہر حال حرم پاک میں داخل ہوا تو بیت اللہ شریف کی عظمت اور ہیبت وحیرت سے اچانک دل اتنا زور سے دھڑکا کہ پورا وجود ہل گیا لیکن سبحان اللہ کہ

تصرف ہائے پنہانش بچشم آشکار آمد

عمرہ کے مناسک جناب قاری عبید اللہ صاحب کے حسب ہدایت و رہنمائی ادا ہوئے اور انہی کے زیر انتظار ایک آرام دہ فندق میں شب بسر ہوئی۔

مدینۃ المنورہ میں اب واپسی کی گھڑی قریب نظر آرہی تھی چنانچہ طبیعت پژمردہ اور بے کیف سی رہنے لگی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس نورعلیٰ نور ماحول سے متعارف ہونے کے بعد گزری ہوئی زندگی اور یہاں سے چلے جانے کے بعد آئندہ زندگی کسی عزیز ترین متاع کا بے دریغ زیاں نظر آنے لگی۔

حضرت امام حسنؓ نے ایک بزرگ صحابی سے دریافت فرمایا کہ آپ کی عمر کتنی ہوگی انہوں نے عرض کیا کہ حضرت میری عمر چھ ماہ ہے۔ حضرت امامؓ بڑے حیران ہوئے اور فرمایا آپ اتنے بزرگ ہیں اور آپ کی عمر صرف چھ ماہ ہے؟ عرض کیا حضرت! حضورؐ کی زیارت سے مشرف ہوئے صرف چھ ماہ ہی گزرے ہیں۔

آخری دنوں میں پژمردگی حد سے بڑھ گئی تھی اور طبیعت بالکل بجھ سی گئی تھی ایک سحر میں نے دیکھا میرا ایک اجنبی ہموطن ریاض الجنۃ میں روضہ اطہر کے بالکل قریب نماز تہجد ادا کر رہا تھا اسی دوران صبح کی اذان شروع ہوگئی جب وہ نیک سیرت انسان سجدہ کی حالت میں تھا تو موذن نے کہا اشہد ان محمد رسول اللہ (ﷺ)۔ میں اتفاق سے اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

ان کلمات کا سننا تھا کہ سجدہ میں اس کی چیخ نکل گئی اور اس کا وجود تھر تھر کانپنے لگا۔

میں نے پہلے ہی عرض کیا تھا کہ یہ مسئلہ ہی عجیب و غریب اور کچھ اپنی نوعیت کا ہے۔ ان محسوسات و کیفیت کو کاغذ پر منتقل کرنے کی کوشش حصول ثواب کا ذریعہ تو ہو سکتا ہے اس سے انصاف ممکن نہیں۔

ہر معنی پیچیدہ در حرف نمے گنجد
یک لحظہ بدل در شو شاید کہ دریابی

لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام

مصطفیٰ صادق

میری سوچ ہمیشہ یہ رہی ہے کہ روضہ اقدس تک رسائی کبھی ممکن بھی ہوئی تو اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی جرات نہیں کرسکوں گا اور اس منظر کی تاب نہیں لاسکوں گا۔ اسے احساس مرعوبیت کہہ لیجئے یا اس مقام کی غیر معمولی عظمت قرار دیجئے کہ ہمیشہ یہی احساس غالب رہا لیکن وقت آیا تو سب سوچیں دھری رہ گئیں اور میں "بسم اللہ" پڑھ کر، گناہوں کے بوجھ سے شرمسار، انجانے خوف سے لرزتے کانپتے روضہ اقدس کی داخلی حدود میں جا پہنچا۔ دھیمی دھیمی روشنی، دائیں بائیں دیکھنے کی سکت، نہ آگے اور اوپر نیچے نظر اٹھانے کی ہمت، حتیٰ کہ قدموں کی آہٹ بھی ناپید نابود، بس ایک دوسرے کے پیچھے ایسے قدم بقدم چل رہے تھے کہ جسم بالکل بے جان، روح ہلکان اور دل و دماغ پریشان تھے۔

روضہ کی جالی کے باہر کھڑے ہوکر درود و سلام پیش کرنا بھی اگرچہ کوئی معمولی بات نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا جو انعام ہم پر ہوا، اس کی کوئی انتہا ہی نہیں تھی۔ یہ بات ہر طرح کے مبالغہ سے پاک ہے کہ جنیدؒ و بایزیدؒ ایسے اولیاء اللہ اور برگزیدہ انسان جب ہوش و حواس کھو بیٹھتے ہیں تو کسی دوسرے کے لئے کیونکر ممکن ہے کہ اپنے آپ میں رہ سکے۔ روضہ اقدس کی جالی کے باہر سے ایک سوراخ میں سے جس چادر یا غلاف پر نظر پڑتی ہے، اس پر عربی میں لکھے ہوئے یہ الفاظ صاف پڑھے جاتے ہیں۔ "یہ محمد رسول اللہ ﷺ کی قبر (شریف) ہے" جو کچھ حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں جا کر دیکھا وہ بھی یہی چادر یا غلاف ہے جس پر مذکورہ بالا الفاظ درج ہیں۔ جالی سے اس چادر کا فاصلہ تقریباً ایک میٹر ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف سے بس دو چار انچ کے فاصلے پر کھڑے ہوکر نہایت ادب و احترام کے ساتھ ایک خدارسیدہ بزرگ مزدور نے ہمیں سلام پڑھانا شروع کیا۔ بہت ہی ہلکی آواز، بڑا ہی عاجزانہ انداز، بزرگ اور قابل احترام مزدور کے ساتھ ساتھ ہم بھی اپنی استطاعت کے مطابق وہی کلمات دہرائے جارہے تھے۔

ایک میرا ہی رحمت پر دعویٰ نہیں

مجیب الرحمٰن شامی

برسوں پہلے مولانا محمد علی جوہر کو سوئے حجاز جانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ جہاز جدہ کی بندرگاہ کے قریب پہنچا تو مسرت و شادمانی نے حال عجیب کر دیا، دیوانہ وار رقص کرنے لگے۔ ہم عصروں نے دیکھا تو تعجب کیا۔ مولانا یہ کیا؟ آپ جیسا ثقہ آدمی اور یہ دیوانگی؟ فرمایا مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ میرے خالق کا گھر قریب آ رہا ہے مجھے اس کی زیارت کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔ اب ہوش کی کیا مجال کہ میرے ساتھ رہے۔ اللہ کے گھر تک جھومتے پہنچے۔ دعائیں مقبول ہو چکی تھیں۔ وہ جود و عالم سے خفا اس کے لئے تھا اس کے گھر میں تھا۔ دل کی حسرتیں نکال کر جو خوب نکلیں مگر پھر بھی کہاں نکلیں۔ اس شہر کی طرف روانہ ہوئے، جہاں اللہ کا وہ محبوبؐ بندہ محو آرام ہے جس نے اپنے خالق کا نام بلند کیا۔ اس کا پیغام زمانے کو پہنچایا بلکہ پیغامبری کا حق ادا کیا نہ ایک لفظ زائد، نہ ایک لفظ کم۔ جو کہا، اس پر عمل کر کے دکھا دیا۔ قرآن کا عملی نمونہ پیش فرما دیا۔ حضرت عائشہؓ کے الفاظ میں حضور کی سیرت کیا ہے، بس قرآن۔ ایک قرآن الفاظ کے اندر محفوظ، دوسرا قرآن اس پیکر خاکی میں موجود۔ قرآن کی حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لیا ہے۔ اس لئے الفاظ بھی جوں کے توں موجود اور اس پر عمل کرنے والے کا ایک ایک سانس، ایک ایک لمحہ، ایک ایک ادا بھی محفوظ۔ وقت قرآن غیر ناطق کو دل سے نکال سکا نہ قرآن ناطق کو۔

مولانا جوہرؒ نے گنبد خضریٰ کو آنکھوں سے لگایا تو دل میں اس خواہش نے سر اٹھایا کہ روضے کے اندر جاؤں۔ جالیوں کی نقاب ہٹاؤں۔ قربتوں انوار سے دل کو بھر لاؤں مگر ایسا ہو تو کیوں کر۔ دل کے ہاتھوں مجبور تڑپ رہے تھے۔ قبولیت کا مقام آیا، کسی نے راستہ دکھایا جو خادم صفائی کرنے اندر جاتے ہیں، ان میں سے کسی کو رام کرو۔ اس کا لباس خود پہن لو۔ خدام کی صف میں جا بیٹھو اور سعادت حاصل کر لو۔ خادم خادم کے لباس میں آقا کے پاس پہنچے اس سے بڑی سعادت اور کون سی ہوگی۔ بات دل کو لگی۔ کسی نہ کسی طرح خدام میں

شامل ہو گئے۔ ان کا لباس پہن کر ان کی صفوں میں بیٹھ رہے۔ قربت کا شرف حاصل کر لیا۔ اس کے بعد دل کو چین آیا یا بے چینیاں اور بڑھ گئیں اس کا اندازہ وہی کر سکتا ہے جو وہاں پہنچنے کی لذت میں ڈوبا ہو۔ اس معراج کو پہنچا ہو اور پھر وہاں واپس آنے پر خود کو مجبور پائے۔

مجھ جیسے گنہگار کو بھی وہاں حاضری نصیب ہوئی لیکن یہ شان حصے میں نہ آئی کہ لباس اور حلیہ خادموں کا ہو۔ چند ہفتے پہلے جنرل ضیاء الحق کے ساتھ جانے والوں کے لئے روضہ مبارک کا دروازہ کھلا۔ گناہوں کا احساس دل میں لئے ڈرتے ڈرتے، جھجکتے جھجکتے قدم بڑھائے۔ آنکھیں اس قدر گھبرائیں کہ رونا بھی بھول گئیں۔ دل کو اپنا ہوش رہا نہ آنکھوں کو۔ کسی کو کوئی سنبھالنے والا نہیں تھا۔ یہ مقام وہ ہے جہاں سنبھلنے یا سنبھالنے کی ضرورت بھی نہیں رہتی۔ ہر شخص کا عالم جدا تھا۔ ہر ایک لذتوں کے سمندر میں غوطہ زن تھا۔ آنکھیں دریا بھی ابل رہی تھیں اور سکتے میں بھی تھیں۔ ہچکیاں بندھ بھی رہی تھیں، ضبط کے بند ٹوٹ بھی رہے تھے۔ قرار لٹ بھی رہا تھا اور قرار مل بھی رہا تھا۔

یہ بات اب تک سمجھ میں نہیں آئی کہ چین نصیب ہو چکا ہے یا بے چینی عطا کر دی گئی ہے۔ برادرم صلاح الدین نے مدینے میں کئی بار کئی دن گزارے ہیں۔ ان لوگوں سے ملے ہیں جو برصغیر پاکستان و بھارت میں اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے۔ لیکن ایک بار مدینے پہنچے تو پھر واپس آنے سے انکاری ہو گئے۔ ایک صاحب حضرت بلالؓ کا گھر ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہاں گئے تو اسی جگہ بس گئے۔ انہی کا سا لباس بنوایا اور انہی کی عادات کو اپنا لیا۔ ایک صاحب نے مدینے کی بلیوں کیلئے خوراک جمع کرنے اور انہیں کھلانے کو اپنا شعار بنالیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی زندگی بن گئی۔ مولانا محمد علی جوہر کے سیکرٹری جو ان کیساتھ آئے تھے، واپس نہ گئے۔ یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ لیکن یہ ان دنوں کی باتیں ہیں جب مدینے کی شہریت کے دروازے کھلے تھے۔ اب کوئی چاہے بھی تو وہاں مستقل قیام نہیں کر سکتا۔ عشق کا راستہ، اہل ضرورت نے بند کر دیا ہے۔

اقبال نے ساٹھ سال کی عمر میں اس سرزمین کا سفر اختیار کیا تھا۔ عالم تصور میں یہاں پہنچ کر درود و سلام پیش کیا تھا۔ اپنا حال دل بیان کر کے تسکین پائی تھی۔ ''ارمغان حجاز'' اسی سفر کی روداد ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ میں اس پیری میں جبکہ زندگی غروب کی منزل میں

ہے، مدینہ منورہ روانہ ہوں تو اس میں کسی کو تعجب نہیں ہونا چاہئے۔ شام کے وقت چڑیاں اپنے آشیانے کی طرف روانہ ہوتی ہیں۔ میں بھی اپنے آشیانے کی طرف جا رہا ہوں۔ میرا گھر، میرا وطن، میرا آشیانہ مدینہ ہے۔

اقبالؒ کا آشیانہ سب اہل دل کا ٹھکانا رہا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ ہمیشہ فرماتے تھے کہ شہادت نصیب ہو اور جان مدینہ میں نکلے۔ امام مالکؒ نے صرف ایک بار حج کیا۔ فریضہ ادا ہوا تو پھر یہاں سے جانے پر تیار نہیں ہوتے تھے۔ یہ خوف رہتا تھا کہ موت مدینے سے باہر نہ آجائے۔ روایات میں ہے کہ جو یہاں دفن ہوگا۔ وہ قیامت کے دن حضور کے ساتھ اٹھے گا۔ میری سمجھ میں ابھی تک یہ بات نہیں آرہی کہ جو وہاں پہنچ کر واپس آجاتے ہیں۔ مبارکباد کے قابل ہیں یا ہمدردی کے مستحق۔ وہاں جانا زندگی کا حاصل، لیکن زندہ واپس آجانا؟ آخر اسے کیا نام دیا جائے؟

گستاخ اکھیاں کتھے جا لڑیاں

حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی

مدینہ عالیہ کے سفر میں بمقام وادی حمرا ڈاکوؤں کے حملہ کی پریشانی کی وجہ سے مجبوراً عشاء کی سنتیں مجھ سے رہ گئیں۔ مخلصی فی اللہ مولوی محمد غازی مدرسہ صولتیہ میں شغل تعلیم و تدریس چھوڑ کر حسن ظن کی بنا پر بغرض خدمت اس مقدس سفر میں شریک ہوئے تھے۔ ان رفقاء کی معیت میں میں قافلہ کے ایک طرف سو گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سیاہ عربی جبہ زیب تن فرمائے تشریف لا کر اپنے جمال باکمال سے مجھے نئی زندگی عطا فرماتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوا کہ میں بحالت مراقبہ دوزانوں بیٹھا ہوں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریب تشریف لا کر ارشاد فرمایا کہ آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سنت ترک نہیں کرنا چاہئے۔ میں نے اس حالت میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر دو پنڈلیوں کو جو ریشم سے بھی زیادہ لطیف تھی اپنے دونوں ہاتھوں سے مضبوط پکڑ کر نالہ و فغاں کرتے ہوئے الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کہنا شروع کیا اور عالم مدہوشی میں روتے ہوئے عرض کی کہ حضور کون ہیں؟ جواب میں وہی ارشاد ہوا کہ آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سنت ترک نہیں کرنا چاہئے۔ تین بار یہی سوال و جواب ہوتے رہے۔ تیسری بار میرے دل میں ڈالا گیا کہ جب آپ ندائے رسول اللہ سے منع نہیں فرما رہے تو ظاہر ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اگر کوئی اور بزرگ ہوتے تو اس کلمہ سے منع فرماتے۔ اس حسن و جمال باکمال کے متعلق کیا کہوں، اس ذوق و مستی و فیضان کرم کے بیان سے زبان عاجز ہے اور تحریر لنگ۔

اللّٰھم صلی وسلم و بارک دائما علی سیدنا محمد و آلہ وصحبہ

سجدوں کے واسطے تیرا دربار چاہئے

ماہر القادری

ماں باپ اپنی اولاد پر اتنی شفقت نہیں کر سکتے جتنی شفقت حضور رحمۃ للعالمینؐ کی اپنے امتیوں پر رہی ہے۔ کیسے ہی نافرمان اور بدتوفیق سہی مگر نام لیوا تو انہی کے ہیں۔ کلمہ تو انہی کا پڑھتے ہیں۔ درود تو آپؐ ہی پر بھیجتے ہیں۔ ہم لاکھ کمینے اور اوچھے کم ظرف اور نالائق سہی لیکن جن کے ہم غلام ہیں وہ سب کچھ ہیں۔ خدا کے بعد عظمت و برتری کا کون سا عنوان ہے جو حضور کی ذات و صفات میں شامل نہیں ہے جس نے خون کے پیاسے دشمنوں کو معافی دے دی۔ اس کی وسعت ظرف، مروت عفو و کرم اور درگزر کی بھلا کوئی حد و نہایت ہے۔ مدینے کی طرف اپنے کو متقی، نیکوکار اور پرہیزگار سمجھ کر ہم کب چلے تھے اپنی پارسائی کا دعویٰ کسے ہے۔ یہاں تو بھاگے ہوئے غلاموں کی طرح حاضر ہوئے ہیں۔ ایک ایک آنسو کی بوند میں پشیمانی اور ندامت کے طوفان بند ہیں۔

اسی عالم خیال و تصور میں "باب السلام" سے داخل ہوئے اور مسجد نبویؐ میں جا پہنچے۔ یہ سرو قامت ستون، یہ مصفا جھاڑ فانوس، یہ نظر افروز نقش و نگار۔ ایک ایک چیز آنکھوں میں کھبی جا رہی ہے اور اس ظاہری چمک دمک سے بڑھ کر جمال و رحمت کی فروانی جیسے مسجد نبویؐ کے در و دیوار سے رحمت کی خنک شعاعیں نکل رہی ہیں۔

دامان نگہ تنگ گل حسن تو بسیار
گل چین بہار تو زداماں گلہ دارد

کی معنویت آج سمجھ میں آئی۔ تجلیوں کا وہ ہجوم کہ آنکھیں جلوے سمیٹتے سمیٹتے تھکی جا رہی ہیں۔ یہاں کے انوار کا کیا پوچھنا۔ یہ آفتاب جہاں تاب بے چارہ اس جلوہ گاہ کے ذروں کا ادنیٰ غلام ہے۔

دائیں بائیں، اوپر نیچے، ادھر ادھر، روشنی ہی روشنی اور نور ہی نور مگر لطف یہ کہ آنکھیں خیرہ نہیں ہوتیں۔ یہ آنکھوں کا نہیں خود یہاں کی تجلیوں کا کمال ہے صوفیہ کا قول ہے کہ "تجلی

میں تکرار نہیں'' مگر اس مسئلہ پر غور کرنے کی یہاں فرصت کسے ہے؟

جب ہم مسجد نبویؐ میں حاضر ہوئے تو ظہر کی نماز تیار تھی۔ سنتوں کے بعد جماعت سے نماز ادا کی۔ مسجد نبوی اور سجدہ گاہ مصطفویؐ میں! پیشانی کی اس سے بڑھ کر معراج اور کیا ہو گی؟

نماز کے بعد اب روضہ اقدس کی طرف چلے۔ حاضری کی بے اندازہ مسرت کے ساتھ اپنی تہی دامنی اور بے مائیگی کا احساس بھی ہے۔ یہی سبب ہے کہ درود کے لئے آواز بلند ہوتے ہوتے بھنچ جاتی ہے۔ قدم کبھی تیز اٹھتے ہیں اور کبھی آہستہ ہو جاتے ہیں۔ مواجہ شریف حاضر ہونے سے پہلے قمیض کے گریبان کے بٹن ٹھیک کئے ٹوپی سنبھالی اور پھر۔

وہ سامنے ہیں، نظام حواس برہم ہے
نہ آرزو میں سکت ہے نہ عشق میں دم ہے

زائرین بلند آواز سے درود و سلام عرض کر رہے ہیں اور کتنے تو جالی مبارک کے بالکل قریب جا پہنچے ہیں مگر اس کمینہ غلام کے شوق بے پناہ کی یہ مجال کہاں، چند گز دور ستون کے قریب کھڑا ہو گیا۔ ہاتھ باندھے ہوئے۔ مگر نماز کی ہیت سے مختلف، آہستہ آہستہ صلوٰۃ و سلام عرض کر رہا ہوں کہ حضورؐ کی محفل کے آداب کا یہی تقاضا ہے اور یہ آداب خود قرآن نے سکھائے ہیں۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللّٰہ

الصلوٰۃ والسلام علیک یا حبیب اللّٰہ

الصلوٰۃ والسلام علیک یا خیر خلق اللّٰہ

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رحمۃ للعالمین

زبان سے یہ لفظ نکلے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

صلوٰۃ وسلام عرض کر رہا ہوں مگر آواز گلو گیر ہوتی جا رہی ہے اور الحمدللہ کہ آنکھیں روضہ مبارک کی جالیوں کو چوم رہی ہیں اور دل آنکھوں کو مبارک دے رہا ہے۔ زبان حال سے آنکھوں کی اس سے بڑی خوش قسمتی اور کیا ہو سکتی ہے۔

باادب باملاحظہ ہوشیار

ممتاز مفتی

رات کو کسی نے میرا شانہ ہلا دیا۔ میں جاگ پڑا۔ اٹھ کر بتی جلائی۔ قدرت میرے سرہانے کھڑے تھے۔

''چلئے۔'' وہ بولے

''کہاں؟''

''مسجد نبویؐ کے کھلنے کا وقت ہو گیا۔''

''لیکن آپ کی طبیعت تو ناساز تھی۔''

''اب ٹھیک ہوں۔''

ہوٹل کی سیڑھیاں اتر کر جب ہم نیچے پہنچے تو سڑک سنسان پڑی تھی۔ مسجد نبویؐ کے صدر دروازے بند تھے۔ مسجد نبوی کی دیوار کے ساتھ ساتھ یوں چلے جارہے تھے جیسے راستے سے پورے طور پر واقف ہوں۔ کچھ دور جا کر وہ رک گئے۔

''ادھر آجایئے۔'' وہ دیوار کی طرف اشارہ کر کے بولے

''یہ کون سی جگہ ہے؟'' میں نے پوچھا

''یہ باب جبرئیلؑ ہے۔ اس دروازے سے حضرت جبرئیلؑ حضورؐ کے پاس آیا کرتے تھے۔''

وہ ایک چھوٹا سا دروازہ تھا۔ دیوار کے ساتھ ساتھ زائرین کی قطار لگی ہوئی تھی۔ اندھیرے میں وہ اچھی طرح نظر نہیں آرہے تھے۔ ہم دونوں دیوار کے ساتھ قطار میں کھڑے ہو گئے۔

''یہ دروازہ کہاں کھلتا ہے!'' میں نے پوچھا

''حجرہ مبارک میں۔ یہاں نوافل پڑھنا افضل العبادت ہے۔''

کئی ایک منٹ ہم وہاں دیوار سے لگے کھڑے رہے۔ آنکھیں اندھیرے سے مانوس

ہوئیں تو میں نے دیکھا کہ قطار میں کھڑے زیادہ تر لوگ عمر رسید، ناتواں اور نحیف تھے۔ ان کی گردنیں ہل رہی تھیں۔ ہاتھوں میں تسبیحیں چل رہی تھیں۔ ٹانگیں لڑکھڑا رہی تھیں۔ انداز میں انتہا کی خاکساری تھی۔

دروازہ کھل گیا۔ ہم سب باری باری اندر داخل ہو گئے۔ یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا...... پتہ نہیں اندر داخل ہوتے ہی ان نحیف و نزار بڈھوں کو کیا ہوا کہ ان کی گردنوں نے ہلنا بند کر دیا۔ ٹانگوں نے لڑکھڑانا چھوڑ دیا۔ پتہ نہیں ان میں اتنی طاقت کہاں سے آگئی؟...... جس طرح کوئی دبلی پتلی آسیب زدہ لڑکی پر دفعتاً جن چڑھ جاتا ہے وہ اٹھ کر بیٹھ جاتی ہے، اکڑی ہوئی گردن، چڑھی ہوئی لال سرخ آنکھیں اور وہ عالم دیوانگی میں ادھر ادھر دیکھتی ہے اس میں اتنی قوت ابھر آتی ہے کہ چار آدمی بھی اسے سنبھال نہیں سکتے۔

حجرے میں داخل ہوتے ہی ان دس پندرہ نحیف و نزار بڈھوں پر ایسی کیفیت طاری ہو گئی جیسے وہ سب کے سب جن بن گئے ہوں۔

اس دیوانگی میں شر کا عنصر نہ تھا، جارحانہ رنگ نہ تھا۔ صرف جذبے کی وارفتگی تھی جو جنون بن گئی تھی۔

حجرے میں داخل ہوتے ہی قدرت نے دیوار کے پاس کھڑے ہو کر نفلوں کی نیت باندھ لی۔ اس کے پاس ہی میں نے بھی دو رکعت نفل کی نیت باندھی۔ دفعتاً پیچھے سے ایک دھکا آیا۔ میں ہوا میں اچھلا اور قلابازی کھا کر مقابل کی دیوار سے جا ٹکرایا۔ چند ساعت کے لئے تو مجھے سمجھ ہی میں نہ آیا کہ ہوا کیا ہے پھر یاد آیا کہ مجھے نفل پڑھنے ہیں۔ میں نے اٹھ کر پھر نیت باندھی۔ چند ساعت کے بعد میں نے اپنے کو اوندھے منہ گرا ہوا پایا۔ ارے یہ کیا ہو رہا ہے؟ میں نے سوچا۔

کچھ دیر تو میں اپنے آپ کو سنبھالنے میں مصروف رہا، پھر اٹھ کر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ از سر نو نیت باندھوں کہ نہیں۔ میں نے چاروں طرف دیکھا۔ حجرے میں نمازیوں کی کیفیت دیکھ کر ہمت نہ پڑی "بیکار ہے"۔ میں نے سوچا۔ "یہاں نفل پڑھنا میرے بس کی بات نہیں۔ نہیں میں نفل نہیں پڑھوں گا۔" اس فیصلے کے بعد میں سرک سرک کر کونے میں جا بیٹھا اور حجرے کا جائزہ لینے لگا۔

حجرے کی کیفیت عجیب سی تھی۔ مجھے ایسے محسوس ہوا جیسے میں کلکتے کے "بلیک ہول" میں

بیٹھا ہوں اور اس "بلیک ہول" میں کہیں کوئی ہاتھی گھسا ہوا ہے پھر میری نگاہ قدرت پر جا پڑی۔

قدرت اس وقت فٹ بال کی طرح حجرے میں ادھر ادھر اچھل رہے ہیں۔ ابھی اس دیوار سے ٹکرائے۔ اب اس دیوار کے پاس اوندھے منہ پڑے ہیں۔ لو وہ پھر اٹھ بیٹھے اور یوں کھڑے ہو گئے جیسے نیت نہ ٹوٹی ہو، جیسے نماز جاری ہو، جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ ارے وہ پھر دھڑام سے پیچھے کو گرے۔ ان کے پیچھے کھڑے سات آٹھ نمازی سب کے سب لڑھک گئے۔ جیسے قریب قریب کھڑی اینٹوں کی قطار میں سے ایک اینٹ گرے تو ساری اینٹیں گر جاتی ہیں۔

ارے وہ تو پھر کھڑے نفل پڑھ رہے تھے! حیرت کی بات یہ تھی کہ قدرت صرف جسمانی طور پر گرتے رہے اور یہ جسمانی تھپیڑے ان کے ذہن پر کوئی اثر نہیں رکھتے تھے۔ گرنے کے بعد فٹاک سے یوں اٹھ کر کھڑے ہوتے جیسے مٹی کے پہلوان ہوں۔ نہ وہ یہ دیکھتے تھے کہ دھکا کدھر سے آیا نہ یہ دیکھتے کہ انہیں کہاں چوٹ لگی، نہ یہ دیکھتے کہ اب کہاں کھڑے ہیں۔ وہ تو یوں اٹھ کر ہاتھ باندھ لیتے جیسے سجدے سے اٹھے ہوں۔

میں حیرت سے ان کی طرف دیکھتا رہا، دیکھتا رہا۔

پہلے تو مجھے خیال آیا کہ انہوں نے پاکھنڈ مچا رکھا ہے۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص چاروں طرف سے یوں دھکے کھائے، لڑکھڑائے، قلابازیاں لگائے، دیوار سے پچا جائے، لیکن اس کی یکسوئی میں فرق نہ آئے۔ نماز جاری رہے، نیت نہ ٹوٹے۔

میں نے خود دو مرتبہ قلابازیاں کھائی تھیں۔ کئی منٹ میں جسم کو سہلاتا رہا تھا۔ نماز کی بات چھوڑیئے، ایک بار تو میں نے اپنے آپ کو یہ سوچتے ہوئے پکڑ لیا تھا کہ اب کی بار جس نے مجھے دھکا دیا، بڑھ کر اس کی گردن دبوچ لوں گا۔ "تیرے فلاں کی فلاں کے فلاں......"

قدرت کے علاوہ وہاں دوسرے لوگ بھی نفل پڑھنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ انہیں بھی دھکے لگتے تھے وہ بھی لڑکھڑا کر گرتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ نیت نہ ٹوٹے لیکن ان کی توجہ بھٹک جاتی۔ ادھر ادھر دیکھنے لگتے اور انہیں پھر سے نیت باندھنی پڑ جاتی تھی۔

پھر جو میں نے دیکھا کہ ایک تازہ دھکا کھانے کے بعد قدرت میرے قریب آ کھڑے

ہوئے ہیں۔ میں نے ان کی طرف غور سے دیکھا۔ ان کے چہرے کو دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا۔ چہرے پر اس قدر سکون تھا جیسا پہاڑ کے ویرانے میں سنو لائن (SNOW LINE) سے اوپر کسی کھوہ میں تن تنہا کوئی یوگی دھیان لگائے بیٹھا ہو۔ ان کے چہرے پر کوئی الجھن نہ تھی، فکر کی کوئی سلوٹ نہ تھی، آزردگی کا کوئی نشان نہ تھا۔ ایسے لگتا تھا جیسے وہ بڑ کے درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے "بدھ" ہوں۔ جنہیں نروان حاصل ہو چکا ہو۔ نہیں نہیں، یہ نہیں ہو سکتا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ تقاضائے بشری کے منافی ہے۔ یہ لوگ جو اس افراتفری میں بھی دھیان لگائے رکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ کیا بشری تقاضوں سے بے نیازی حاصل کر چکے ہیں؟

دفعتاً مجھ پر انکشاف ہوا کہ صرف وہی لوگ اس حجرے میں نفل ادا کر سکتے ہیں جنہیں اللہ نے UNISON کی نعمت بخشی ہے۔ صرف وہی لوگ جو پہلے ہی سے نوازے ہوئے ہیں۔ صرف وہی لوگ جنہیں پہلے ہی سے اللہ اور محمدؐ کی خوشنودی حاصل ہے۔

"یا رسول اللہؐ! مجھ سے گنہگار پر یہاں نفل پڑھنے کے دروازے کیوں بند کر دیئے گئے ہیں؟ مجھ سے دنیادار جنہیں یک سوئی کی طاقت حاصل نہیں، جو پہلے ہی سے نوازے ہوئے نہیں، وہ اس نعمت عظمیٰ سے کیوں محروم ہیں۔"

"یا رسول اللہؐ! کیا تیری درگاہ میں بھی صرف اجلوں کو مزید اجلے ہونے کے مواقع میسر ہیں؟ کیا میلوں کو یہاں بھی درخور اعتنا نہیں سمجھا جاتا ہے؟"

اس حجرے میں میرے نفل پڑھنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ "ہٹاؤ"۔ میں نے سوچا۔ "زبردستی کرنے کا کیا فائدہ ہے؟" کونے میں بیٹھ کر میں چاروں طرف غور سے دیکھ رہا تھا۔ ان زائرین کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جو اس دھکم پیل میں بھی اللہ کی طرف دھیان لگائے رکھنے کی طاقت رکھتے تھے میں ان کی نگاہوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

وہاں مجھ ایسے لوگ بھی تھے جو نیت قائم نہیں رکھ سکتے تھے پھر بھی زبردستی ہاتھ باندھے کھڑے تھے جو ٹوٹی ہوئی نیت کو زبردستی بندھی ہوئی نیت سمجھ رہے تھے جو وہاں ستر ہزار نمازوں کا ثواب حاصل کرنے پر مصر کھڑے تھے جو خود پر دوزخ کی آگ حرام کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔

"یا رسول اللہؐ!" میرے دل سے ایک منت ابھر رہی تھی جسے دبانے کی شدید کوشش ناکام ہوئی جا رہی تھی۔ "یا رسول اللہؐ! یہاں میں ستر ہزار نمازیں اپنے نام کرانے کے لئے

حاضر نہیں ہوا۔ بہشت میں اپنی جگہ محفوظ کرانے کے لئے یہاں نماز پڑھنے کا متمنی نہیں ہوں۔ میں تو صرف اس لئے یہاں نماز پڑھنا چاہتا ہوں کہ تیرے گھر کی دہلیز پر کھڑا ہو کر تجھے سلام کروں۔

وہ سلام نہیں جو دوسرے پر سلامتی بھیجتا ہے وہ سلام نہیں جو کتابوں میں لکھا ہوتا ہے بلکہ وہ سلام جو ایک ادنیٰ عاجز مسکین شخص ایک اعلیٰ اور ارفع ہستی کو جھک کر ماتھے پر ہاتھ رکھ کر کرتا ہے۔ میری آرزو ہے کہ اپنی عقیدت کا اظہار کروں۔ تیری خوشنودی حاصل کرنے کے لئے سجدہ کروں۔ تیری خوشنودی سے عظیم تر نعمت کیا ہو سکتی ہے؟ میرا جی چاہتا ہے کہ میں تیرے قدموں میں کھڑا ہو کر نعرہ لگاؤں کہ اے عظیم ترین انسان! میں جو ننگ انسانیت ہوں، میں تجھے سلام کرتا ہوں تو جو میرا سلام قبول کر لے تو میری خوشیوں کا کوئی ٹھکانا نہ رہے اور تجھے کوئی پوچھنے والا نہیں کہ ایسے شخص کا سلام کیوں قبول کیا؟ جو انسانیت کے نام پر کلنک کا ٹیکا ہے۔"

دفعتاً میری نگاہ قدرت پر جا پڑی وہ سلام پھیر چکے تھے اور میری طرف بڑی شفقت سے دیکھ رہے تھے۔ مجھے ایسے محسوس ہوا جیسے ان کی مسکراہٹ میں حضور اعلیٰ کا پیغام جھلک رہا ہو کہ "اے ممتاز! ہم نے تیرا سلام قبول کیا۔"

"آؤ اب چلیں"۔ انہوں نے مجھ سے کہا۔ فرط انبساط سے قدرت کی باچھیں کھلی ہوئی تھیں۔ وہ چل پڑے اور میں ان کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔

باب جبرئیلؑ سے زائرین کا ایک تازہ ریلا آیا اور ہم چشم زدن میں حجرے سے باہر نکل گئے۔ میں نے دیکھا کہ ہم مسجد نبویؐ کے اس حصے میں جا نکلے ہیں جو ترکی تعمیر کا چھتا ہوا وسیع دالان ہے۔ ہم دالان میں داخل ہوتے ہی دائیں ہاتھ مڑ گئے ہمارے سامنے مزار مقدس کا سبز جنگلا تھا۔

جنگلے کے سامنے قدرت رک گئے اور ہاتھ اٹھا کر دعا پڑھنے لگے۔ میں نے بھی ان کے پیچھے کھڑے ہو کر ہاتھ اٹھا لئے۔ جلد ہی میں نے محسوس کیا کہ حضور اعلیٰ کی خدمت اقدس میں پیش کرنے کے لئے میرے پاس کوئی دعا نہیں۔

دعا کے معاملے میں میں عام مسلمانوں کی طرح بہت احمق واقع ہوا ہوں نہ جانے کیوں دعا مانگتے وقت میرے دل کی گہرائیوں سے یہ خیال ابھرتا ہے کہ دعا سنتے وقت اللہ تعالیٰ

شنک بخش مولوی صاحب کا روپ دھار لیتے ہیں۔ پہلے وہ ناک پر رومال رکھ لیتے ہیں پھر ہاتھ میں ایک چمٹی پکڑ لیتے ہیں اور پھر گندی، غلیظ، ہوس بھری اور ناجائز دعاؤں کو اس چمٹی سے اٹھا اٹھا کر دور پھینک دیتے ہیں۔ پھر ناک سے رومال ہٹاتے ہیں۔ چمٹی ایک طرف رکھ دیتے ہیں اور ہاتھ دھو کر بچی کھچی صاف ستھری دعاؤں کا جائزہ لیتے ہیں۔ ان میں سے بھی نامعقول دعائیں نکال کر پھینک دیتے ہیں اور پھر بقیہ دعاؤں کو ایک طرف رکھ دیتے ہیں کہ فرصت کے وقت ان پر غور کریں گے۔

لاشعور میں رچے بسے ہوئے اس اعتبار کی وجہ سے مجھ ایسے عام گنہگار مسلمانوں نے نہ تو کبھی دعا کے مفہوم کو سمجھا ہے، نہ مانگنے کے فعل کو جانا ہے اور نہ قبول کرنے والے کی عظمت کا راز پایا ہے۔

میری اپنی حالت یہ ہے کہ دعا کے لئے ہاتھ اٹھانے سے پہلے سوچتا ہوں کہ کہیں میں اتنا تو نہیں مانگ رہا کہ دینے والے پر بوجھ ہو جائے؟ کہیں ایسی چیز تو نہیں مانگ رہا جو ناجائز ہے جو غلیظ ہے، جس میں گناہ کا عنصر موجود ہے۔ کہیں اس دعا سے میری طبعی ہوس کا بھید تو نہیں کھلتا؟ پھر میں عرض کرتا ہوں کہ یا اللہ! میں حریص نہیں ہوں، میں تجھ سے زیادہ نہیں مانگتا۔ صرف اتنا مانگ رہا ہوں جس کی مجھے اشد ضرورت ہے اور جسے دینا تیرے لئے بار نہ ہوگا۔

اس کے ساتھ ہی میرے دل سے ایک ہلکی سی آواز آتی ہے۔ اتنی ہلکی سی کہ سنی نہیں جاسکتی۔

"یا اللہ! دیکھ لے، میں کتنا اچھا آدمی ہوں۔ میں نے تجھ پر بوجھ نہیں ڈالا۔ میں نے ایسی دعا نہیں مانگی کہ تجھے ناک پر رومال رکھنا پڑے، چمٹی اٹھانی پڑے۔ یا اللہ دیکھ لے ایسی دعا مانگ کر میں نے تجھ پر کتنا احسان کیا ہے؟"

میرے ایک دوست ہیں غلام دین وانی۔ انہوں نے ساری عمر نمازوں اور عبادتوں میں گزار دی ہے لیکن آج تک وہ "دعا" مانگتے ہیں اور "دینے والے" کے مفہوم سے واقف نہیں۔ وہ اتنی خست سے دعا مانگتے ہیں کہ میرے نزدیک ان کی دعا، دینے والے کی توہین کا باعث ہو جاتی ہے۔

ان کی دعا کا متن کچھ ایسا ہوتا ہے کہ "یا باری تعالیٰ! بے شک مجھے زیادہ نہ دے لیکن اتنا

تو دے کہ میرا گزارہ ہو جائے۔ یا اللہ! اور کیا عرض کروں، تو مالک ہے، جیسے تیری مرضی۔"

میں نے بارہا غلام دین وانی کو سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ باری تعالیٰ کے حضور میں دعا مانگو تو اس پر قبول کرنا عاید کرنے کی کوشش کرو۔ یوں کہ "یا باری تعالیٰ! میرا کام مانگنا ہے تیرا کام دینا ہے تو جو بن مانگے دیتا ہے، مانگنے پر کیوں نہ دے گا۔ ضرور دے گا۔ یا باری تعالیٰ! مجھے دے، اتنا دے کہ پھر مانگنے کی حاجت نہ رہے۔" بارہا میں نے وانی صاحب سے کہا ہے۔ "یا تو مانگو اور دینے والے پر پورا بھروسہ کر کے مانگو اور یا نہ مانگو۔ یہ کیا ظلم کرتے ہو کہ مانگتے بھی ہو، ساتھ ہی یہ بھی تاکید کرتے جاتے ہو کہ زیادہ نہ دینا۔ پھر اپنی مسلسل تنگدستی پر روتے بھی رہتے ہو۔ یہ کیا تک ہے کہ ایک طرف مانگتے ہو دوسری طرف دینا یا نہ دینا اس کی مرضی پر چھوڑ دیتے ہو کہ آگے تو مالک ہے جو تیری مرضی۔"

پہلی مرتبہ جب میں نے ایک شخص کو مانگتے ہوئے سنا تو حیران رہ گیا۔ داتا کا مزار تھا۔ ایک جٹادھاری فقیر آیا۔ یوں داخل ہوا جیسے مقروض کے گھر قرض خواہ آیا ہو۔ اس نے داتا کو للکارا: "جو داتا بنا بیٹھا ہے تو دے۔ دیکھ تیرے دوار پر مانگنے والا آیا ہوے۔ دے۔ دس کروڑ روپے کا سوال ہے۔ دس کروڑ روپے، دس کروڑ روپے، دس کروڑ روپے۔" چلاتا ہوا وہ دوسرے دروازے سے باہر نکل گیا۔

"ارے!" میں بھونچکا رہ گیا۔ "یہ جٹادھاری ہو کر روپیہ مانگ رہا تھا! اپنی اس مانگ پر ندامت نہیں محسوس کر رہا تھا۔ ہماری طرح داتا کو خسیس مولوی نہیں سمجھ رہا تھا۔ یہ نہیں سمجھ رہا تھا کہ داتا ناک پر رومال رکھ لیں گے، ہاتھ میں چمٹی اٹھا لیں گے۔"

"ارے!" گویا میری آنکھیں کھل گئیں۔ زندگی میں میں نے پہلی مرتبہ سچا مانگنے والا دیکھا تھا۔ پہلی مرتبہ ایک ایسا شخص جو مانگنے کی عظمت سے واقف تھا، جو داتا کو داتا سمجھتا تھا۔

ہاں تو حضور اقدس کی جالی کے پاس کھڑے ہو کر قدرت کو دعا پڑھتے ہوئے دیکھ کر میں نے بھی ہاتھ اٹھا لئے، لیکن چند ساعت کے لئے میں خالی ہاتھ اٹھائے کھڑا رہا۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا دعا مانگوں۔ دعا مانگنے میں میں کئی بار فاش غلطیاں کر جایا کرتا ہوں۔ لہٰذا ایسے وقت، میں ڈرتا رہتا ہوں کہ کہیں جذبات طاری نہ ہو جائیں اور ترنگ میں ایسی بات نہ کہہ دوں کہ بعد میں شرمساری سے اپنے آپ سے منہ چھپاتا پھروں۔

کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کرم نوازیاں اس حد تک بڑھ جاتی ہیں کہ میں

جذبات کی رو میں بہہ کر اللہ کے حق میں دعائیں مانگنے لگتا ہوں کہ ''یا اللہ تو اتنا اچھا ہے کہ اللہ تجھے خوش رکھے اللہ تجھے عظمتیں بخشے'' ...... پھر دفعتاً مجھے احساس ہوتا ہے کہ یہ میں کیا بک رہا ہوں۔ کیا میں باری تعالیٰ پر ایک اور اللہ مسلط کر رہا ہوں۔ اس پر اتنا شرمسار ہوتا ہوں کہ کچھ کہہ نہیں سکتا۔ پھر مجھے غصہ آنے لگتا ہے کہ میرے اللہ مجھ پر اتنی کرم فرمائیاں کرتے ہیں اور میں ان کے حق میں دعا بھی نہیں مانگ سکتا۔

حضور اقدسؐ کی خدمت میں کھڑے ہو کر میرے ذہن میں صرف ایک بات آئی، سو میں نے عرض کر دی۔ ''یا حضورؐ! میں اتنی دور سے چل کر اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ آپ کی خدمت میں سلام عرض کروں۔ آپ کی کتنی کرم نوازی ہے کہ حضورؐ نے مجھے ایسے کا سلام قبول فرمایا۔ اللہ آپ کو مزید عظمتیں عطا فرمائے، مزید رفعتوں سے نوازے، مزید قرب حاصل ہو۔''

دفعتاً مجھے خیال آیا کہ یہ میں کیا کہہ رہا ہوں؟ گویا عرش بریں سے کہہ رہا ہوں کہ اللہ آپ کو عرش بریں کے مرتبے سے نوازے۔

''یا حضورؐ!'' میں نے شرمساری سے عرض کی۔ ''میری باتوں کا برا نہ مانئے، میں بیوقوف ہوں، جاہل ہوں۔''

عین اس وقت مجھے درود تاج یاد آ گیا اور میں حضورؐ کی حمد و ثناء میں اپنی خفت مٹانے کی کوشش کرنے لگا۔ میرا جی چاہا کہ میں بھی روؤں۔ لیکن میری آنکھوں میں آنسو نہ تھے۔

گزشتہ گناہوں پر سچے دل سے توبہ کی جائے تو رقت پیدا ہوتی ہے۔ رقت گویا ایک دھنکی ہے جو روح کو دھنک کر رکھ دیتی اور قلب میں ایک نئی پاکیزگی پیدا کر دیتی ہے۔ میرا بھی جی چاہتا ہے کہ مجھ پر رقت طاری ہو، میری روح بھی دھنکی جائے، مجھ میں بھی ایک نئی پاکیزگی پیدا ہو۔ لیکن مجھ پر کبھی رقت طاری نہیں ہوئی۔ شاید اس لئے کہ میں نے سچے دل سے گزشتہ گناہوں پر کبھی اظہار ندامت نہیں کیا۔ کبھی اظہار توبہ نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ مجھے اپنی معصیت کا احساس نہیں یا مجھے گزشتہ گناہوں پر ندامت نہیں۔

یقین جانئے مجھے گناہ سے آلودہ ہونے کا شدت سے احساس ہے لیکن جب بھی مجھے توبہ کا خیال آتا ہے تو اندر سے ایک آواز آتی ہے کہ توبہ کرنے کا حق صرف اسے حاصل ہے جسے اپنے آپ پر اعتماد ہو۔ جو یقین سے کہہ سکے کہ آئندہ گناہ کا اعادہ نہ ہوگا۔ مجھے اپنے

آپ پر اعتماد نہیں۔

دفعتاً میری نگاہ قدرت پر جا پڑی۔ جنگلے سے ذرا پیچھے ہٹ کر وہ ہاتھ اٹھائے کھڑے تھے۔

"یا اللہ! اتنی لمبی دعا؟" میں نے ایک قدم آگے بڑھ کر ان کی جانب دیکھا۔ "میرے اللہ! یہ قدرت کو کیا ہوا ہے؟" میرے سامنے قدرت نہیں بلکہ ایک نحیف و نزار بوڑھا کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ ڈھلک گیا تھا، آنکھوں کی چمک گل ہو گئی تھی، پیشانی پر بے شمار سلوٹیں پڑی ہوئی تھیں۔ منہ پر منوں عجز کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ گردن خاکساری کے دباؤ تلے ڈھلکی ہوئی تھی۔ ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے عجز و انکسار میں جان پڑ گئی ہو۔ "یہ دعا یہ انداز تو نہیں" میں نے سوچا۔ "رقت بھی نہیں۔ احساس معصیت بھی نہیں۔ پھر یہ عجز کیا ہے؟"

جنگلے سے لپٹے ہوئے زائر نے ایک نعرہ مارا۔ میری توجہ اس کی جانب مرکوز ہو گئی۔

پھر جو دوبارہ میں نے قدرت کی طرف دیکھا تو وہ مزید بوڑھے ہو چکے تھے۔ ہر ساعت کے بعد ان کی عمر میں دس سال کا اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ دفعتاً میں نے محسوس کیا کہ وہ دعا نہیں پڑھ رہے تھے، حمد و ثنا نہیں کر رہے تھے۔ ارے! شاید وہ حضوری میں کھڑے ہوں۔ میں نے پھر غور سے انہیں دیکھا میرے دل پر ایک خوف طاری ہو گیا۔

جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعت اور عظمت کو میں نے صرف سنا ہے، پڑھا ہے، جانا نہیں۔ قدرت کے عجز و انکسار کو دیکھ کر میں نے محسوس کیا کہ ضرور اس شخص نے حضور کی عظمت و رفعت کو جانا ہے۔ ان کا انگ انگ اس بات کی شہادت دے رہا تھا کہ وہ اس لمحے میں بھی "جاننے" کے عالم میں تھے۔ یہ محسوس کرتے ہی میرے جسم و روح میں خوف کی ایک پھریری سی چل گئی۔ "یا اللہ! تیرا رسولؐ اتنا عظیم ہے۔ اتنا عظیم!" اب تک میں دنیا کے عظیم ترین انسان کی خدمت میں حاضر تھا، لیکن اب جناب رسول اللہ کی خدمت اقدس میں ایستادہ ہو گیا۔ قدرت نے دعا ختم کر لی۔

"چلو چلیں۔" انہوں نے مجھے اشارہ کیا

"کیوں نہ ہم اس جگہ پر قبضہ جمالیں۔" میں نے کہا

میری بات سن کر ان پر شدید گھبراہٹ طاری ہو گئی۔ "نہیں نہیں، ایسا نہیں سوچنا چاہئے۔"

''کیوں؟'' میں نے پوچھا

''ہمیں دوسروں کو موقع دینا چاہئے۔'' یہ کہہ کر قدرت مسجد کے دوسرے حصے کی طرف چل پڑے۔ دور جا کر ہم دونوں ایک کونے میں بیٹھ گئے۔ میں نے ان کی جانب دیکھا۔ آہستہ آہستہ ان کی کیفیت نارمل ہوتی جا رہی تھی۔ مسجد میں پہنچ کر ان پر ایک عجیب سا سکون طاری ہوتا جا رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے کوئی ندی پہاڑی علاقے میں سر پٹختی، دوڑتی بھاگتی آتی ہے اور پھر میدان میں پہنچ کر اس کا پانی چاروں طرف پھیل کر ساکن ہو جاتا ہے۔ اس روز سارا دن قدرت پر ایک عجیب سا سکون طاری رہا۔ اذان ہوتی تو وہ مسجد کی طرف چل پڑتے۔ ''چلئے اذان ہو گئی۔'' وہ مجھ سے کہتے۔ ان کے انداز میں تڑپ یا بے قراری نہ تھی۔ انہیں یہ فکر بھی دامن گیر نہ تھی کہ نماز کے لئے مسجد کے اندر جگہ ملے۔

مسجد نبویؐ نمازیوں سے بھر جاتی ہے تو لوگ مسجد کے سامنے میدان میں صفیں بنا کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور وہیں نماز ادا کرتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو بھیڑ کے باوجود زبردستی مسجد میں گھس جاتے تاکہ مسجد کے اندر نماز پڑھیں۔

سارا دن قدرت یا تو مسجد کے باہر نماز پڑھتے اور یا مسجد کے عوامی حصے میں۔ سارا دن وہ نہ تو مزار مقدس کی طرف جاتے نہ ترکی دالان کی طرف۔ ''یا اللہ! یہ کیا اسرار ہے؟ صبح اتنی شوراشوری اور اب اتنی بے نیازی۔'' بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

مدینہ منورہ میں پہنچ کر میری کیفیت ایسی تھی جیسے کوئی خالی ورق ہو، خالی برتن جیسے شہد ٹپک گیا ہو اور خالی کھگا رہ گیا ہو۔

شام کو مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد جب ہم ہوٹل میں واپس پہنچے تو قدرت اپنے کمرے میں چلے گئے اور میں اپنے کمرے میں آ گیا۔ دل پر ایک عجیب سی اکتاہٹ طاری تھی۔

اک اک قدم پر سجدۂ شکرانہ چاہئے

ناصر قریشی

مغرب کی نماز کے بعد مسجد حرام سے قیام گاہ لوٹے تو زندگی کی ایک اور سب سے بڑی خوش خبری ملی کہ کل مدینے کا قصد ہے۔ پوری رات جسمانی اور روحانی تیاریوں میں بسر ہوگئی۔ کچھ دیر کو آنکھ لگی مگر حسب معمول تہجد کے وقت بیدار ہو گئے۔ سیدھے مسجد حرام پہنچے۔ خوش خبری پر اللہ کا شکر ادا کیا۔ فجر کی اذان تک تہجد کے نوافل پڑھتے رہے اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب دیکھتے رہے۔ وہ خواب جن کی تعبیر ملنے والی تھی۔ خبر کیا سنی، گویا ہلال عید دیکھ لیا ہو اور عید کی خوشیوں کا انتظار ہو، یہ انتظار لحہ لحہ کم ہوتا جا رہا تھا۔

شہر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہوتے وقت مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مینار تو کل ہی دیکھ لئے تھے۔ مگر دور سے قربت کی تمنا اور بڑھ گئی تھی۔ چنانچہ علی الصبح تین بجے سے بھی پہلے اٹھ بیٹھا۔ سفید لباس پہن کر عطر گلاب لگا کر جو بصد اہتمام گھر سے لے گیا تھا۔ سوئے حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم چل دیا۔ راستے بھر درود شریف پڑھتا رہا اور نظریں مسجد کے میناروں پر ہی مذکور رہیں۔ مسجد میں قدم رکھتے ہوئے دل کی دھڑکنیں مزید تیز ہو گئیں۔ تہجد اور فجر توسیع شدہ حصے میں ادا کی۔ بعد ازاں ہجوم عاشقان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں گم ہو گیا۔ عشاق یہاں بھی بپھرے ہوئے تھے۔ بمشکل روضہ اطہر صلی اللہ علیہ وسلم تک رسائی ہوئی۔

اولین دور کا پورا شہر مدینہ آج کل مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے احاطے میں سما گیا ہے۔ گویا شہر کا شہر دامن رحمت للعالمین کے سایہ عاطفت میں آ گیا ہے۔ پورا شہر مسجد صلی اللہ علیہ وسلم کی پہنائیوں میں سما گیا ہے۔ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی کشادگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر کی کشادگی کی ایک جھلک پیش کرتی ہے۔ ان کے عشاق کتنی بھی تعداد میں ہوں، مسجد میں سب کے سب سما جاتے ہیں۔ اس شہر کی بہار کی اساس، عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ دنیا بھر کے عشاق، کشاں کشاں سوئے روضہ اطہر چلے آتے ہیں، چہرے

پھولوں کی طرح کھلے ہوتے ہیں، لبوں پر درود و سلام کا ورد ہوتا ہے اور نگاہیں روضہ کی طرف لگی ہوتی ہیں۔ یہ ہجوم، ہجوم عاشقاں ہوتا ہے۔ کسی کو کسی سے شکایت نہیں ہوتی۔ مقامات مقدسہ کی زیارت سب کا نصب العین ہوتا ہے۔ منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ریاض الجنت، موذنہ بلالؓ، قدمین شریفین، باب جبرئیلؑ غرض ہر مقام پر عاشقان رسول صلی اللہ علیہ وسلم نفلوں میں منہمک ہوتے ہیں اور جونہی روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری دیتے ہیں۔ درود و سلام پڑھتے ہیں اور روضہ مبارک پر نظریں جماتے ہیں تو ہر فرد کی گویا دنیا ہی بدل جاتی ہے۔ کبھی کبھی تو احساس ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرہ میں تشریف فرما ہیں اور ان کے تمام ساتھی صحابہ کرامؓ قطار میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہیں اور وہاں سے دائمی بہار کے پھولوں کی خوشبوؤں کی لپٹیں آرہی ہیں۔ کبھی لگتا ہے جبرئیلؑ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کر کے ابھی ابھی اس حجرہ کے سے آسمانوں کی طرف گئے ہیں۔ کبھی احساس ہوتا گویا صفہ مبارک صحابیوں سے پر ہے اور تمام صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت کے موتی چن رہے ہیں۔ کچھ لوگ ریاض الجنتہ میں نفلیں ادا کر رہے ہیں۔ کچھ منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب و جوار میں نفل پڑھنے کی جستجو میں ہیں، اکثر عشاق تو بس مجسم آنکھ بنے روضہ اطہر صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت میں گم ہیں۔ ہونٹ کپکپارہے ہیں، درود و سلام کا ورد جاری ہے، سانس اٹک اٹک کر آتے ہیں، آنکھیں ٹپ ٹپ آنسو بہارہی ہیں۔ آنسوؤں کی آبشاروں میں سے حضور کے روضے صلی اللہ علیہ وسلم کی دید ہو رہی ہے، دل جیسے سہم گئے ہیں، بدن لرز رہا ہے، دماغ اور ہوش و حواس گم ہیں۔ زائرین کی ساری زندگی کی خواہش، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور کھڑے ہونے کی تمنا پوری ہو رہی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث گرامی زائرین کے قلب و ذہن میں گونج رہی ہے کہ "جو میری زیارت کے لئے میری قبر پر حاضر ہوا مجھ پر اس کی شفاعت لازم ہوگئی۔" زائر جس قدر اطمینان کے ساتھ یہاں سے لوٹتا ہے کم ہی لوٹتا ہوگا کہیں اور سے۔ کیونکہ دریائے رحمت و شفقت سے ایک قطرہ بھی میسر آجائے، کافی ہے۔

کچھ نہ بولوں گا زباں سے انکی بزم خاص میں

کرنل نعیم آفریدی

مجھے اپنے دامن کے خالی ہونے کا احساس پہلی دفعہ بڑی شدت سے 1987ء میں ہوا تھا۔ جب میں عمرہ کی ادائیگی کے بعد روضہ رسولؐ پر حاضری دینے گیا تھا۔ مسجد نبویؐ میں باب النساء سے داخل ہوا تو دل شوق اور آرزو کی تکمیل کی وجہ سے زور زور سے دھڑک رہا تھا لیکن ٹانگیں باعث ندامت اور شرمندگی کانپ رہی تھیں۔ تب یہ احساس شدت سے ہوا کہ یہ دامن اور سنت نبویؐ کے ان پھولوں سے خالی ہے جو مزاج عقیدت کے لئے آج پیش کئے جاتے۔

منبر اور روضہ رسولؐ کے درمیان صحن میں جسے ریاض الجنۃ کہتے ہیں اور جس کے بارے میں آپؐ نے یہ فرمایا کہ یہ جنت کا ٹکڑا ہے۔ میں نے مسجد نبویؐ میں حاضری کی۔ دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھی اور خدا کے حضور سجدہ شکر ادا کیا کہ مجھے دنیا میں ہی جنت کے فرش پر سجدہ کرنے کا موقع عطا کیا۔ نماز میں ہی مجھے اپنی تہی دامنی، ندامت اور جہالت پر رونا آ گیا۔ سلام پھیرنے کے بعد یہ کیفیت ہوئی کہ جسم پسینہ پسینہ تھا۔ آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور پیشانی عرق آلود تھی۔ شاید اسی کو علامہ اقبالؒ نے عرق انفعال کہا ہوگا اور شاید اسی کے لئے انہوں نے موتی کی تشبیہ اور شان کریمی کی خوشخبری دی ہوگی۔ لرزتی ٹانگوں اور ڈگمگاتے پیروں کے ساتھ جب میں چمکتی ہوئی جالی کے درمیان والے گول سوراخ کے سامنے آیا تو میری گردن شرم سے جھک گئی اور میرے قدم زمین پر گڑ گئے۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ آپؐ جالی کے پیچھے پردہ کئے بنفس نفیس تشریف فرما ہیں اور میں اپنی زخم خوردہ روح اور آلودہ جسم کے ساتھ آپؐ کے سامنے کھڑا ہوں، مجھے خاص طور پر اس حاضری کے لئے پاکستان سے طلب کیا گیا ہے اور میرا دامن خالی ہے۔ میری آنکھوں سے ایک طوفان سا بہہ رہا تھا اور میرے منہ سے یہ الفاظ نکل رہے تھے کہ "یا رسول اللہ! آپ کا یہ غلام آپ کا امتی ہونے کا دعویدار، اللہ کا یہ حقیر بندہ حاضر ہے، اس کا سلام قبول کیجئے۔ میرا دامن اپنی کوتاہیوں سے

گناہوں سے اور تقصیروں سے تار تار ہے۔ آپ کی سیرت کو نہ پڑھ سکا، نہ اس پر عمل کر سکا۔ آپ کی سنت کو قائم نہ رکھ سکا۔ آپؐ اپنے گنہگار امتی کو اپنی رحمت سے محروم نہ فرمایئے، میں نے ساری زندگی اپنی ذات پر ظلم کئے اور دنیا کے علم کی گتھیوں میں الجھ گیا۔ میں ہمیشہ اپنی نفس کا بندہ رہا لیکن آج آپؐ کے روضہ پر اس امید پر آیا ہوں کہ میری معافی ہو جائے۔ میں آپؐ کی بخشش کی سفارش سے محروم نہ ہو جاؤں۔ میری بساط اور میری اوقات بہت کم ہے لیکن میری امید اور توقع بہت زیادہ ہے اور آپ کی شفقت اور رحمت کا تو حد و حساب ہی نہیں ہے کہ یہ تو عالمین پر محیط ہے اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح بلند کیا کہ:

''اگر انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جب یہ اپنے نفس پر ظلم کر بیٹھے تھے تو تمہارے پاس آ جاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسول بھی ان کے لئے معافی کی درخواست کرتا تو یقیناً اللہ کو بخشنے والا اور رحم کرنے والا پاتے۔''

میں جب درود و سلام کے بعد باب جبرئیلؑ سے باہر آیا تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ میں ایک کڑے امتحان سے گزر کر آیا ہوں۔ مجھے محسوس ہوا کہ میری روح ہلکی سی ہو گئی ہے۔ میرا دل انجانی مسرتوں سے لبریز ہے اور دماغ ان لمحات کی یاد سے منور ہے جو میں نے روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں گزارے تھے۔

قبول کن بہ کرم ایں سلام و صلواتم

نسیم حجازی

ہمارا سفر لحہ بہ لحہ ختم ہوا جا رہا ہے۔ دل میں عجیب کیفیات موجزن تھیں اور نگاہیں مدینہ منورہ کی زیارت کے لئے بے تاب۔ ایسے عالم میں جب اچانک کار ٹھہر گئی تو اشتیاق و انتظار کا یہ طلسم ٹوٹتا نظر آیا اور معلوم ہوا کہ ہم تو کبھی کے مدینے کے پر رونق بازار میں پہنچ چکے ہیں۔ میں نے اپنا سامان ایک مزدور کے حوالے کیا اور مدینے کے مشہور معلم جناب حیدر الحیدری کے دفتر جا پہنچا۔ حیدری صاحب سے دو منٹ ہی باتیں ہوئی تھیں کہ قریب ہی مسجد نبویؐ سے عشاء کی اذان سنائی دینے لگی۔

میں نے وضو کے لئے پانی لیا اور ایک طرف بیٹھ کر وضو کرنے لگا۔ میں سارا راستہ سوچتا آیا تھا کہ جب میں مدینہ منورہ داخل ہوں گا تو میری ذہنی کیفیت کیا ہوگی۔ جب گنبد خضرا کی پہلی جھلک دیکھوں گا تو میرے تاثرات کیا ہوں گے اور یہ سوالات میرے ذہن میں صرف آج ہی پیدا نہیں ہوئے تھے بلکہ شعور کے اس دور سے جب میرے دل میں پہلی بار مدینہ منورہ کی زیارت کا شوق پیدا ہوا تھا اور میں انہی سوالوں کے جوابات سوچا کرتا تھا۔ جدے سے روانہ ہوتے وقت میرا خیال تھا کہ مسجد نبویؐ اور گنبد خضریٰ کی پہلی جھلک دن کی روشنی میں دیکھ سکوں گا لیکن اب رات ہو چکی تھی۔ میں نے مسجد نبویؐ کے صرف وہ مینار دیکھے تھے جن پر بجلی کے قمقمے روشن تھے اور شاید قدرت کو بھی مجھ ایسے دیوانے کو اچانک ایک امتحان میں ڈالنا مقصود نہ تھا۔ بہرحال وضو سے فارغ ہو کر میں حیدری صاحب کے ایک رفیق شاہ دین صاحب کے ہمراہ وہاں سے نکلا۔ وہ مجھ سے بار بار یہ کہہ رہے تھے کہ جماعت کھڑی ہو چکی ہے، آپ جلدی چلیں اور میں ایسا محسوس کرتا تھا کہ میں میلوں دوڑ چکا ہوں اور میری ہمت جواب دے چکی ہے۔ چند قدم چلنے کے بعد میں بے خیالی کے عالم میں اپنے رہنما کے ساتھ بھاگ رہا تھا۔ مسجد نبویؐ میں داخل ہوتے وقت میرا ذہن ان دعاؤں اور مناجات سے خالی تھا جو دیارِ حبیبؐ کے تصور سے میری زبان پر آجایا کرتی تھیں۔ شاہ دین صاحب

نے مجھے نمازیوں کی ایک صف میں کھڑا کر دیا لیکن مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ میں مسجد کے کس حصے میں ہوں۔ نماز کے بعد میں دیر تک بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔ جب شاہ دین میری طرف متوجہ ہوئے تو میں نے ان سے پوچھا۔ ''گنبد خضرا کس طرف ہے؟''

انہوں نے آہستہ سے جواب دیا۔ ''اپنے دائیں ہاتھ دیکھو، تم اس آقائے مدنیؐ کے پائے مبارک کی طرف بیٹھے ہو، میں تمہیں عمداً یہاں لایا تھا۔'' میں نے اپنے جسم میں کپکپی محسوس کی اور میری نگاہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر کی جالی پر مرکوز ہو گئیں۔ اس مقام کی عظمت کا احساس میرے دل و دماغ پر چھایا ہوا تھا۔ کچھ دیر بعد میں اچانک اٹھ کھڑا ہوا اور دیر تک درود و سلام پڑھتا رہا۔ اس کے بعد شاہ دین صاحب مجھے روضہ اطہر کی دوسری جانب مسجد کے اس حصے میں لے گئے جہاں عہد نبویؐ کی ابتدائی حدود تھیں۔ زائرین اس حصے کے ہر ستون کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ مجھے جو جگہ نظر آتی تھی وہیں نفل پڑھنا شروع کر دیتا تھا۔ اچانک محراب النبیؐ سے ایک نمازی اٹھا اور میں آگے بڑھ کر وہاں کھڑا ہو گیا۔ نیت کے لئے ہاتھ اٹھانے لگا تو دل نے آواز دی کہ تیری پیشانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں سے پیچھے ہونی چاہئے اور میں ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ نفل پڑھ کر فارغ ہوا تو شاہ دین صاحب نے بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سجدہ گاہ کو محراب کی چوڑائی کے اندر محفوظ کر دیا گیا ہے اور اب اگر کوئی محراب کے اندر کھڑا ہو کر بھی سجدہ کرے تو بھی اس کا سر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں سے آگے نہیں بڑھے گا۔

اب مسجد کے دروازے بند ہونے والے تھے کہ اچانک مجھے حیدر الحیدری صاحب نظر آئے۔ میں نے یہاں ان کی موجودگی کو غنیمت جانا اور ان سے روضہ اطہر پر سلام پڑھوانے کی درخواست کی۔ وہ میرے ساتھ ہو لئے۔ حیدری صاحب کے لہجے میں ایک عرب کا سوز و گداز تھا۔ میرے احساسات جو ابھی تک میرے دل کی گہرائیوں میں دبے ہوئے تھے آہستہ آہستہ ابھرنے لگے اور آنسو بن کر بہہ نکلے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام پڑھنے کے بعد میں نے باری باری سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور سیدنا عمر فاروقؓ بن الخطاب کو سلام پڑھا جو روضہ اطہر میں آسودۂ خواب ہیں۔ پھر مقام جبرئیلؑ پر کھڑے ہو کر دعائیں مانگیں اور مسجد نبویؐ سے باہر نکل آیا۔

دل مضطرب نے مراد اپنی پالی

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر

مسجد نبویؐ میں داخل ہوتے ہی قلب و نگاہ کی حالت بدل گئی۔ روضہ اطہر پر نظر پڑی تو مدتوں کی مشتاق آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب امنڈ آیا۔ دل پر ہیبت طاری ہوگئی۔ درود و سلام پڑھتے ہم مسجد کے اندر داخل ہوئے تو حسن اتفاق سے مجھے ریاض الجنۃ کے ایک گوشے میں جگہ مل گئی۔ نماز پڑھی اور روضہ اطہر کے سامنے حاضر ہوگئے۔ میرا دل جلالت نبوت کی تاب نہ لاسکا۔ قلب وجسم پر لرزہ طاری ہوگیا۔ روح الحاح وزاری اور دل آہ وفغان کرنے لگا۔ سلام پڑھتے ہوئے میں بے ساختہ اونچی آواز میں رونے لگا۔ وہاں قریب قریب سب حاضرین ہی آہ وزاری کر رہے تھے کسی کو کسی کا دھیان نہ تھا۔ جذب ومستی کی ایک کیفیت تھی۔ جو قریب قریب سب اہل جذب وشوق پر طاری تھی۔ میری ہچکی بندھ چکی تھی اور میں زور زور سے رو رہا تھا۔ سلام پڑھنے کے بعد میں نے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور پھر حضرت عمر فاروقؓ کے مزاروں پر حاضری دی اور سلام پڑھا۔

میں روضہ مبارک کے دروازے کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ جالیوں کے سوراخوں میں سے اندر جھانک کر دیکھا تو غلاف مزار کے سوا کچھ دکھائی نہ دیا۔ یہ میرے پیارے نبی اور مسیحا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا روضہ اطہر تھا۔ دل نے چاہا کہ اس سے لپٹ جاؤں، جی بھر کر روؤں اور فریاد کروں لیکن پیغمبر اعظم آخر اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا روضہ مبارک تھا۔ یہاں ادب واحترام شرط اولین تھی۔ فرط عقیدت ومحبت میں شرک کے ارتکاب کا بھی خطرہ تھا۔ شرک نہ خدا اور نہ محبوب خدا کو منظور ہے۔ دل، وفور جذبات محبت وعقیدت سے اپنے ہادی و مسیحا کی قدم بوسی کیلئے سجدہ ریز ہونے کیلئے مچلنے لگا۔ یہ بڑا خطرناک مرحلہ تھا۔ یہ زندگی کا بڑا ہی کٹھن اور صبر آزما امتحان تھا۔ مجھے ایک نامعلوم خوف نے لرزہ براندام کردیا اور دل ڈوبنے لگا۔ وہاں کھڑے ہونے کی مجھ میں سکت نہ رہی۔ میں ہجوم عشاق میں سے نکل کر روضہ اطہر کے پہلو میں ریاض الجنۃ کے ایک گوشے میں آکر بیٹھ گیا اور دیوانہ وار اسے دیکھتا

رہا۔ قلب و چشم روتے رہے ۔ زبان پر درود شریف جاری رہا۔

تقریباً چار سال پہلے جب میں رویائے صادقہ میں یہاں حاضر ہوا تھا تو مسجد مبارک کی ہیئت اور تھی۔ وہ چودہ سو برس پہلے کی مسجد تھی۔ روضہ اطہر کی عمارت بھی اور تھی۔ وہ نقشہ بالکل مختلف تھا۔ پھر میں نے یہ بھی دیکھا کہ روضہ اطہر، روضہ جنت تھا۔ جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرامؓ کے ساتھ جلوہ افروز تھے۔ آپؐ کے حسن و نور سے محفل منور و نظر افروز تھی۔ وہ نورانی فضا ملکوتی تھی۔ اس میں روح پرور ٹھنڈک تھی۔ میں حضور رسالت مآبؐ کی اسی بزم کو دیکھنے کا آرزو مند تھا۔ یہ آرزو شدت اختیار کر گئی اور دل بے قرار ہو گیا۔ میں تڑپ کر اٹھا اور پھر روضہ اطہر کے سامنے حاضر ہو گیا۔ نگاہ مزار مبارک کے نظارے کی حریف ہو سکتی تھی نہ ہوئی۔ ہیبت و جلال رسالتؐ سے کپکپی طاری ہو گئی، ٹانگیں لرزنے لگیں اور دل جلالت پیغمبریؐ کی تاب نہ لا سکا۔ روح قفس عنصری سے پرواز کرنے کے لئے پر تولنے لگی۔ در جاناں کے سامنے جان دینا کتنی بڑی خوش قسمتی تھی۔ محبت کی دنیا کی یہ شہادت تھی جو صرف اہل مہر و وفا ہی کو نصیب ہوتی ہے۔ جان دینے کو دل تو چاہتا تھا لیکن وہاں کھڑا رہنے کی تاب و تواں نہ تھی۔ مجھے مجبوراً اور بادل نخواستہ وہاں سے لوٹ کر ریاض الجنۃ میں آنا پڑا۔ مغرب کی نماز تک وہیں بیٹھا درود شریف پڑھتا اور روضہ اطہر کو دیکھتا رہا۔

میرا مشاہدہ ہے کہ ریاض الجنۃ واقعی جنت کا ایک گوشہ ہے۔ میں نے یہاں اپنے آقا و مسیحا سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو احباب کے ساتھ جلوہ فگن دیکھا تھا۔ میں اس حسین و سرور انگیز نظارے کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ مجھے پھر اس نظارے کو دیکھنے کی طلب و آرزو تھی۔ میں دعا مانگتا رہا اور روضہ اطہر کو ٹکٹکی لگائے تکتا رہا لیکن ایک بار دیکھا، دوسری بار دیکھنے کی حسرت ہی رہی۔ اہل جذب و شوق کی یہ آرزو اور کوشش ہوتی ہے کہ وہ ریاض الجنۃ میں جگہ حاصل کر سکیں۔ وجہ یہ ہے کہ ارشاد نبویؐ کے مطابق وہ اس حصے کو قطعہ جنت سمجھتے ہیں۔ جہاں نماز پڑھنے اور عبادت کرنے کا اجر بے حساب ملتا ہے۔ وہاں سجدہ کرنے سے ایک خاص قسم کی کیفیت جذب و مستی طاری ہو جاتی ہے۔ مجھے وہاں ایک عجیب تجربہ ہوا۔ جب میں سربسجود ہوا تو وجد آفرین و روح پرور خوشبو نے مشام جان کو معطر کر دیا۔ وہ خوشبو ان خوشبوؤں سے مختلف تھی جو اس دنیا میں پائی جاتی ہیں وہ واقعی گلہائے فردوس کی خوشبو تھی۔ روح مسحور و متلیف ہو گئی اور دل سجدے ہی میں پڑے رہنے کیلئے مچلتا رہا۔ ہر بار

سجدے میں بھی خوشبو آتی اور کیف و سرور دیتی رہی۔ میں نے روضہ اطہر کے سامنے حاضر ہونے کی کوشش کی، روح حاضری کیلئے بے تاب و بے قرار تھی۔ دل حضوری کا طلب گار تھا، لیکن میں وہاں حاضر ہوا تو مجھ پر ہیبت طاری ہوگئی۔ دل جلالت پیغمبریؐ کا حریف نہ ہوسکا۔ میری چشم تصور کے سامنے وہ منظر ابھر آیا جس کا مجھے مشاہدہ ہو چکا تھا۔ میرے سامنے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحابؓ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ حضور رسالت مآبؐ کی بزم، تجلیات ربانی اور آپؐ کے جمال دلفروز کی نور پاشیوں سے منور تھی۔ روشنی اس قدر حسین و مطہر، سرور انگیز و کیف پرور اور ایمان افروز و مسحور کن تھی کہ اس کا اظہار محال ہے۔ یہ نظارہ جتنا جمیل و سرور انگیز تھا، اس سے بڑھ کر جلیل و مرعوب کن تھا۔ دل کو تاب نظارہ کہاں تھی؟ جسم و روح پر لرزہ طاری ہوگیا۔ آپؐ کی ہیبت و جلالت سے مجھ میں وہاں ٹھہرنے کی سکت نہ رہی اور مجھے مجبوراً اپنی جگہ لوٹ آنا پڑا۔ روضہ اطہر اب میرے پہلو میں تھا۔ میں پرنم آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھتا رہا۔ کبھی ظاہری آنکھ سے مزار مبارک کے غلاف کو اور کبھی چشم تصور سے روضہ اطہر کے اندر فردوس بریں میں آپؐ کے بزم حسن و سرور کے مناظر ہوشربا سے میری یہ حالت تھی کہ

گاہ میری نگاہ تیز چیر گئی دل وجود
گاہ الجھ کے رہ گئی میرے توہمات میں

(بال جبریل)

مراقبہ عشق ہے سبز گنبد

مولانا وحید الدین خان

صبح کو میں دہلی کی مسجد کی اذان پر فجر کی نماز کیلئے اٹھا تھا۔ اگلے دن یکم مارچ کی صبح کو میں مدینہ منورہ کے موذن کی اذان پر فجر کی نماز کے لئے اٹھا اور مسجد نبوی کے امام کے پیچھے ''بین الاقوامی جماعت'' میں شریک ہو کر فجر کی نماز ادا کی۔

ہزاروں کلومیٹر کا فاصلہ ''راتوں رات'' طے ہونے کا واقعہ بظاہر اتنا ہی عجیب ہے جتنا چودہ سو سال پہلے سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الاقصیٰ کا واقعہ لوگوں کو عجیب معلوم ہوتا تھا۔ مگر آج کا انسان چونکہ تیز رفتار کاروں اور ہوائی جہازوں کے زمانہ میں ہے، اس لئے ایسی خبر سن کر آدمی کے اوپر حیرانگی طاری نہیں ہوتی مگر حقیقت یہ ہے کہ چودہ سو سال پہلے کا ''اسراء'' جس نظام اسباب کے تحت ہوا تھا وہ انسان کی نظروں سے اوجھل تھا اس لئے انسان اس کو سمجھ نہ سکا۔

مسجد کے صحن میں بیٹھ کر میں سبز گنبد کو دیکھ رہا تھا جس کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر ہے۔ اچانک ایسا محسوس ہوا گویا میں تصور کی سطح پر رسول خدا کے ساتھ مربوط ہو گیا ہوں۔ درمیان کا زمانی فاصلہ تھوڑی دیر کے لئے حذف ہو گیا۔ سبز گنبد میرے لئے ایک تاریخی تسلسل کی علامت بن گیا۔

ان کے کرم سے بھر گیا دامان آرزو

وحیدہ نسیم

عورتوں کا ہجوم اب کچھ کم ہو گیا تھا، مرد زائرین بھی رخصت ہو رہے تھے۔ اس لئے میں روضہ اقدس کی طرف بڑھی، میرے سامنے روضے کا اصل دروازہ تھا جو شمال کی سمت ہے۔ میں چند لمحوں کے لئے "صفہ" کے پاس رکی، کاش میں اس پر نماز پڑھ سکتی، میرے دل میں یہ حسرت پیدا ہوئی لیکن اس کا پورا ہونا ناممکن تھا۔ اس لئے میں الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کہتی ہوئی بائیں طرف کو مڑ گئی اور تھوڑی دیر مودب درود پڑھنے کے بعد قدموں کے پاس گئی، منہ جنوب کی طرف کیا داہنے ہاتھ پر مزار اقدس تھا اور میں نے خداوند قدوس کے حضور اقدس رکعت نماز تحیۃ المسجد اور دو رکعت نفل ادا کیا۔ دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے اور اشک ندامت روضے کی جالیوں پر نثار ہونے کیلئے صدف چشم سے ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے۔

اس آستاں کے قابل میری جبیں نہیں ہے
میں اور یہ حضوری! دل کو یقین نہیں ہے
حاضر ہوں دست بستہ
لے کے دل شکستہ

حضور یہ شکستہ دل، گنہگار سلام کے لئے حاضر ہے اس بارگاہ میں جہاں ملائک سلام کرتے ہیں۔ درود بھیجتی ہے، یہ ناپاک زبان اس رحمت للعالمین پر جس پر عرش اعظم سے خدا کی ذات درود بھیجتی ہے...... میں افتاں وخیزاں، لرزاں وترسیاں یہاں تک آ گئی ہوں۔ آپ کے کرم کے سہارے آپ کی بندہ نوازی کے بھروسے، ورنہ کہاں میں کہاں یہ آستانہ، آقائے نامدار میں نادم ہوں، خطا کار ہوں۔ خدا کے لئے میرے دل کو، میری زباں کو، میرے قلم کو، میرے ذہن کو، میرے خیالات کو، میری روح کو زمانے کی آلائشوں سے پاک کر دیجئے۔ مجھے آپ کے نقش قدم کی تلاش ہے وہ نقش قدم جس کو چوم کر دنیا کی صراط مستقیم ملی، جو استقامت کی دلیل ہیں۔ جن کی روشنی نے عالم کی رہبری کی۔ اے ہادی اکبر، میں

اندھیروں میں بھٹک رہی ہوں۔ مجھ پر رحم فرمایئے میں آپ کی نگاہ کرم کی محتاج ہوں۔ میری سب سے بڑی آرزو یہی ہے کہ میرا ایک سلام عقیدت آپ کے حضور قبول ہو جائے۔ آپ بے کسوں کے ہمدم ہیں۔ بے بسوں کا سہارا ہیں۔ یتیموں کے مولا ہیں۔ لاوارثوں کے وارث ہیں۔ آپ سے زیادہ کوئی رسول اپنی امت پر مہربان نہیں ہے۔ میرے ٹوٹے دل کو سکون دیجئے، میری کلفتوں کو اطمینان میں بدل دیجئے، میں گنہگار، خطا کار حشر میں آپ کے دامن رحمت کی پناہ چاہتی ہوں۔ میں خدا کے بعد آپ کی خوشنودی کی طالب ہوں، میں آپ کے دربار میں کس طرح پہنچی ہوں۔ کیسے آئی ہوں، میری کم مائگی، تہی دستی غربت اور مفلوک الحال کا خدا شاہد ہے۔ میرا سرمایہ کوئی نہیں ہے۔ میں اپنی زندگی کی بہت سی مسرتیں لٹا کر ان سے کنارہ کش ہو کر یہاں آئی ہوں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں اپنی ہستی فنا کر چکی ہوں۔

ہستی مٹا کے آئی دنیا لٹا کے آئی
داغوں سے اپنے دل کو محفل سجا کے آئی
حاضر ہوں دست بستہ
لے کر دل شکستہ!

مٹی ہوئی اس ہستی کا، لٹی ہوئی دنیا کا، داغوں سے بھرے ہوئے سینے کا، ٹوٹے ہوئے دل کا، مضطرب قلب کا سلام عقیدت قبول ہو۔ الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ اور پھر میری آنکھوں سے آنسوؤں کے موتی ٹوٹ کر گرنے لگے۔ نوبت یہاں تک آگئی کہ نہ دل میں کوئی خیال رہا نہ دماغ میں کوئی بات، عجیب سی کیفیت، عجیب سا عالم، اشکوں سے لبریز آنکھوں کو ڈرتے ڈرتے روضے کی جالیوں کی طرف اٹھاتی لیکن پلکوں کی ہمت نہ پڑتی کہ اوپر اٹھیں اور ایک نظر کے بدلے میں سینکڑوں آنسو ٹوٹ کر گر پڑتے۔ دامن تر ہو جاتا۔ میں جانتی تھی کہ ان آنسوؤں کا پونچھنے والا کوئی نہیں ہے۔ اگر میں اس وقت پھوٹ پھوٹ کر روؤں تو میرے دل کو تسلی دینے والا سوائے مفرح المحزونین، راحت العاشقین، مراد المشتاقین اور شمس العارفین کے اور کوئی نہیں، دور دور تک کوئی نہیں، میں اگر یہاں گھنٹوں بیٹھی رہوں تو کوئی یہ کہنے والا نہیں ہے کہ اب یہاں سے چل کر اپنے کمرے میں آرام کرو اور اگر انسانوں کے اس سمندر میں کھو جاؤں تو کوئی ڈھونڈنے کے لئے نکلنے والا نہیں ہے۔

دور دور تک کوئی نہیں ہے۔ مسجد نبویؐ سے لے کر خانہ کعبہ تک، مکہ معظمہ سے لے کر جدہ تک کوئی نہیں، یہ خیال یہ تصور کس قدر کربناک ہے۔ اس کا احساس شاید ہی کسی کو ہو اور اس طرح روح فرسا تخیل کے ساتھ جب دل کا اضطراب بہت ہی زیادہ بڑھا تو یہی محسوس ہوا جیسے روضہ اطہر کی جالیوں سے آنے والی ہوا آہستہ آہستہ کانوں میں سرگوشیاں کر رہی ہے۔ روح کی گہرائیوں میں اتر کر بار بار کہہ رہی ہے کہ لاتحزن ان اللہ معنا ہاں قادر مطلق وہی ذات برحق تمہارے ساتھ ہے جس کے سہارے تم اپنا وطن، گھر چھوڑ کر پاکستان آئی تھی، یاد نہیں اس بے بسی، اس کسمپرسی میں جبکہ بحیرہ عرب کی دہشت ناک اور سیاہ موجیں دانت نکالے، منہ کھولے رات کی تاریکی میں تم کو تنہا پا کر ڈرا رہی تھیں۔ اس وقت تمہارے ساتھ کون تھا؟ اس وقت کون تمہارے ساتھ تھا؟ جب کشتی بھنور میں تھی ساحل کا دور دور تک پتہ نہیں تھا۔ تمہارا ہاتھ خالی تھا تمہاری زبر خالی تھی۔ تمہارا دامن خالی تھا، تمہارا کوئی شریک سفر نہ تھا، کوئی مونس نہ تھا، کوئی غمگسار نہ تھا۔ کوئی ہم نوا نہ تھا اس وقت بھی ''ہم'' تمہارے ساتھ تھے۔ تم کو اس وقت بھی ہماری ذات پر بھروسہ تھا۔ اس وقت بھی تم کو یقین تھا کہ اگر تم ایمان پر رہیں تو کبھی رنج پاس نہیں پھٹکیں گے یاد ہے؟ جب بمبئی سے کراچی آتے وقت تمہاری نیا ڈول رہی تھی تم کو یقین تک نہ تھا کہ تم کو کبھی ساحل ملے گا اس وقت موجوں کے ہر تھپیڑے پر ہم تم کو تسلی دے دے کر یہی کہتے تھے کہ

تم نے مجھے قاضی الحاجات کے نام سے پکارا، میں نے تمہاری ہر حاجت پوری کی۔ تم نے مجھے پکارا، میں نے تم کو سکون دیا تم نے کہا یا رافع الدرجات، میرے مدارج بلند کر، میں نے تم کو عزت اور شہرت سے نوازا تم نے مجھ کو یا سامع الاصوات کہہ کر مخاطب کیا۔ میں نے تمہارے دل کی صدا سن لی تم کو اپنے حبیب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰؐ کے قدموں تک پہنچایا۔ اس طرح کہ یہ بات تمہارے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ یہ وہ آستانہ ہے جو خدا کے دربار کے بعد سب سے بڑا سب سے اعلیٰ وارفع ہے۔ یہاں ہر شخص کی جھولی بھری جاتی ہے جو آدمی صدق دل سے جو مانگتا ہے ملتا ہے، مانگو کیا مانگتی ہو، دنیا یا دین؟ جو چاہو لے لو، گناہوں سے بخشش، مغفرت خدا کی خوشنودی صراط مستقیم، دولت دنیا، صحت و تندرستی یہاں کیا نہیں ملتا؟ کیا نہیں بنتا ہے بات مانگنے والی کی ہے۔

میں نے پھر دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے اور آنکھوں سے ساون بھادوں کی جھڑی لگ

گئی۔ یارسول اللہؐ! میں خدا کے بعد آپ کی خوشنودی چاہتی ہوں، خدا کی رضا کے بعد آپ کی رضا چاہتی ہوں مجھے دامن رحمت میں چھپا لیجئے، میں بہت گنہگار، بہت گنہگار

اس کے بعد میں زیر لب دعائیں مانگتی رہی، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہر بن مو کانپ رہا تھا میں پھر خاموش ہوگئی، نہ جانے کتنے دیر اس سکوت کے عالم میں گزر گیا۔

وہ اپنی حضور کا عالم　　خاموش زباں آنکھیں پرنم
کہتا ہے دھڑک کر دل پیہم　　آقا یہ سر تسلیم ہے خم

انوار مدینہ صلی علیٰ
گلزار مدینہ صلی علیٰ

اور حضوری کی اس عجیب کیفیت کے بعد میرا جی ٹھہر گیا، دل کو سکون مل گیا...... اور روح کو تسکین ہوئی۔ یہی معلوم ہوا جیسے کسی پیاسے کو گرمی کی شدت اور آفتاب کی تمازت میں سرد اور شیریں پانی مل گیا ہے۔ میں بڑی دیر تک وہاں سر جھکائے بیٹھی رہی، خیالات کا طوفان، جذبات کا سیل رواں امڈا چلا آتا تھا۔ قلم کاغذ دونوں میرے پاس بٹوے میں تھے لیکن میں یہاں اس کیفیت میں کچھ لکھنے کی گستاخی نہیں کر سکتی تھی۔ یہ کمال بے ادبی نہیں، تو اور کیا ہوگا کہ اگر میں اس آستانے پر بیٹھ کر خامہ فرسائی کروں...... اس لئے نہ میں نے قلم سنبھالا نہ کاغذ، لیکن جولائی طبع کو کیا کروں، دماغ کو کسی کاغذ کی ضرورت نہ تھی ذہن کو کوئی قلم درکار نہ تھا اور میرے خیالات اشعار کے سانچے میں ڈھلتے چلے گئے۔

یہ جود و سخا کا مسکن ہے　　یہ صدق و صفا کا مخزن ہے
یہ صبر و سکون کا گلشن ہے　　یہ رحمت حق کا دامن ہے

انوار مدینہ صلی علیٰ
گلزار مدینہ صلی علیٰ

افلاک سے بارش لطف و کرم　　مٹی میں نقش کے نقش قدم
بستی نہیں یہ فردوس سے کم　　آسودہ ہیں یہاں شاہ امم

انوار مدینہ صلی علیٰ
گلزار مدینہ صلی علیٰ

یہ خاک ہے حاصل فرش زمین　　چومی ہے نبیؐ کی جس نے جبیں

یہ فرش ہے ناز عرش بریں آتے تھے جہاں جبرائیل امیں
انوار مدینہ صلی علیٰ
گلزار مدینہ صلی علیٰ

اک نور کا عالم تابفلک ہیں چاند ستارے جس کی جھلک
بے سوئے ادب اٹھے نہ پلک آتے ہیں یہاں سجدوں کو ملک
انوار مدینہ صلی علیٰ
گلزار مدینہ صلی علیٰ

وہ اپنی حضوری کا عالم خاموش زباں آنکھیں پرنم
کہتا ہے دھڑک کر دل پیہم آقا یہ سر تسلیم ہے خم
انوار مدینہ صلی علیٰ
گلزار مدینہ صلی علیٰ

آنکھوں سے مسلسل اشک رواں اور نطق سے ہے محروم زباں
ہے کس کو یہاں پرتاب بیاں ہے سوئے ادب نکلے جو فغاں
انوار مدینہ صلی علیٰ
گلزار مدینہ صلی علیٰ

میں کس سے کہوں افسانہ غم دل چیر گئے دنیا کے ستم
اے عاجز و بے کس کے ہمدم مجھ پر بھی نگاہ لطف و کرم
انوار مدینہ صلی علیٰ
گلزار مدینہ صلی علیٰ

دھونے کو خطائیں امت کی برسیں وہ گھٹائیں رحمت کی
آئیں وہ ہوائیں جنت کی رخصت ہوئیں گھڑیاں کلفت کی
انوار مدینہ صلی علیٰ
گلزار مدینہ صلی علیٰ

میرے دل سے جب یہ وجد آفرین کیفیت ختم ہوئی تو میں وہاں سے اٹھی اور دائیں ہاتھ پر گھوم کر مواجہ شریف آئی۔ حضور کے روبرو سلام پڑھنے لکھنے کو تو بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے

مضمون نگاری کے لئے مضامین کی کمی نہیں ہے لیکن جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے وہ یہ ہے کہ میں نے وہاں کھڑے ہو کر کتاب نکالی اور اس میں لکھا ہوا درود اور سلام پڑھا اور بار بار پڑھا، بالکل ایسے ہی جیسے ہمارے یہاں کے بچے کو قرآن پڑھایا جاتا ہے۔ دل سے نکلے ہوئے عقیدت کے سلام اور روح کی گہرائیوں سے بھیجا ہوا درود تو میں قدموں پر نچھاور کر چکی تھی۔ یہاں مودب کھڑے ہونے کے علاوہ کر ہی کیا سکتی تھی لہٰذا کھڑی ہوئی درود پڑھتی رہی۔ وہاں سے بائیں طرف سیدھی چلی گئی۔ محراب عثمانی کے پاس دو رکعت نماز نفل پڑھی۔ منبر رسولؐ کے پاس کچھ دیر ٹھہری اور پھر ریاض الجنۃ آ گئی جہاں جگہ ملی وہاں بیٹھ گئی، نماز پڑھتی گئی اور دائیں بائیں جہاں جگہ ملی کھسکتی گئی، نہ جانے کس مقام پر کیا ہوا سجدہ قبول ہو...

وقت کے ساتھ ساتھ سورج کی تمازت بڑھ رہی تھی، چنانچہ تھوڑی دیر بعد میں وہاں سے نکلی، بڑی بی کو میں نے جہاں چھوڑا تھا وہیں بیٹھی قرآن مجید پڑھ رہی تھیں۔

تھا جلوۂ حضور ﷺ جہاں تک نظر گئی

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

میں مدینہ منورہ میں داخل ہوا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ مقدسہ کی زیارت کی، تو میں نے آپ کی روح اقدس کو ظاہر اور عیاں دیکھا اور عالم ارواح میں نہیں، بلکہ عالم محسوسات سے قریب جو عالم مثال ہے، میں نے اس میں آپ کی روح کو دیکھا۔ چنانچہ اس وقت میں سمجھا کہ عوام مسلمانوں کا یہ جو کہنا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمازوں میں تشریف لاتے ہیں اور نمازیوں کے امام بنتے ہیں اور اسی قبیل کی جو وہ اور باتیں کہتے ہیں، وہ سب اسی نازک مسئلہ کے متعلق ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ عامۃ الناس کی زبانوں سے جو کچھ نکلتا ہے، وہ دراصل نتیجہ ہوتا ہے، اس علم کا جو ان کی روحوں پر القاء ہوتا ہے لیکن اس کے بعد ان کے اس علم کی دو صورتیں ہو جاتی ہیں۔ یا تو وہ اس علم کی جو ان کی روحوں پر القاء کیا جاتا ہے، اصل حقیقت کو پا لیتے ہیں، یا وہ محض اس کی ظاہری شکل ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔ پھر ان میں سے ایک اس کی دوسرے کو خبر دیتا ہے، اور دوسرا اجمالی طور پر اس بات کو سمجھتا ہے اور اس کو قبول کر لیتا ہے۔ پھر وہ اپنی اس سمجھی ہوئی بات کو تیسرے کو بتاتا ہے، تیسرا اس کو سنتا ہے اور وہ کسی اور نقطہ خیال سے اس کو مان لیتا ہے۔ پھر یہ چوتھے آدمی کو بتاتا ہے اور چوتھا آدمی یہ بات سن کر اس کو اپنے خیال پر ڈھالتا ہے اور پانچویں کو بتاتا ہے اور اس طرح یہ سلسلہ آگے چلتا ہے۔ یہاں تک کہ یہ بات لوگوں میں مشہور ہو جاتی ہے اور بہت سے لوگ اس بات پر متفق ہو جاتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اس ضمن میں لوگوں کا ایک بات پر متفق ہو جانا بے کار محض نہیں ہوتا اور نیز عوام میں جو باتیں زبان زد اور مشہور ہو جاتیں، ان کی تحقیر نہیں کرنی چاہئے بلکہ اس سلسلہ میں ضرورت اس امر کی ہوتی ہے کہ جو کچھ عوام کی زبانوں پر ہو، تم اس کی جو اصل حقیقت ہو، اس تک پہنچنے کی کوشش کرو۔ بعدازاں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بلند مرتبہ اور مقدس قبر کی طرف بار بار توجہ کی تو آپ میرے سامنے لطیف در لطیف صورت میں ظہور فرما ہوئے۔ چنانچہ کبھی آپ مجرد عظمت و جلال کی صورت میں ظہور

فرماتے اور کبھی جذب وشوق اور انس و انشراح کی صورت میں نظر آتے اور کبھی اس طرح کی جاری و ساری صورت میں ظاہر ہوتے کہ مجھے خیال ہوتا کہ تمام فضا آپ کی روح سے بھری ہوئی ہے اور آپ کی روح اس فضا میں تیز ہوا کی طرح یوں حرکت کر رہی ہے کہ دیکھنے والا اس میں اتنا محو ہو جاتا ہے کہ وہ اس کی موجودگی میں دوسری لطافتوں کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ نیز میں نے یہ محسوس کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بار بار مجھے اپنی وہ صورت مبارک دکھاتے ہیں، جو آپ کی اس دنیا کی زندگی میں تھی اور آپ مجھے اپنی یہ صورت اس حالت میں دکھا رہے تھے جب کہ میری تمام توجہ آپ کی روحانیت کی طرف تھی، نہ کہ آپ کی جسمانیت کی طرف۔ اس سے میں یہ سمجھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ کی روحانی جسمانی شکل میں صورت پذیر ہو سکتی ہے چنانچہ یہی وہ حقیقت ہے جس کی طرف آپ نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے: ''بے شک انبیاء کو اوروں کی طرح موت نہیں آتی، وہ اپنی قبروں میں نمازیں پڑھتے اور حج کرتے ہیں اور انہیں وہاں زندگی نصیب ہوتی ہے.........'' الغرض اس حالت میں، میں نے آپ پر درود بھیجا تو آپ نے مسرت کا اظہار فرمایا اور مجھ سے خوش ہوئے اور میرے سامنے ظہور فرمایا اور آپ کا اس طرح لوگوں کے سامنے آنا اور آپ کی روح کا فضا میں جاری و ساری ہونا بیشک نتیجہ ہے آپ کی اس خصوصیت کا کہ آپ سب جہانوں کے باعث رحمت بن کر مبعوث ہوئے تھے۔

اللھم صل علی محمد عبدک ورسولک واھل بیتہ کما صلیت علی آل ابراھیم انک حمید مجید وبارک علیہ وعلی اھل بیتہ کما بارکت علی ابراھیم انک حمید مجید

ادارہ فروغِ فکرِ رضا

دارالعلوم محمدیہ رضویہ
پنڈدادنخان (جہلم)